

DYAL SINGH PUBLIC LIBRARY

ROUSE AVENUE, NEW DELHI-1

Class No. 891.436

Book No. 11

Accession No. 1074

DYAL SINGH PUBLIC LIBRARY

ROUSE AVENUE, NEW DELHI-1.

Cl.No. 891.436 7 11 ف

Ac. No. 10 74 Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.6 P. will be charged for each day the book is kept overtime.

[illegible]

تبرکات آزاد

جس میں

مولانا ابوالکلام آزاد کے ۹۷ مکاتیب اور ۸
مقالات شامل ہیں جن کو اپنی اہمیت و نوعیت کے
اعتبار سے تبرکات کی حیثیت حاصل ہے۔

غلام رسول قہر

(جملہ حقوق محفوظ)

قیمت چھ روپے پچاس نئے پیسے . ۵۰ - ۶
تعداد پانچ سو - ۵۰۰
عثمانیہ بکڈرو - حیدرآباد -

تبرکات آزاد

غلام رسول مہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ہولے منزل یار آبِ زندگانی ماست !

صبا! بیار نیسے زخاگِ شیرازم !

یہ کتاب جو "تیرکاتِ آزاد" کے نام سے خواندگانِ کرام کی خدمت میں پیش ہو رہی ہے مولانا اباسکلام آزاد مرحوم و مغفور کے ان رسالتِ نعلیم پر مشتمل ہے، جنہیں "تیرکات" تسلیم کرنے میں شاید کسی کو بھی تامل نہ ہو گا۔ اس لئے کہ مباحث کی اہمیت اور مطالب کی گراں مائیگی کے باوجود علمِ نادب اور دینِ دیاست کے پناہ دہرہ ریزے مختلف گوشوں میں کھمرے پڑے تھے اور ان پھر دفرِ اہشی کی اتنی ہنہیں جم گئی تھیں کہ غالباً کسی کان کے جھنکا احساس تک نہ رہا تھا۔

مکاتیب تو بہر حال انہی افراد کی ملکیت ہوتے ہیں جن کے ناکادہ آتے ہیں اور ان کا علم اس وقت تک کسی کو نہیں ہو سکتا جب تک ان کی فراہمی کے لئے سرگرم کوششیں نہ کی جائیں، لیکن یہ مضامین مقالات کم انکم ایک مرتبہ ضرور چھپ چکے تھے۔ پھر یہ معاملہ کس قدر عجیب ہے کہ شائع ہونے کی کیا دہریہ کب چھپے؟ کہاں چھپے؟ اور ان کی ترتیب و تہذیب کے آرزو مند کو کن کن خیریتوں کے دھاندل ہو شک دینی چاہیے؟ البال و البلاغ کے بھولات تو سیکڑوں اصحاب کے پاس محفوظ ہوں گے اور ان میں جو کچھ شائع ہوتا رہا اسے یقیناً محفوظ سمجھنا چاہیے، مگر چونکہ عام ابوابِ نقد کی دوسرے باہر ہے اور مختلف اصحاب نے چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں جو کچھ شائع کیا وہ ان نواہی اشاعت کا کوئی مستثنیٰ و شایانِ طریقہ نہ تھا۔ پیش نظر مضامین کا تو اکثر اصحاب کو خیال تک نہ ہو سکتا تھا۔ تاہم اللہ

تعلے کی رحمت سے یہی محفوظ رہے اور آج پہلی مرتبہ تشریح و تفسیر کے ساتھ کتابی صحت میں منظر عام پر آ رہے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مکاتیب کے چارہ نمبر ہیں جن کی کل تعداد ستانوے ہے۔ ان میں سے متعدد اتنے طویل اور مفصل ہیں کہ انہیں مستقل رسالے سمجھا جا سکتے ہیں جو نہایت نفیس، دقیق اور مفید بحث کے حامل ہیں۔ ایسی چیزیں دوسری جگہ شاید ہی مل سکیں۔ ان میں دینی اور علمی مسائل بھی بیان ہوئے ہیں تعلیمی اور اصلاحی مسائل کے متعلق بھی خاصے اہم نکتے ارشاد فرما گئے ہیں، جن کی کوئی مثال نہ محض ہمارے عہد میں بلکہ پیشتر کے اکثر عہدوں میں بھی نہیں ملتی۔ پھر جو کچھ ظلم سے نکلا ہے، اسرارِ محمدانہ اور بصیرت و موعظت کا ایک نادریدہ مرقع ہے۔ بعض مکاتیب اگرچہ مختصر ہیں مگر ان میں سے بھی کوئی کسی اہم علمی یا اخلاقی نکتے کی غالی نہ ہوگا سب سے آخر میں یہ کہ اسلوب نگارش کی ندرت کاری اور شخصیت کی خاص جھاپ کا حسن تو سب میں جلوہ گر ہے۔

ان میں سے پہلے مطالبہ حدود جو پیش قیمت مجموعہ ہے، جو مولوی محمد الدین احمد تصوری نے مرحمت فرمایا۔ ان مکاتیب میں سے زیادہ تر خود مولوی صاحب کے نام اور چند ان کے والد ماجد کے نام آئے تھے۔ ان کے کس کو موصوف کے پاس تھا، مکاتیب محفوظ نہ رہ سکے جو یہ نہیں کہ ان کی اہمیت کا پورا اندازہ نہ تھا یا حفاظت کا جتنا اہتمام نہ کیا جا سکتا تھا۔ کیلچا سکا۔ دو جہ کی مولوی محمد الدین احمد کا خاندان انگریزی حکومت کے نزدیک عتاب کا مہموم بن گیا تھا، اول اس لئے کہ ہر دے خاندان کو مولانا کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ دوم اس لئے کہ خاندان کے مختلف افراد خصوصاً مولانا عبدالقادر مرحوم، مولوی محمد علی مرحوم اور مولوی محمد الدین احمد زادی کی تحریک میں پیش پیش تھے، اس لئے بار بار خانہ تلاشی کی نوبت آئی اور ایسے اہلقت میں مولانا کی تحریرات کو پولیس کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

مولوی محمد الدین احمد ملتے تھے کہ ایک مرحوم عہد نے سہہ ملک کے متعلق چند مراسلات

کئے تھے۔ اس زمانے میں مولانا بہ مقام ہائی نظر بند تھے۔ انہیں نے تعلیم اٹھایا تو مسالوات کے جواب میں سوئے ملک کی تفسیر مرتب فرمادی جو کم از کم تیس صفحات پر پھیلی ہوئی تھی اور اس میں اس سہ کے ضروری معارف کا کوئی پہلو بھی تشہ نہیں چھڑا گیا تھا۔ اس اثنا میں پولیس تلاشی کے لئے آگئی تو اس مکتب کو اٹھا کر چھت پر پھینک دیا گیا۔ تلاشی کے بعد چھت پر پہنچ کر دیکھا تو ہمارے جو بھائیے اور اق کو خدا جانے کس طرف اڑا کر لے چکے تھے۔ مولوی محمد الدین احمد اس وقت گھر پر موجود نہ تھے۔

غرض اس طرح متعدد مکاتیب تلف ہو گئے جو شائع کئے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بھی ایک ناقص ہے۔ مولوی محمد الدین احمد بتاتے ہیں کہ کسی صاحب کو غرض اشاعت دیا گیا تھا، چھپ نہ سکا اور اسے واپس لے آئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مکتب کا آخری حصہ ناقص ہے ہر چند تلاش کیا، نہ مل سکا میں نے ترتیب میں اس مجموعے کے تمام مکاتیب الگ رکھے ہیں دوسرا مجموعہ ان مکاتیب کا ہے۔ جو مولانا عبد الماجد دہلوی کے نام تھے اور محترم مولانا صاحب نے انہیں تیار کر کے ایک اشاعت خصوصی میں شائع کروا دیا تھا تیسرا مجموعہ مولانا سید سلیمان خدوی مرحوم و مغفور کے نام مکاتیب کا ہے جو سب سے پہلے "معارف" میں شائع ہوئے تھے، لیکن ان میں ترتیب کوئی نہ تھی میں نے ان دونوں مجموعوں کے مکاتیب پر بھی اپنے علم کے مطابق تشریحی حواشی لکھ دیے۔ چوتھا مجموعہ متفق مکاتیب کا ہے۔ ان میں سے بعض دہلی کے ایک مرقع میرا عقیدہ "میں شائع ہوئے تھے بعض مختلف رسائل میں چھپے، بعض مجھے ایک دوست کی ہربانی سے مستشرقین کے سب سے متعلق ضروری تفصیلات پر مبنی عبارات یا حواشی میں درج ہو چکی ہیں۔ ان مکاتیب کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ مولانا کی زیادہ سے زیادہ تحریرات یک جا ہو جائیں۔

مضامین و مقالات میں سے صرف ایک یعنی "چتر گپ" داس "جولائی ۱۹۲۷ء" کے "پہلا" میں اس موقع پر شائع ہوا تھا جب داس کی دوسری سیر سی منائی جا رہی تھی باقی

مضامین یا نویندارہ میں شائع ہوئے یا اس سے دوسرے اخبارات میں نقل ہوئے۔
 اگر انھیں محفوظ نہ کیا جاتا تو یقیناً تلف ہو جاتے۔ ان میں سے بیشتر کے مسودات بھی میرے
 پاس محفوظ تھے، جو خود مولانا کے اپنے قلم سے تھے۔ جہاں شائع شدہ عبارت میں کسی مقام
 پر شبہ پیدا ہوا، مسودہ سامنے رکھ کر اسے درست کر لیا گیا۔

میں نے ہر مضمون کے آغاز میں لمبیدی عبارتیں لکھ دیں تاکہ ان کی اشاعت کے وقت
 کاما حول غماندگان کرام کے سامنے آجائے اور مکاتیب و مضامین میں جہاں جہاں توضیحات
 کی ضرورت محسوس ہوئی حواشی تحریر کر دیے۔ اس طرح میرے اندازے کے مطابق ان تہذیب
 کی اشاعت سے بہتر طریق پر استفادہ کیا جاسکے گا۔

ایک مضمون "مقابر و آثار پر عمارات" کے زیر عنوان کتاب میں شامل ہے۔^{۱۹۲۵ء}
 میں مرتب ہوا تھا، جب حجاز پر سلطان عبدالعزیز مرحوم فرمانروائے نجد کے حملے سے قبلوں
 کی بحث چھڑ گئی تھی۔ اس کے متعلق یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ مولانا کے نام سے نہیں لکھا تھا
 تاہم مجھے ذاتی طور پر علم تھا کہ یہ مولانا ہی کا ہے۔ نیز اسلوب نگارش کی بہار آفرینی اور مسائل
 اور کے سلسلے میں نکات و مباحث کی سیر حاصل و شادابی اس حقیقت کی روشن شہادتیں
 ہیں کہ مولانا کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک اپنے نام کو شائع نہ کرنے
 کا سبب بعض وقتی مصاحبتوں کی گہواراشت کے سوا کچھ نہ تھا اور اصل مقصود زیر بحث
 مسئلے کے مختلف پہلوؤں کی توضیح تھی، جس کی امید اس پیمانے پر کسی دوسرے صاحب سے
 سے نہ ہو سکتی تھی اور یہ مقصد اخبار نام و نسب کے بغیر بھی پورا ہو سکتا تھا۔

یہی عرض کر دوں کہ ۱۹۲۵ء میں مقابر و آثار پر عمارتوں کی بحث نے ایک زبردست
 ہنگامے کی صورت اختیار کر لی تھی اور یقیناً ایک دوسرے کے جواب میں جو کچھ لکھتے تھے
 اس میں تباہ و تاراج اور بڑی تیزی نمایاں تھی۔ بعض اصحاب نے بہت علمیانہ باتیں کہیں کہیں کر کے
 روش و منہ بول کے ایک طبقے کو مشتعل کر دیا تھا غالباً ان اسباب سے مولانا بھی غور و فکر

کئے۔ چنانچہ ان کی بعض عبارتوں میں بھی ایک حد تک تلخی اور متعاندہ شغیہ کا رنگ پیدا کر لیا، حالانکہ علمی مباحث میں مرحوم و معصوم کی عام روش یہ تھی کہ صرف اصل مضمون کے دلائل و مطالب کو ملحوظ کر دیا جاتا تھا، لہذا ان فقروں، اور الفاظ کو حذف کر دیا جو ہر سچی پر ناخوشگوار تھے اور ان کے حذف سے اصل مطالب پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا اگر مولانا زندہ ہوتے اور اپنی نگہبانی میں اس مضمون کی شاعت کی غرض سے مرتب کراتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ان حصوں کو بے تامل حذف کر دیتے۔ حذف شدہ فقروں اور عبارتوں کی جگہ نقطہ لگادیتے ہیں۔ ابتداء حصہ باقی رکھنے کے سوا چارہ نہ تھا، جنہیں اصل مطالب کی توضیح کے سلسلے میں ایک ناگزیر کی حیثیت حاصل ہو آخر میں ایک مضمون ”پیغام“ سے بھی لیا گیا ہے۔ یہ فہرستہ دار اخبار تحریک ترک موالات کے عہد شباب میں بغرض دعوت و ارشاد مولانا کے زیر نگین جاری ہوا تھا۔ مولانا گرفتار ہو گئے تو یہ بھی بند ہو گیا۔ اسے تبرکات میں شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بابِ دفعہ کو مولانا کے دامیانہ اسلوب تحریر کا ایک حد تک اندازہ ہو جائے۔ ”الہلال“ کے پہلے دور میں بھی ایسے بے شمار مضامین و مقالات شائع ہوئے تھے، جنہیں بعض حقیقت ناشناس اصحاب نے صرف الفاظ کی ظلم آرائی قرار دیا، انھیں یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ قوموں اور جماعتوں میں زندگی کا دلول اور داعیہ نفاذ کرنے کے لئے دامیانہ اسلوب خطاب سے کام لینا ناگزیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اصل مقاصد کے لئے جدوجہد کی روح پیدا نہیں ہوتی، بلکہ دیوں کے دروازے صدائے حق کی پذیرائی کیلئے کھلتے ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ داعی وہی انداز خطاب اختیار کرے گا، جو متعلقہ قوم و جماعت میں بیداری پیدا کرنے کے لئے ضروری ہو۔ اس سلسلے میں خاص تو اعداد و ضوابط وضع نہیں کئے جاسکتے۔

”الہلال“ کے دامیانہ مضامین کے مقابلے میں ”پیغام“ کے مضامین زیادہ سلیس عام فہم تھے۔ ان میں سے صرف ایک مضمون نمونے کی غرض سے ”تبرکات“ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس طرح کے باقی مضامین کی شاعت کا معاملہ جداگانہ حیثیت رکھتا ہے اور ”الہلال“ ذوالبلاغ۔

کے مہتممین و مقالات کو جس صورت میں منظر عام پر آنا چاہیے، وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔
 میرے علم میں مولانا کے بعض اور مفلاں بھی ہیں جو مختلف اخباروں میں شائع
 ہوتے رہے انہوں کو ان کی نثری کے لئے ایک جتنی کوششیں کی گئیں، وہ کامیاب
 ہو سکیں حالات اور صحت نے مسامت کی تو ان سب کو بھی مرتب کرنا ہے، نیز اس اثنا میں
 جو مکتبہ مل جائیں گے، وہ بھی اس نئے مجموعے میں شامل کر دے جائیں گے۔
 اللہ تعالیٰ!

آخر میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں،
 دیدۂ بخت بہ انسانہ اوشد در خواب
 کہ نسیم ز عنایت کہ کند بیدارم

مسلم ٹاؤن لاہور

۷ جولائی ۱۹۵۹ء

مہر

فہرست

نمبر شمار	نمبر صفحہ
۱	۱۳
	مکاتیب کا پہلا مجموعہ
	(اس مجموعے میں تئیس مکتوب ہیں)
۲	۸۶
	مکاتیب کا دوسرا مجموعہ
	(اس مجموعے میں اٹھارہ مکتوب ہیں)
۳	۱۱۵
	مکاتیب کا تیسرا مجموعہ
	(اس مجموعے میں اڑتیس مکتوب ہیں)

نمبر شمار	نمبر صفحہ
۴	۱۷۳
	مکاتیب کا چوتھا مجموعہ
	(اس مجموعے میں پندرہ مکاتیب ہیں)
۵	۲۰۳
	ہجرت کا فتوے
۶	۲۰۷
	فقہ ارتداد اور مسلمان
۷	۲۱۲
	مسئلہ خلافت اور جمہوریت برکبہ
۸	۲۶۱
	امیر ابن سعود اور حریم نسرتین
۹	۲۱۶
	مقابر و آثار بر عمارت
۱۰	۳۷۰
	دش بندھو پترنجن داس
۱۱	۳۸۲
	کیا آخری منزل آگئی ؟

مولانا ابوالکلام آزاد کے یگانہ فناء اہل کائنات پہلو محتاج
 تعارف ہے ؟ ایسی جلیل القدر ہستیاں صدیوں کے بعد
 عالم وجود کے لئے افزائشِ زینت کا باعث ہوتی ہیں۔ مولانا کی ایک
 ایک تحریر اپنے نامہ مطالب اور غیر معمولی اسلوبِ تحریر کے باعث
 اہل علم و نظر کے لئے واقعی "تبرک" کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو
 زبان میں جس بزرگ کے نامہ مبارک فرس کی گھل افشانیوں اور
 نمدت کاریوں نے نظم سے بڑھ کر دل آویزی پیدا کر دی، وہ صرف
 مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ یہاں تک کہ مولانا حسرت موہانی بھی بے
 اختیار اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے فرما گئے
 جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
 منظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

اس مکتوب گراہی پر تاریخ ۷ ص ۱۱ نہیں، لیکن یہ قطعی طور پر گراہی میں
نظر بندی کے آخری قند کا خط ہے۔ اغلب ہے ۱۹۱۹ء کا جو۔
جمعی سلام علیکم درجۃ الشرف و برکاتہ

آپ کی جس تحریر میں قرآن حکیم کی نسبت سوالات تھے اس کا مفصل جواب بھیجا
گیا تھا جس کے بعد بالکل خاموشی رہی جو وی سلطان صاحب نے دریافت حال کے لئے
خط لکھا مگر جواب نہیں آیا۔ تعجب ہے کہ آپ اس بارے میں میرے بیان پر مطمئن نہیں تھے
آپ نے میرے قافل کی شکایت کی ہے۔ قافل کا تو اقرار نہیں کر سکتا، لیکن اس
میں شک نہیں کہ جب کبھی میں نے آپ کے احاطہ میں ملنے پر غور کیا ہے، یقیناً کہ جس
خود میرے قافلے مجھے ملامت کی ہے۔ آپ کی محبتوں کا میری جانب سے عشر عشر کی جتن
امان ہوا۔ میں تمہیں کا معترف ہوں اور متنی ہوں کہ کاش بقیہ زندگی میں کچھ تلافی کر سکوں،
لیکن مشکل یہ ہے کہ محبت کی کوتاہیاں حد تلافی و مکافات سے مافوق ہیں۔ ہر کوتاہی
کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن محبت کی کوتاہی کی تلافی ممکن نہیں۔ مجھ سے عطا رکھنے والی میں
صرف ایک شخص ہے جس نے غالباً آپ سے بھی زیادہ مصائب برداشت کئے۔ باقی اور
سبوں سے زیادہ آپ کے لئے اپنے اندر اندھ غم پاتا ہوں اور دائی اظطراب رکھتا ہوں۔

الی اندر اشکو، ان فی انقض حاجتہ

متر بیتا الایام دمی کما صیا

میں نے وی سلطان محروم جو سب سے بڑی کارکن تھے اور نوٹ بنانے کے سلسلے میں کھینچ سڑ گئی تھی حتیٰ حالاکہ
خود بھی زندہ تھے کہ مطلب ہے کہ وہ بھی الی الدین احمد نے کچھ تھا جو وی سلطان محروم صاحب ایک مسکند
کیا تھا مرنے کے بعد کہ تو نے یہ خط لکھا کہ اب کے نزدیک قابضین رہتا۔ ہمارے پوچھا گیا کہ مولانا نے
فرمایا کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مر جائیں۔ پھر مولانا نے کہا کہ کون صاحب تھے۔

ملکی پشت پرچم پر چھاب کو بھی جانے میں جوشادہ تھانل کے غلڑ دیانہ کلاس کا سبب
 ہونے کی ایک اس وقت ہو مضافت سے کاغذ سے مدد تھا آئندہ اس سے احتراز کریں گا۔
نصاب تعلیم | تعلیم کے متعلق چند امور ہیں :

۱۔ ایک نقشہ نصاب اختیار ہوں۔ دو سال ہونے ڈاکٹر بنگال نے درسدیہ کلکتہ
 کے نظام تعلیم میں تبدیلی کی اور سو فخریک کی اور سو فخریک عبداللہ صاحب کوئی کو ایک سوسہ طیار
 کرنے کے لئے کہا گیا ہے ایک سبکیٹ بنائی گئی اور میرے پاس کی کافدات پہنچے۔ نظریہ
 کی وجہ سے کئی کے اجلاس میں شرکت نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے قریب دراصلت پر کاشا کیا۔
 ایک جدید نقشہ نصاب مرتب کر کے بھیجا۔ یہ اسی نصاب کے روحانیہ کی نقل ہے۔ اس کے
 ساتھ تشریحات کے نوٹس تھے۔ جو دو سو صفحے تک پہنچ گئے، لیکن ان کی نقل میرے پاس نہیں۔
 ان سے کتب خانہ کے دو توجہ اور دو انتخاب و تعلیم علوم و ادب کتب خانہ و فاضل ہوتے تھے۔
 ۲۔ اس نصاب تعلیم کی کل مدت سو سال ہے، جس میں کتب کلاس کے تین سال
 بھی شامل ہیں ان کو خاتمہ کیا جانے تو تیرہ سال باقی رہ جاتے ہیں جو بی۔ اے کی مدت
 تعلیم و تحصیل کے مقابلے میں اس طرح گراں نہیں۔ تعلیم و تحقیق میں ختم ہو، جو تیرہ کلاس اور تیرہ
 و کلاس (جو تیرہ کلاس) آٹھ سال ہے، جس میں مکتب کی ابتدائی تعلیم بھی داخل ہو۔ عام طور پر خود میں
 نے مکتب کی تعلیم کے لئے تین سال رکھے ہیں۔ یہ سب صرف محال رکھے اور دوسرے راہی

۳۔ سوچ رہا ہے کہ کوئی اور چیز کوئی منفرد کیا تھا اس وقت سے ملے گا کے پاس کاغذ سے لیا ملے گا
 صاحب و صرف کے خاکہ پشت پر چھاب کو دیا۔ سو فی صاحب نے اسے شہدہ تھانل میں شامل کر لیا۔

۴۔ دو سو فخریک کے کلاس ہے کہ دو سو صفحے کے نوٹس ڈاکٹر بنگال کے پاس بھیجے گئے
 تھے کہ ان کو صاحب اس دفتر کے پاس دیا جائے وہ میں میں حاضر نہال میں۔ یہ شہدہ کی تحریر ہوئی ہے
 کہ ملے ڈاکٹر سے ملاؤں کہ ۱۱۸۸ میں راہی پہنچ گئے تھے اور ان میں نہیں تھیں کہ کوئی ختم اس نے
 میں ملے راہی میں ایک درگاہی حکم لکھا تھا۔ یہ راہی کا ذکر ہے۔

کے تجربے نے ثابت کر دیا کہ پوری طرح کافی ہیں۔ پندرہ سٹی کے جدید قواعد کے دو سے سولہ سال کی عمر سے پہلے میٹرکولیشن کا امتحان دیا نہیں جاسکتا۔ اگر بچے نے پانچ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی تو اس درجہ کی تعلیم سے تیسو سال کی عمر میں فارغ ہو سکتا ہے۔ دو سال درمیان میں ناکامی وغیرہ کے لئے مکہ لے جائیں اور پانچ کی جگہ آغاز تعلیم کو چھ میں مانتے لیجئے جب تک سولہ سال کی عمر میں اس سے فارغ ہو جائے گا۔

۳۔ جزیئر کلاس کئے آٹھ سال میں پانچویں سال سے انگریزی زبان عدانی شروع ہو جاتی ہے اور حساب، جغرافیہ جام، جغرافیہ ہند تاریخ، شہد تاریخ اسلام، مبادیات سائنس اس کے برابر اور بعض حالتوں میں اس سے زیادہ ہے جس قدر سرکاری ٹیلا انگلش کورس میں جاتا ہے گویا انگریزی، حساب، تاریخ وغیرہ کی جس قدر استعداد ٹیلا پاس کو جاتی ہے اس سے زیادہ اس جزیئر کلاس کے تعلیم یافتہ کو ہوگی۔ مزید برآں عربی صرف و نحو بالکل ختم۔ مبادیات ادب شروع، کامل ترجمہ القرآن، بقدر ضرورت تجوید و قرآن، عقائد کالیک متن حفظہ تاریخ اسلام، سیرۃ نبویؐ فارسی کامل، منطق کی پہلی کتاب، اردو شرح تہذیب زیادہ تک کی۔ فقہ میں ایک محضر، اسرار الایینہ میں منتخب احیاء و مایا حسب ذلک۔

ایک بنیادی پہلو۔ ام۔ موجودہ حالت میں کوئی سلسلہ تعلیم کامیاب نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس میں سرکاری دہنہ سٹیوں کے پینڈی بھی گننا نش شکی جائے ایک ٹہری غمی اس میں ہے کہ جزیئر کلاس کے بعد اگر کوئی چاہے تو بلا ایک سال بھی نتائج کیے باقی سکول کی پانچویں کلاس میں ٹیلا پاس کی طرح داخل ہو سکتا ہے۔ بہت سے لگ اپنے بچوں کو قصداً پہلے ٹیلا انگلش کی تعلیم دلا کر باقی اسکول میں داخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی استعداد حسب ذاتی زیادہ کچھ تعلیمات میں نہیں ہوتی ہے۔ ہم نے بھی اتنی ہی مدت لگی ہے۔ پس اس کے بعد بھی یہ ممکن ہے اور مزید برآں یہ کہ اس کی عربیت و اسلامیت اور فارسیت اس کے تمام خصوصیات سے لے کر جزیئر کلاس کے بعد بھی کچھ تعلیم حاصل نہیں کی گئی،

ادب عربی و انگریزی ہی کا اختیار کر لیا گیا، جب بھی اس سے ایک عربی دان ادب عربی سے بہتر مرچاوت پیدا ہو سکتا ہے۔

۵۔ منیٹر کا اس لیے جماعت ثانیہ عربی علوم کی جماعت ہے۔ مبادیات اور علم آید سب جماعت اولیٰ میں ختم کر دیے گئے ہیں۔ اس کے چھ سال ہیں اور چار ابتدائی سالوں میں انگریزی کا سلسلہ جاری رہے گا، بقیہ دو سالوں میں انگریزی نہیں، انگریزی کے متعلق یہ اصل ٹھکانہ رہے گا، ایک انٹرنس پاس کی زبان دانی تک کی استعداد لازمی طور پر حاصل ہونا چاہیے جس کو مزید انگریزی کا شوق ہو وہ جماعت ثانیہ کے چھ سال ختم کر کے ”درجہ تکمیل“ (ایم۔ اے) میں انگریزی علم ادب کا مضمون لے سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ استعداد پیدا کر لے سکتا ہے۔

۶۔ کوئی جدید نصاب تعلیم عربی موجودہ کتب کے مدد پر بدل

نئی کتابوں کی ضرورت | واقف اس و انتخاب سے مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک بعض

کتب میں از سر نو کبھی بائیں علی المطہیں ابتدائی تعلیم میں سلسلہ دینیات، ترجمہ القرآن، جملہ طبعیات، مقدمات ادب فارسی، سیرت نبویؐ، منطق کی تصنیف ناگزیر ہے منطق کی پہلی کتاب قطب اللہ میں یا فارسی میں ہونی چاہیے اور بہ اسلوب جدید و کم بہ طرز متون و شرح قدیمہ۔ اس لئے متعدد چیزیں زیر تالیف ہیں۔ نیز منطق استقراریٰ۔

۷۔ نمونہ اور کم مقصود مدد سہا یہ سکتا ہے اداس کے بعد عامہ مدرسے تھے اور مزاحمت اصلاح کامل کا تحمل نہیں اور رعایت مصالح ناگزیر، اس لئے بعض چیزوں میں اس نزاع کو گوارا کر لے گئے اور بعض چیزوں کو بحال چھوڑ دیا۔ مثلاً متون نقد متداول اور عقائد و اصول میں مصنفات تعارفی۔ مبادیات اسلامیہ کے نزل کا ایک بڑا سبب علامہ فقہ دانی کے نصاب دلائل و قبول ہے مگر یہ ایک انقلاب کامل کی کامیابی تھیں ہے یہ ساری باتیں ٹھوس و معلوم چیزیں، انہیں کھٹکھٹ کر کرنا نہیں چاہیے۔

مختصر نظر کا خلاصہ | ایک لمبی وقت جس کی وجہ سے بعض بہترین کتب تصاویر کو چھوڑ دینا پڑا

یہ پیش آئی کہ ہمارے علماء صدیوں سے اس کے علوی چلے آتے ہیں کہ وہ سیات کو ان کے شروع
 و حاشی و تعلیقات وغیرہ کی مدد کرتے ہیں پڑھنا جس مجتہدانہ نظر و درس مفقود۔ اب اگر نیکایک
 تمام کتابیں ایسی رکھ دی جائیں جس کے شروع و اصل غرائب و لغات وغیرہ موجود نہیں ہمارے کامل
 و فہم صرف مسلم کے مجتہدانہ نظر و مطالعہ کا محتاج، تو نتیجہ یہ نکلا گا کہ آپ کو پڑھانے والا کوئی
 نہیں ملے گا۔ سب سے زیادہ یہ وقت ادب اور نقد میں پڑتی۔ ناچار حتی الوسع ایسی ہی کتابیں
 رکھی گئیں، جس کے شروع کسی کی شکل میں موجود ہیں۔ بلاغت و معانی و بیان میں سینٹ
 جوزف کا ترجمہ کی کتابیں اسی لئے اختیار کیں کہ ان کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں اور چھپی ہوئی ہوتی
 ہیں، ورنہ بعض ادب بہتر کتابیں قدامت کی نکل آتی ہیں۔ انشاء کتابت میں ابن مقفع وغیرہ کو اسی
 سہولت کی بنا پر اختیار کیا، ورنہ باحفاظہ، ابن ندیم و غیرہ ائمہ عزیت کے مقالات موجود ہیں اور
 وہ سبھی تہہ تیہ گئے۔ بااں ہر ادب کا انصاف اس درجہ تکلی خاطر ہو گیا ہے کہ اس کے کما حقہ کا
 اندازہ تمام زہد کس کتب کے مطالعے اور فوقی سلیم و فکر مستقیم کی معاونت ہی سے
 ہو سکتا ہے۔ مختصر و مطول اور میری مشقی کی پرستش کرنے والے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔
 ۹۔ لیکن آپ کو سروسست جو محدث دیکھیں ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ آپ کو ایک
 کامل درس گاہ نہیں قائم کرنی ہے اور اس کی ضرورت مبادیات و آلات سے قطع نظر کیے
 اعلیٰ علوم کی چند ضروری کلاسیں جاری کرنی ہیں اور اس سرکاری یونیورسٹیوں کے قرار دادہ نظام
 تقسیم اوقات وغیرہ غیر ضروری پابندیوں کی رعایت بھی ضروری نہیں، جس کی وجہ سے
 مجوزہ انصاف میں بڑی دشواری پیش آتی تھیں۔ پس یہ نعتہ انصاف اس لئے نہیں سمجھتا کہ
 مجسٹریس کو اختیار کیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ضروری علوم و مضامین اور کتب منتخبہ درسیہ کے

ملاحظہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ہر ایک شخص کے غنم کے بارے میں
 جس قدر کہ ضروری ہو، اس قدر ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کو اپنی جائیداد میں سے ایک حصہ
 بطور صدقہ دینا چاہیے۔

مداس سے مل جائے گی اور کتبوں کے نظریں اس کا پیش نظر رہنا باعث سہولت ہوگا۔
دینیات اور عربیت | ۱۰۔ آپ کے لئے دو نصاب تعلیم مطلوب ہیں، مگر پچیس کی تعلیم دینیات کے لئے اور تیسٹین عربیت کی مزی تعلیم کے لئے۔ دونوں کے حالات و دستاویزات مختلف اور اس کی رعایت فردی۔ آپ کے پیش نظر یہ ہیں کہ "ہمیں ہونی چاہیے، کیونکہ اس کے لئے زیادہ زمانہ مطلوب اور بالفعل ہمیں عموماً مقصر۔ مجوزہ نصاب مقصد تکمیل و رسوخ علوم اسلامیہ کو پیش نظر رکھ کر جویر کیا گیا ہے یعنی علمائے کالمین اور اسٹین پیدا کئے جائیں۔

مگر آپ کا مقصد بالفعل بجائے تکمیل محض تعلیم ہونا چاہیے، یعنی موجودہ حالت قبل بالذین کے مقابلے میں جس قدر کہ زیادہ بلند بن کر تعلیم قرآن و سنت دی جاسکے، جلد ہی دی جائے، گورنر کمال تک نہ ہو مگر موجودہ طبقہ کے گریجویٹ اور مولوی سے بہتر صالح مسلمان گریجویٹ اور مولوی پیدا کئے جائیں۔ یاد رکھئے کہ یہ بات سب سے زیادہ مقدم اور اولین بحث و فکر کی ہے۔ ہر مقرر کی کامیابی کے لئے تقرریات و نہایت لایمنہ و لازم و الزام ہے جب تک سب سے پہلے اپنی منزل مقصود متعین نہ کیجئے گا، نصاب نظام کی تجویز و بحث بے کار ہوگی۔ بہت ہی عمدہ تجویزیں بلا غلطی اندام اس محکمہ کو غلط رکھنے کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ آپ سب سے پہلے اس کو صاف کر لیجئے کہ یہی تعلیم مقصود ہے؟ یعنی موجودہ مراتب معلومہ تعلیم کے مقابلے میں کونسا مزید مرتبہ و درجہ پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ اور صالح و اسباب کے لحاظ سے کبھی تک غلطی و اسبیت ممکن ہے؟

کالمین و تیسٹین | آیا مقصد علمائے کالمین کا پیدا کرنا ہے یا اصحاب علم متوسطین کا؟ کمال درجہ تعلیم پیدا کرنا چاہتے ہیں یا کمال و درجہ معلم؟ قرآن حکیم نے اصحاب درجہ تعلیم کی ہی دو قسمیں مقرر کی ہیں۔ تعلیم و علم اور تیسٹین و تیسٹین تقسیم ہے۔ حفاظ علم ان دو جماعتوں سے باہر نہیں انسان کے ادب و عقائد مختلف۔ مگر ہر امت صالحہ کے لئے یہ دونوں گروہ صحت و کمال کے ساتھ پیدا ہونے چاہئیں۔ اہل مہیبت ہے کہ دونوں کا غائب ہونا ہی ہر جماعت کے لئے

ذکال و دمل متعلم ہیں نہ کامل و صلح تعلم۔ صفت متعلین سو مقصود محض طلب علم نہیں بلکہ اہل علم کا ایسا گروہ ہے جو باعتبار معلومات ایک اچھے سے اچھا درجہ علم فکر کا رکھتا ہو اور ہر تفسیر و غلطیوں اور اپنے سے تمام نیچے درجوں اور علم امت کے لئے بہ نسبت اضافی معلم بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو تاہم اس کا اصل منصب علم کے جاننے والے کا ہو نہ بتلانے والے اور سکھانے والے۔ اور راہ کھولنے والے کا نہ ہو۔ متعلین سے مقصود وہ سب اونی اور آدمی جماعت، شہید اور متوفین حق و اصحاب، عزیمت علم و سابقین بالخیرات فی العلم کی ہے جو صرف علم و صحیح کافی طور پر جان لینے اور سمجھ لینے ہی پر قائل نہ ہونے کی بلکہ چند قسم آگے بڑھے اور وہ مقام نفوذ و سرور و دریاں امر و سلطان کا رکھا حاصل کیا، جس کے بعد وہ بتلانے والی سکھانے والی، تیار کرنے والی اور بنا دینے والی جماعت بن گئی۔ وذلک من عل البترة۔ قرآن حکیم نے انسانوں کو تین گروہوں میں منقسم کیا ہے، جنہم ظالم لنفسہ، جنہم مقصد، جنہم سابق بالخیرات باذن اللہ اور جنہم ظالم لنفسہ اور ثنائی کتاب یہی تین گروہ و رتاء کتاب اللہ ہوتے ہیں تقسیم عالم ہے نہ کہ محدود و خاص ہر وادی اور میدان میں۔ پس سلم کے میدان میں بھی ظالم لنفسہ ہیں اور میدان درجہ والے مقصد اور آخری درجہ والے سابقین بالخیرات۔ آپ پہلے طے کر لیجئے کہ کن لوگوں کو پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ ایسے لوگوں کو جو میدان علم میں درجہ اقتصاد رکھتے ہیں یا ایسے لوگوں کو جو جہ استیقت بالخیرات پر تائز ہوں؟

مصلحین کی ناکامی کے اسباب آج تک مصلحین نظام تعلیم نے جس قدر کوششیں کیں، ناکام رہیں۔ اس کے اسباب متعدد ہیں لیکن ایک

ظالم اور ثنائی کتاب اللہ ہیں، مصلحین علم و انما، جنہم ظالم لنفسہ، جنہم مقصد، جنہم سابق بالخیرات باذن اللہ۔
 ذاک بما فضل، بلکہ سہ۔ ظلم۔ وہی میرے وارث کیے کتاب کے لوگ جن کو میں یا ہم نے اپنے بندہ ہی سے جو کوئی ان میں سے نہ کرتا، چنانچہ ان کا بارگاہ ان میں کوہ کی چال پر اور کوئی ان میں سے آگے بڑھ گیا ہو۔
 لکھنا ہے اللہ کے حکم سے یہی ہے ہی بڑی۔

مذہب ۔

اصحاب اقتصادگر ٹیوشن 'دورنی' خواں دونوں میں سے باسفی وہ نہ اقل پیدا کیے جاسکتے ہیں، بلکہ دونوں کا نصاب الگ الگ ہوگا، ایک نہیں ہو سکتا۔

فردی سوالات | آپ ان کہے کہ حسب ذیل سوالات کا اپنے نسل جواب دیجئے۔ اس کے بعد اس بار سے مفصل نھوں کا اوکل فٹہ لے نصاب و مباحثہ متعلق نظام تعلیم کھ کر کھج دیں گا:

۱۔ آپ نے کھائے کہ وظائف یہ جانیں گے۔ اصولاً میں اس کا مخالف ہوں مونیاً! داکٹر شریک کا انتظام ہونا چاہیے۔ وظائف لے کر جوڑیں گے ان سے کہ امید میں باہر اس میں داخل دینا نہیں چاہتا۔ آپ بتلائے کہ سروسٹ کتنے وظائف کا انتظام کریں گے:

۲۔ آپ کا وعدہ علیہ وظائف کتنے عرصہ تک کے لئے ہوگا؟ دو سال یا تین پلچاؤ؟

۳۔ انگریزی مخالفانہ کے لیے یہ شرط ہوگی کہ گریجویٹ ہوں؟

۴۔ عربی خواندہ میں کن اور ذیلہ تر کہاں کے تعلیم یافتہ ہوں گے؟ مدارس شمال وغیرہ کے یا انڈیشیل لاہور کے؟

(زن مسوئلہ)

۱۔ سہ فقرہ جو تبدیل کے مسئلے کی ایک آیت ہے، جس کا سفر یہ ہے کہ ہدایت کے لئے قبلہ مقرر ہوا جسے حقیقتاً کیسے ہی جہت ریشہ قلبی کے ساتھ نہیں۔ اسی طرح تعلیم کے مسئلے میں بھی جو کچھ ملے ہیں اس میں یہ لکھا ہے کہ سہ حدیث کی آیت کا نگر ہے۔ آیت کا سفر یہ ہے کہ جن بندگان کو اللہ تعالیٰ نے اس کے پیشتر اس کے مال میں مال خرچ کیا ہے نیز جہاں میں شریک ہے، ان کا ہر جہاں کے جہاں میں مال خرچ کیا ہے وہاں سے بڑا ہے۔ ویسے اللہ کے مال میں جو مال ۱۰۰ فیصد مال ہر مال آپ ہے۔ لکھڑے کا تجربہ ہے کہ ان کے سے پہلے یا کچھ مال کے راہ میں جن لوگوں نے جہاں خرچہ کر دیا ہے ان سب کے ساتھ وہ کیا ہے اللہ نے فرمایا کہ۔

مستحق بلکہ خواہشات و مطالبات کے ہے اور قرآن نازل ہے کہ چھپتے ہیں گروہ انسان کے، مصلحتیں
وہ بیان نہایت کو ملیں گے۔ ایک گروہ کے لئے حکمت کا طریق اختیار کرنا چاہیے، ایک کے لئے
موقوفہ حسنہ کا اور ایک کے لئے جہل پر طریق احسن کا اور وہی صاف وہ ہے جس کے پاس
ہر جراحت کی غذا موجود ہو خواہ چھپیں حکمت کے لئے غذا و حکمت، مخاطبین موعظت کے لئے
موعظت اور مستحقین جہل کے لئے جہل، لیکن باقی ہی احسن۔ اگر حکمت کے مستحقوں کے لئے
صرف موعظت پر قناعت کر لی جائے گی یا مستحقین جہل کو حکمت و موعظت کی غذا ہی بتائی
گی تو یا تو مفہم نہ ہوگی یا نقصان پہنچائے گی اور معجزہ الہی کو ہادی ہونا چاہیے کہ مناظرہ عام
اور نمونہ اس کا حجتہ امراہی اور مکالمہ خلیل و معی الوہیت سے واضح ہے پس اگر قرن مناظرہ سے
مقصود یہ ہو تو بلاشبہ یہ فرضی ہے لیکن قول تو قرآن و سنت کی صالح و کامل تعلیم خود اس راہ کو
کھول دیتی ہے۔ عرف فریعات و محدثات تہذیب کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے اور اگر اس کو ایک
مستقل مضمر تعلیم بتانا بھی ہے تو اس کا طریق دوسرا ہونا چاہیے اور یہ کام جس طریق پر ہونا
ہے، میں اس کو قرآن و سنت کے خلاف سمجھتا ہوں اور اس کا نفاذ حصہ طریق بدعت پر مشتمل
پاتا ہوں۔ لفظ بدعت وسیع ہے۔ مخالفین اسلام سے مناظرہ کرنے میں ہم کو کامیابی نہیں ملے گی
جب تک اس کے اصول و کتاب و طرق و اساسات محض قرآن و سنت سے ماخوذ نہ ہوں
مخصوصیت یہ ہے کہ ہر کام اور ہر وادی میں اصل کار یعنی مشہدہ راجح برحق سے نکلے ہو گیا ہو۔

نہ منہ حقوت، ہامیم علیہ السلام اور بادشاہ وقت کے اس کہنے کی طرف میں ملاحظہ فرمائیے کہ وہ منہ کیا
ہے حضرت امیر ایچ نے کہا: اٹھو اے وہ طاقت کو کھانا اور ملوئے ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں کبھی جلائے اور مارنے کی قدرت نہ رکھتا ہوں
حضرت امیر نے فرمایا: اچھا تم تو یہب سے سوجھتا ہے تو مجھ سے کچھ نہ لے۔ اور یہ بات نہ سمجھا کر یہ کہ طلب یہ
کردہ کی کوہ عقیم نہایت کی ہے۔ کہ جہل و خسرت کی۔ دینی حق خلاف کہ جہل کے انبیاء میں تو یہ سمجھنا ناچار صحابی کو
اس کے طبع مندر کے گورنمن کرتا ہے لیکن ملاحظہ اس مناظرہ و مباحثہ کی و بتیوں تہذیب شرعیہ ہوتا ہے۔

یہ چاہیے کہ اس بارے میں اپنا طبع نظر صاف صاف دیکھیں۔

۹۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ علوم کی تعلیم کے لئے اصلی اور صحیح طریقہ اسلام کا تھا اور

اب سارا خار و خار کتب پر ہے اس کے لئے کہ رنگ بھٹی نظر میں لاگو ہیں تو کتنی کونہ

اپنے والد بزرگوار اور مشر عثمانی کو میرا سلام شوق پہنچا دیجئے۔

رواٹ مل اور گاندھی جی | مشر گاندھی کی تحریک رواٹ مل کے متعلق میرے بچے کو اس میں

حسد لیتا چاہیے مگر تقسیم عمل کے بغیر چارہ نہیں۔ پس غصہ کم کر دو اور آپ کے عزیزوں کو اپنا تمام

وقت اس کام میں ہی تعلیم میں بلا اتفات ملین دیا ضرور کرنا چاہئے اللہ کا کام چاہنا چاہئے۔

ایک وقت فنگی میں تمام خیرات پر احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بعض کے لئے اور ہر جماعت اپنے

اپنے حائر مل کے لئے۔ آپ صرف اپنے کام میں لگے رہیے اور جو سفر شروع کیا ہے، پھلے

اس کا سامان کر لیجئے۔ اب آپ کا مل نظر اچھے سے تعلیم چھنا چاہیے۔ البتہ یہ دوسری جماعتوں

کا فرض ہے کہ پانچ فرض اور کریں مشر گاندھی کی نسبت تو انہیں مگر دستخط کرنے والوں کی طرف سے

ابنا ملحق نہیں ہوں کہ عمل کو قول کے مطابق کر دکھائی گئے۔ آخر مشر شرمانے استغنیٰ واپس لے

لیا اور یہی حال احمدیوں کا بھی ہو گا۔ مشر من موہن مالویہ بھی دستخط کرنے والوں میں ہیں، لیکن

اب تک کوئی مل نظر آ رہا ہے۔ کم از کم اگر بیس نمبر بھی مستغنیٰ ہو جاتے مقام دست

۱۰۔ ملاتہا جہاں تاقہ قصہ مرحوم پروفیسر نے مولانا محمد علی مرحوم جو علی الدین احمد صاحب کے بھائی تھے۔

نے حکومت نے ملاتہا جہاں تاقہ بقول تھو کیوں کہ ہانے کے لئے بنایا تھا مگر مقصود یہ تھا کہ قومی تحریکات

کو پایا جانے۔ اس پر گاندھی جی نے مخالفت کی تحریک جاری کا نتیجہ یہ کہ قادیان ساز مجلس کے ممبروں نے بھی

مخالفت ہی کی وجہ سے کلام کیا تھا لیکن ان میں مل دستقامت کی بہت نظر آتی تھی۔ پھر یہ تحریک کبھی تو پاک

دہلی کی بڑی تحریک بنی جو کہ معنی میں ملاتی کہا جاسکتا ہے۔ وہی سے انگریزی حکومت کے حکام تسلیم جاری

سیاسی تحریکات کا تھا اور ہما۔

جہول ہو کر تھیں گئے کے اندھا دیا افسر بل جانا اور وطننا ماحولت کرتا ۔ بہر حال دیکھیے
کیا جتنا ہے ۔ ماحولتہ تہتین ۔
نصارا اب میرے خطوں کو خالی نہ کیجے گا ۔

۱۔ وطننا اپنے خطوں کو خالی نہ کرنے کا کچھ نہیں فرمایا ۔ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر اس سے آپ کی ہمت
کھلتا ہے کہ کچھ میں خالی نہ فرمایا کہ سلام نہیں میرے خطوں کو محفوظ رکھتے ہو یا نہیں ۔ اسے فردہ محفوظ
رکھنا اس ملک کی امت بہت جلد شکستہ ہو جائے گی یہاں ملک کی لاپرواہی اور اس کی کوتاہی کی ضرورت
اس لئے ہے کہ ایک اور ملک صاحب و صوم نے سوائے ملک کے تعلق استغناءات کیے تھے ۔ میں نے کہا
میں نے سوائے ملک کے ہر ملک کی خیر پیش کی تھی ۔ یہ ایک ناشانی کی اہمیت تھی کہ خطا اٹھا کر حجت پر
بیکار ہو گیا ۔ اس لئے کہ اس ملک کی یاد ہے میرا چاہے ۔ اس لئے کہ اسے دیکھیں کہ وہ اپنے ملک کی
دیکھیں کہ وہ اپنے ملک کی یاد ہے میرا چاہے ۔ اس لئے کہ اسے دیکھیں کہ وہ اپنے ملک کی

پاسمہ تعالیٰ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ووفقنا اللہ دایمک لما یجیرہ ویرضاه فی القول فاعمل والا
 ۱۔ مصلحت وقت کے متعلق آپ کا خیال صحیح ہے، مگر آپ کا یہ جملہ صحیح نہیں کہ اسلام
 میں مصلحت وقت کوئی چیز نہیں، حالانکہ سنت اللہ مصلحت و رعایت وقت کی مقتضی ہے۔
 اسلام کی یہی صفات اس سے تخلف کر سکتا ہے؛ میں آپ کو ایک اصول بتلائے دیتا ہوں کہ
 ہر بات کی بنیاد کسی اصل و اساس پر ہونی چاہیے۔ عام غلطی یہ ہے کہ اصول سامنے نہیں
 مرن متفرق جزئیات پیش نظر ہیں۔ جس رنگ و حال کا کوئی جزئیہ نظر آگیا، اسی کو اصل
 سمجھ کر حکم لگایا۔ دنیا کے ہر فکر، ہر عمل اور ہر سنی کو دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہمیشہ ایک چیز وہ ہوتی
 ہے جس کو مقصد کہتے ہیں اور ایک چیز وہ جو اس مقصد کو عمل میں لانے اور اس کے وسائل
 و ذرائع سے عبادت ہے مثلاً مقصد یہ ہے کہ ایک ملک فتح کیا جائے۔ اب آپ فوج جمع
 کریں گے، اس ملک کی حالت کو دیکھیں گے، پھر کوہ پہنچا، قدم قدم پر طرح طرح کے حالات
 سے موازنہ ہوئے گا۔ نکلنے سے پہلے قصد کیا تھا کہ برصغیر سے پہلے ہندو اکبر ہی گئے۔ مگر ہست
 کا حرم راہ میں آگیا، دلی نالے چڑھ گئے۔ اب دلتے ہوئی کہ آئندہ سال وغیرہ وغیرہ
 کو قیام چھوڑیں۔ مقصد نہیں ہیں بلکہ مسائل و حالات حصول مقصد۔ مقصد نہیں بدل سکتا،
 وہ اس کو وقت بدل سکتا ہے اور نہ کوئی شے۔ البتہ ذرائع میں حسب حالت تبدیلی ضرور
 کوئی ہوتی ہے کہ سنت اللہ اس کی مقتضی ہے اور بغیر اس کے حصول فتح مقصد۔
 آپ نے اگر اس ملک کی ایک راہ کو بند کر دیکھ کر حضرت راہ اختیار کی یا کوئی مخالف دیکھ کر راستوں
 کے تہہ نہ لایا تھا کیا تو اس تبدیلی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مقصد میں تبدیلی ہوئی اور
 مقصد اس وقت اس وقت اس کو بدلے گیا، کیونکہ مقصد تو برابر سامنے ہے اور غیر بغیر البتہ مسائل میں

آواز آتی بلند ہوئی پانچے کہ حدود یار کو گنگ آٹھیں۔ کبھی اتنا ہی کافی ہے کہ پڑھیں نہ سن لیا۔
 کبھی بعض فروعات کو اصل مقصد کی راہ میں مستوی کر دینا چاہیے۔ کبھی بے مقصدانے وقت اپنی پرو
 ندرینا چاہیے۔ کبھی لغت اس قدر تیز ہو کہ نہ سہو کر مل کی پروا ہے، نہ دلی نالوں کی۔ کبھی اس
 قدر محتاط کہ ایک ایک سچہ کو کچھ کراد ایک ایک کانٹے سے بچ کر قدم اٹھایا جائے۔ کبھی
 ایسا کرنا چاہیے کہ دو جماعتیں ہیں، ایک سے عارضی صلح کر لی تاکہ دوسری اشد جماعت کے
 مقابلے میں مدد کرے اس کا انصاف و حفظ مقصد کے لئے مقدم ہے اور کبھی ایسا ہونا چاہیے
 کہ سوائے جماعت حق کے کسی سے صلح نہیں اور ایک کے لئے سب سے دشمنی۔ ان امور کے
 لئے قرآن حکیم نے انبیاء کرام کے اعمال و اجتماعات کے نمونے پیش کیے ہیں اور خود غلطی مسلم
 دزد دل قرآن کی ۲۳ سالہ زندگی ایک محل و ستور لہل ہے جس سے اس بارے میں کبھی ہم کو
 کلیات حاصل ملتے ہیں۔ فرعون مرت اسی وقت گمراہ نہ تھا جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل
 کو نیکو فاتحہ دمصر سے نکلے ہیں، بلکہ اول دن سے تھا، مگر حضرت موسیٰ نے اول روز ہی یہ
 مطالبہ نہیں کر دیا کہ ان آندہ ابائی عباد اللہ، اتی کم رسول امین! ایک وقت وہ تھا کہ صلی کو مارا۔
 پھر وہ وقت آیا کہ جین میں نکیل استعمال طور کا انتظار کیا۔ پھر جب سینا کے دامن میں شعلہ
 جلتے چمک کر نکیل وقت و اعلان ظہور کی خوش بھری دی تو آخری وقت آیا اور جو کچھ سنست
 اللہ کے مطابق چڑھا تھا، پھر مٹا دیا۔ اس شخص صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل مکہ میں کیا تھا؟
 پھر ہجرت کے بعد کیا ہوا؟ پھر صلح حدیبیہ کیوں ہوئی؟ اللہ بالآخر فرما کہ کے دن کیا ہوا؟

بصیرت و اسخ کی ضرورت | انہی احکام کی تفسیر کے بغیر نہ دل قرآن مجید کا تفسیر میں
 انہی منہج پر غرض کے مصلحت صالحی وقت کو غفل

ہے۔ پہلے غنائی تصاویر اور اوقات اور تھے، پھر تدریجاً یہاں تک پہنچے۔ روزہ اور
 لکھ کا حکم پہلے ہی دیا نہیں تھا، پھر تک مسلا شہاء و انظار۔

نہ سنہ و نہی احمد نے کہہ کرے، بندہ خدا کے، میں تھا سے پاس آیا جہاں میاں چاہتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ مقام نانک ہر اور افراتفریط کے کائناتوں سے ملے پر ہے جس
 کام نہیں کہ مصلحت حقیقہ شرعی کو جسے اور جزئیات سماجی نبوت سے کلیات اخذ کرے
 پڑی ہی تھا مگر بصیرت و ماسخ کی ضرورت ہے۔ یہاں اکثر کج نظری اور ضلالت استدلال
 سے شور مچاتی ہے۔

دہا یہ امر کہ اس دائرے میں کجی مصلحت وقت کے حد کیا ہیں؟ اور کہاں تک ہمارے
 عمل کو اس کے قانون سے متاثر ہونا چاہیے؟ تو اس کے لئے بھی قرآن و سنت نے نمونے پیش کر دیے
 ہیں۔ مختصر میں سمجھیے کہ مصلحت وقت کا قانون اپنی انتہائی حالتوں میں کجی اس حد سے آگے
 نہیں بڑھ سکتا کہ حفظ و اعلان مقصد کے ساتھ مقدار و طرز عمل کی سرعت و تسبیح، یا
 تقدیم و تاخیر یا زیادہ سے زیادہ بعض حالتوں میں سکوت و التماس۔ اس کے بعد کوئی درجہ
 نہیں۔ اس سے ذمہ ایک ایسی کجی بڑھانے پر بعد نفاق و کفر شروع ہو گئے۔ یہ نہیں ہو
 سکتا کہ مصلحت کی بنا پر کسی حقیقت سے انکار کر دیا جائے یا مصلحت حق کی وجہ باطل کی دعوت
 دی جائے۔ یہ میں نے جتنی باتیں لگی ہیں، سب قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں۔ آپ کو خلاصہ بتا دیا۔

۲۔ ان الذین آمنوا بالذین ہادوا والنصارى الم یس آئہ کریمہ
 یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں | جو مطلب آپ نے لکھا ہے اور شجرہ ظاہر کیا ہے، فی الواقعیت مطلب

نہیں کہ اور آپ کا مشبہ آپ کی محنت فوق کا نتیجہ ہے۔ سب سے پہلے آیت کا سیاق و سباق دیکھیں
 چاہیے سورہ بقرہ میں خدا تعالیٰ یہود و نصاریٰ کی حالت بیان کر رہا ہے۔ ایک ایک کر کے ان کی گمراہیاں

نہ پہچانتے ہیں ہے۔ ان الذین آمنوا بالذین ہادوا والنصارى الم یس آئہ کریمہ
 صاف تعلیم اور پرہیزگارانہ خوف و طمع و لاہم بجز حق و حقاہت ایمان لائے نہیں آئے ہیں یا نہ نانک
 ہوں جو ہر پڑا جی یا فاسق و مہمل ہیں ان کے لئے بھی خدا پر دعا فرمت کہ ان پر ایمان لایا اھما کے اعمال
 بھی اچھے جسے توہم لگا دے ایمان و عمل کا ہونا ہے۔ یہ گمراہی سے فریب دینے کا اس کے لئے نہ کسی طرح کا
 کٹھن ہوگا، کسی طرح کی گمراہی

یہ شریعت حق سے انحراف کا اقرار دیا ہے، یہاں تک کہ ترک شریعت و کتاب اللہ
 راستہ تک مخالفت و طعن اسے متباہر ہے میں کہ منصفیت و مہربانی ہے، پہنچ گئے
 انحراف و کتاب اللہ کی تواریک کی برکتوں سے بلند ہوئی تھی، ترک تورات کی اس فعلی مخالفت
 ہوئی۔ چنانچہ فرمایا و قرئت طیسیم اللہ و المسکتہ و باو و الغضب من اللہ، و انک باہم کانہا
یکفون لہا شہادۃ و تہتہا الشہادۃ، و انک باہم کانہا شہادۃ و تہتہا الشہادۃ یعنی
 و حق و شریعت، اور براہ مستقیم سے بالکل نکل گئے، اس کے بعد فرمایا ان الذین امنوا و الذین
 باہا و انصارہ و اہل بیتہم انہم فی جہنم انہم فی جہنم انہم فی جہنم انہم فی جہنم
 دیے گئے، سو میں حدیث اہل کتاب کا یہی حال ہوا اس لیے وقت آگیا کہ ہدایت حق
 آخری کا طور و تاہم اقام سابقہ میں جو نفوس طیبہ راہ حق پر قائم رہے اور شریعت الہیہ اور کتاب
 اللہ و شریعت شریک نکل کر تہہ ہے (جس کا خلاصہ ایمان باللہ و ایمان بالقرآن و عمل صالح ہے) ہذا
 وہ حال میں اس منصفیت سے محفوظ ہیں اور ان کا اجر کسی ضائع نہ ہو گا۔ ان کے لئے کسی طرح
 کا کیفوت اور کشتہ کا نہیں۔ و لا خوف علیہم و لا ہم یحزنون۔ پس جن یہود و نصاریٰ و صابئہ کا
 اس آیت میں فکر ہے ان سے مراد یہود و نصاریٰ نہیں ہیں، جو بعد از ہشت آنحضرتؐ کے جہد
 میں تھے یا جو بعد از علیہم السلام کے دنیا میں رہیں گے، بلکہ صرف ان کا جو ظہور اسلام سے
 پیشتر تھے مگر اپنی قوم کی مخالفت و تحریف و ترک شریعت و کتاب اللہ و محفوظ رہے اور اپنی
 یہودیت اور عیسائیت یا کھداصل اسلام کی آکھنہ کر دین ایک ہے اور ہمیشہ سے ہے ان
 کا خاتمہ ہوا۔ حاصل ایسے یہودی اور نصرانی آنحضرتؐ کے بعد تک موجود تھے۔

وہ سب بقول، ہوا انہم جو یہودی و نصرانی کا نام نہ تھا خدا کے غضب کے نہ خواہر ہوئے۔
 یہاں تک کہ خدا کی رحمت سے ان کے لئے توبہ کی راہ تھی، یہاں تک کہ خدا کی رحمت سے ان کے لئے توبہ کی راہ تھی
 کہ یہود و عیسائی اس لئے دنیا میں آئے کہ ان کو توبہ کی راہ دکھائے، مگر ان کو توبہ کی راہ نہ دکھائی
 ہو گئے۔

موجہ عیسیٰ | پھر یہ عیسیٰ توں کا ایک بہت بڑا موقعہ فرقہ تھا، ہم یہ کہیں اللہ نہیں
 مانتا تھا اس کا وہ لافائل تھا ہم کی کوشش یہ تھی اس کے مافی کو منراہی۔ وہ بھاگ
 سکے یہ کیا۔ معاملہ کل پوری شیریں عیسیٰ انہی کے بقایا ہیں، مشہور شب پر جنا جو
 حضرت عمر بن العاص کے ہاتھ پر ہونے میں صلوات لایا اور سب سے پہلے حکیم اسلام قرار دیا گیا
 اس فرقہ کا حامی تھا۔ یہ لگ بھگ عیسیٰ یعنی مسلمان تھے، شیخ کو بی مانے تھے، کفارہ کے
 قائل نہ تھے نہات کا وہ دارا اعمال مال کو سمجھتے تھے، راقی کو عبادتیں کرنے اور ان کو
 بچاؤں کی خدمتیں؛ ان میں اکثر ارباب بصیرت ایسے تھے کہ بچے دل سے فائدہ قلیط کے
 موجہ و پھر کے منتظر تھے اعلان میں سے جن لوگوں نے اس پاک عہد کو پایا، بچے دل سے
 ایمان لائے۔ یہی لوگ تھے جن کی نسبت فرمایا: **وَيُحِبُّونَ اَقْرَبَهُمْ مَوْعِدَ لِلَّذِينَ آمَنُوا الْاٰخِرِينَ**
اِنَّا نَعْلَمُ، فاکہ ان منہم قیسیم در بیانا، وانہم لایسکبون۔ لایسکرون یعنی حق
 اسلامی کو سن کر جھک جاتے ہیں اور انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا: **وَاِذَا نَسَّوْا**
مَا اَنْزَلَ اِلٰی الرَّسُولِ تَرٰی اَعْلٰیئَہِمْ تَفْضِیْلَۃً مِّنَ الدِّیْنِ حٰمِلُوْہِمْ اِلٰی تَحِیۡۃٍ جب قرآن کو سنتے
 ہیں تو ان کی آنکھوں سے جوے اشک بہنے لگتی ہے اس لئے کہ اس کی سچائی کو انہوں
 نے پایا ہے۔ یقیناً وہ ربنا آمانا فاکتبنا مع الشاہدین۔ پس وہ پکار اٹھتے ہیں کہ خدایا
 ہم اس کلام پر ایمان لائے۔ پس ہم کو شہادت دے حق میں سے شمار کر!

لہٰذا یہ مسیح ہیں تاہم تو حیدارہ مکرین تلیک کی جماعت۔ اے سورہ مائدہ (اور ایمان والوں کی
 دوستیوں سب سے نواح قریب ان لوگوں کو ہاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں اس لئے کہ ان
 میں پادری اور وہ جان ہیں اور اس لئے کہ ان میں گھنڈہ اندہ ہر کسی نہیں) اے سورہ مائدہ۔ (اور جب
 عیسیٰ) وہ کلام سنتے ہیں جہاں شہ کے رسول پر نازل ہوا جو قوم دیکھتے جو مکان کی انھیں جوش گرہ کر
 کہتے تھے، یہ کہ انھوں نے کلام کی سچائی پر ایمان لیا ہے اے سورہ مائدہ (وہ جدا اختیار ہوا کرتے ہیں
 قلیل ہم ایمان لائے، پس میں کی اپنی میں سے لکھ لے جو یہی سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔

ہر دین و نعل ایسے ہی لگتی ہیں سے تھے۔ حضرت سلمان فارسی نے کلمہ حق میں
 بڑا سفر کیا اور ایسے پادریوں سے ملے جو نہر حقیقت سے واقف تھے۔ انھوں نے وصیت
 کی کہ قاضی کا کلمہ قریب ہے۔ مٹا تو لیان لانا اور پہلا اسلام کہنا۔ سلمان نے جب
 جیتریا گیا تو حضرت علیؑ علیہ السلام متا مل جوئے کہ ایسے لوگوں کی نسبت کیا کہیں
 اس پر آیت اتری للذین آمنوا والذین اؤدوا انفسہم فی اللہ یعنی وہ سچے بھاری تھے
 بے عیبائی تھے۔

اہل کتاب کے قرآنی مطالبہ | ابن ابی حاتم نے بسند متصل مجاہد سے یہ روایت

یا ان کی ہے اور متعدد طرق سے منقول ہے
 اور سعید بن جبیر نے بھی روایت کیا ہے۔ قرآن ہر جگہ اہل کتاب سے یہ مطالبہ کرتا
 ہے کہ کتاب اللہ کو قائم رکھو، جس کو تم نے نبذ و اذواء ظہریم کہہ لیا ہے قسم دے کر
 حتیٰ تغیر التوراة، سہ ماہ میں کہا تو انہم اقاموا التوراة ولا یجیل الخ پس اصل میں
 اللہ ایک ہے۔ جو یہودی و عیسائی تورات و انجیل پر قائم رہے، کہیں نہ ان کے
 لئے مغفرت و ثبوت نہ ملے؟ بات بالکل صاف ہے اور خواہ مخواہ دوسری طرف لے
 جانا غلطی ہے یہی تفسیر خدا نے حضرت نے کی اور یہی تفسیر احمد و صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔
 حضرت ابن عباسؓ کو بطور تنبیہ فرمادی ہے کہ مقصود انہم سابقہ قبل از ظہور اسلام
 ہیں۔ نیز رابطہ آیات کا بھی مقتضی یہی ہے۔ یہی بات کہ انہم سابقہ کے ساتھ آمنا
 کہیں کہا، یعنی مہینوں کا کہیں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب خود ابن عباسؓ نے دے چکے ہیں
 جز کہ دین الہی ایک اور نتائج ایک اس لئے فرمایا کہ اصل کارایان باللہ و عمل صالح ہو۔
 پس جو ایمان لئے اور جو بچے یہودی و نصرانی تھے سب اللہ کے نزدیک ایک ہیں
 میں جی اور مغفرت کا مدار نہ باقی رہے ان اقوام کے وہ لوگ جنہوں نے آنحضرت
 کا زہن پایا اور تبلیغ دعوت کی گئی اور انکار کر دیا اس کے ہمارے سب سے تان کی نسبت۔

اب دیکھ کر یہاں تک پہنچا کہ کتاب ہے فہم کیا کہ تم کہیں ہو جب تک کتاب اللہ
کو قلم نہ کر دے لیکن ذات مانجھ کو پھر انصاف کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ہو جو کلام حق نازل کیا
تو اس سے انکار کرتے ہو اور انکار ان کے لئے موجب عزیز و عظامی ہو نہ ہے۔ پس ان
کے لئے غم نہ کرو کہ کافر ہیں۔ تو تم کافری کی شقاوت پر افسوس لا جا حاصل ہو اس کے بجائی
سورہ بقرہ والی آیت بانی تعلیم و تائید انصاف آتی ہے کہ ان کافروں میں تو جو لوگ ایسے ہیں
کہ کتاب اللہ کو قلم کیلئے معنی ایمان یا شر و عمل صالح اختیار کیا تو وہ اس عینان و کفر سے
پاک رہے۔ وہ مثل مومنین اسلام کے ہیں۔ ان کے لئے کوئی خوف نہیں۔ پھر کہا
تَعْلَمُونَ اَنَّا مِثْلُ قَوْمِ اِسْرَآئِیْلَ۔ اس سے مزید وضاحت ہوگی کہ یہاں یہودیوں
سے وہی یہودی مراد ہیں جنہوں نے شیاق الہی کو نہیں تھا اور تکذیب و سل و کفری رہے۔
سرسید مرحوم اور سید جمال الدین کا اس آیت کی بنا پر خیال تھا کہ ایمان بالرسول
شرط جات نہیں۔ نہیں معلوم کیوں، مگر میں نے مولانا عبید اللہ کو بھی اس طرف مائل پایا
البتہ وہ زور زیادہ مسئلہ تبلیغ کی بنا پر دیتے تھے اور بنیاد شاہ صاحب کی ایک عبارت پر
رکتے تھے۔ بہر حال غالباً مولوی احمد علی صاحب نے بھی اسی بات کو کہا ہو گا، مگر وہ دوسرے قصہ
ہے، آیت کا مطلب یہی ہے جو کھا پھٹا آپ مولوی صاحب کو بھی دکھا دیں، لیکن اس
بلئے میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ انشاء اللہ مولوی احمد علی بات صاف کر دیں گے۔

نیز قرآن ۳۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اِنَّمَا بَعْضُ مَفْسُورِیْنَ کو یہ خیال ہوا کہ قرآن
مکرم تو مائیں سال میں اترا ہے پھر انزناہ فی لیلۃ القدر کیسے کہا؟ ایسے طور طرح کی تاویلیں
کی گئیں ہیں کہ لیلۃ القدر میں پورا قرآن لوح محفوظ کو آخری آسمان پر کس کو سمائے
فنا کرتے تھے مگر آنا۔ چوں کہ کچھ انجما زمین پر نازل ہوا ہے

۱۔ صدمہ انہوں ہے کہ اس مکتوبہ گرائی کے باقی امان کو لوی فی اللہ کے پاس محفوظ رہے عیناً
اشاعت کے لئے دیا گیا تھا شائع بھی ہوا بعد اس آیت تو اس کا مستند غائب تھا۔

(۳۱)

۲۶ - رپن اسٹریٹ، کلکتہ

۱۱ نومبر ۱۹۶۳ء

السلام علیکم

عبدقی العزیز!

آئندہ سے آپ کے وکاتیب کے جواب کے لئے جو مذمتیں قبول اختیار کر رہا ہوں،
اس کا اندازہ اسی جواب سے کر لیجیے۔ اسی لمحہ میں نے آپ کا خط ختم کیا ہے اور باوجود وہاں کے
جواب لکھنا شروع کر دیا۔

دہلی میں آپ کے والد بزرگوار سے آخری باتیں ہو گئیں۔ میرا خیال تھا کہ انہوں نے
آپ کو کھانا پکھانا لیکن شاید تک توقع ہی نہیں ملا۔ ایک لمحہ کے لئے یہ خیال نہ کیجئے کہ میری
فحاشی بعض تساہل و اعراض کا نتیجہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ مجھ میں ہر طرح کی کوتاہیاں اور وہ ماندگیاں
ہیں لیکن ساتھ ساتھ ارادہ اب بھی ہے کہ فیصلے کے بعد عمل سے نہیں ہٹ سکے۔ مشکل یہ رہی
کہ میں فیصلہ نہ کر سکے۔ مچھکے اضطراب کیلئے قوی وجوہ تھے، اگرچہ ممکن ہے وہ دوسری بلانے
کیلئے اس وجہ کو مرتب ہوں۔ یہ ہر حال بحالت صفحہ وہ میں جو کچھ فیصلہ کر سکا ہوں، اس سے
آپ کو مطلع کرتا ہوں۔ ضرور نہیں کہ یہ آخری ہو۔ ہماری کوئی بات آخری نہیں ہوتی اور یہ تو
محض وقتی حالات اور ہنگامی وہائی کا نتیجہ ہے۔

۱۔ جو مسودہ و تنسیخ عمل کا تیار شدہ موجود ہے، وہ ٹھیک ہے۔ تو کلام علی اللہ شائع کر دیا
جائے میں نے اس میں صرف اس قدر تبدیلی کر دی ہے کہ اصل مقاصد خدمت قرآن،
شاعت علوم، نشر تراجم، وغیرہ ذالک ترار دیدیا جو مشن کا کام تبعا میں آجائے
گا۔ اول دن سے جو بات سن رہی ہے وہ بھی بھی سچی۔ مسودہ مولوی عبدالقادر
کو دے دیا ہے۔

۲۔ بالفعل میں جمعیت کی مساعمت سے بھرپور ہوں، حاجی عبدالغفور ماسک لکھائی،
کرتین سال یا ایک سال کے لئے مسودہ منتخب کر لیجئے۔ یہ اس لئے کہ طبقہ علماء و
مشارع میں کئی شخص آپ کے مسودہ مند نہیں ہو سکتا۔

جمعیت دعوت و تبلیغ سے علائقہ ۳۔ سامیہ علائقہ، ترہ پوری باقاعدگی اور التزام کے ساتھ
رضخیز دل سے مدد میں رہے گا۔

الف، ہر طرح کے تحریری و لسانی مشورے۔

ب، جمعیت کی ضروری تقریرات کی تیار

ج، بالاتزام ہر تیسرے ماہ ایک مستقل کتاب جمعیت کیلئے تیار کر دینا اور طلب

کے لیے۔ لے کر دینا۔ یہ ایک مرتب سلسلہ ہو گا جو اسلام اور علوم قرآن کی نسبت

ایک خاص سیریز کی تلقین کرے گا، اس طرح کہ اس کا مطلب کرنے والا ترتیب

الف سے جی تک معلومات حاصل کرتا جائے سب سے پہلی کتاب اسلام کا

انٹروڈکشن ہو گا پھر احکام اور ارتقاء انسانیت، پھر عقائد اسلام، آخر ترقی و

انتظام میں کیا جائے گا کہ ہر ایک کتاب آپ کو ملے اس کے انگریزی اور ہندی

ناگری حروف ترجمہ کا بھی انتظام ہو جائے۔ اس کا انتظام کرنا آپ کا کام ہو میرا

کام اب صرف دنیا میں نہ گیدھے کا اس وقت تک کے اپنے تمام اذکار و طبع سے

جاری نہ کروں۔ یہ بھی ممکن ہو کہ چھوٹے رسالے ماہوار حوالے کر دیے جائیں۔

۴۔ اس کے علاوہ میرا طرز عمل دو مشورے رہے گا کہ جہاں تک میرا حلقہ اثر ہے،

لوگوں کو اس کام کی طرف توجہ دلانا ہوں۔

بالفعل اس پر توجہ کیجئے۔ آپ کے دل میں تنظیم ملت کا جو مشق ہے اس پر خبر

۵۔ اس سے منظور جمعیت دعوت و تبلیغ ہے اور دستہ اعلیٰ کی اسجا امت کا تھا

۶۔ سلسلہ عمل کیا یاد رکھا گیا ہم سلام ہے کہ کبھی چھا، اس کا کوئی سوانح اب تک

نہیں ہوں لیکن انصاف کیجئے جب میں اپنے چندہ سال کے طلب عشق کے بعد
وقت کے ہم مسامتہ دستوں کو احترام کرتا ہوں تو ان کی میرا ساتھ دینا چاہیے۔
تب تک اہل حدیث آپ نے جامع اہل حدیث کی تنظیم کا فکر کیا ہے، کاش یہی ہو جائے
لیکن حالات پر جب نظر ڈالتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی شکل نہیں بڑی مصیبت
یہ ہے کہ جامع اہل حدیث کے اپنے اصلی نعت اور ذہنیت و مٹ گئی ہے علی الخصوص
میرے وہ علماء اہل حدیث کی تشکیلی اس درجہ عمل و عزم سے ابھرتے ہوئے ہیں کہ کسی طرح انہیں راہ
عمل پر لایا نہیں جاسکتا۔ ایک لفظ میں عرض مدد یہ ہے کہ یہی فکر و معیار نظر کا پیدا ہو گیا۔ نتیجہ میں وہ
مغلیں کی نصرت کے مقابلے میں پہلی ظاہر پرستی و تعسف کی یہودیت، سرائیت کی گئی ہے؟
کس کس کو آپ راہ پر لائیں گے اور کتنا وقت آپ سنگ تراشی میں صرف کریں گے؟ حدیث
پہننے کی نوبت ہی پیش نہ آئے گی۔

طبقات علماء سے لے کر اسی میں آپ کو تیار ہونا چاہتا ہوں کہ موجودہ طبقہ علماء سے خواہ مخواہ مغلیں
ہوں یا اہل حدیث، میں غلط فہمیوں اور اس کو قوانین اجتماع کے بالکل خلاف سمجھتا ہوں کہ ان کے
حمد میں کسی طرح کا قلب و تحول پیدا ہو۔ راہ عمل صرف ایک ہی ہے یعنی موجودہ پختہ عالموں
سے مرث نظر کر کے ایک نئی فکر و حالت خارج و فکر کی پیدا کرنا اس کے لئے سادہ اور آسان
اسلامی تشکیلی کی تولد ہے اور اس کے لئے سب سے پہلے ایک خاص خیال اور فکر مطلوب اس
کے تعلیم و تربیت۔

مولانا محمد تقی عثمانی نے فرمایا ہے: "میرے لئے یہ سب سے بڑا حیرت ہے کہ میرے لئے یہ سب سے بڑا حیرت ہے کہ میرے لئے یہ سب سے بڑا حیرت ہے۔"
وہ کہتا ہے: مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ میں ہیں، میں ان سے گفتگو کرتا ہوں۔

ابوالکلام

امام شاہ یحییٰ عسکری رحمہ اللہ کی طرف سے ہے، جو بہت بڑے تعلیمی مسائل کا حل دیتے ہیں۔
حسد تک سے باہر رہنا چاہیے۔ باہر کی بات ہے۔

(۴)

۴۲۔ دہلی اشرفیہ، کلکتہ

۲۲، فروری ۱۹۲۵ء

ایم الغزنی

السلام علیکم

خط پہنچا، جواب میں اسلئے تاخیر ہوئی کہ کلکتہ کے حالات کی مزید تحقیق کر کے لکھنا چاہتا تھا جیسا کہ خیال تھا قطعاً خلافت ثابت ہوئے، اس لئے کفر صدر کی تجارتی حالت منقطع ہو چکی ہے کلکتہ میں مسلمانوں کی مدد تاجر جاعتیں تھیں۔ کوٹ لٹو لٹو کے دہلوی تاجر احمد عین تاجر۔ ان دنوں کی جو حالت چوہدری کو وہ حقیقت میں اچھی نہیں۔ یہاں چند سالوں کو میرا زیادہ تر اعتماد حاجی غنی احمد تاجر شکر پختا، جو چار پانچ سال پہلے جادی سکر کے پادشاہ سمجھے جاتے تھے اور جب تک وہ بازار میں آتے دیکھتے بازار شروع نہیں ہوتا تھا۔ ان کلاب یہ حال ہے کہ صرف آٹھ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی کا ایک مکان باقی رہ گیا ہے۔ اسی پر گزرانہ اس کا بھی ایک حقہ لگایا سو خالی ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ میں نے باوجود ان حالات کے علم کے ایکسپلوشن کی امداد میں بعض لوگوں کو بلایا اور ہر طرح ٹھٹھا معلوم ہوا کہ... نہیں... ہو سکتا ہے اس سال بھر اس کے چارہ نہیں کر دیا ستوں کو مدد دی جائے۔ ریاستوں میں پہلے بھوپال سے۔ عہد زمین اچھی طرح طیار ہے، صرف ایک آخری ضرب کی ضرورت ہے....

... اگر حکیم صاحب پھانسی لگائیں۔ آپ کے جانے کے بعد دہلی میں حکیم صاحب میری دوبار گفتگو ہوئی اور انھوں نے پہلے طرح سی و کوکشن کا وعدہ کیا، مگر مشکل یہ ہے کہ ان کی لے اس کو توبہ کے بغیر غفر نہ پامٹ گئے۔ بڑی کاوش و چند انتظار کا اندازہ کیا جاسکا اور وعدہ دیا کہ دیکھئے۔ بعض کے متعلق کہ یہ معلوم ہو سکا۔ ان کی جگہ مجھ پر نقشہ لگا رہے۔

۲۔ حکیم صاحب سے اشارہ یہ ہے کہ حکیم اعلیٰ خاں مرحوم کی حالت ہے۔

لوگوں اس قدر وسیع ہیں کہ کسی ایک کام کے لئے صرف توت و شمار کو بھوپال کے محلہ میں ایک شخص کا خیال دیا ہے اور اسے آج دس روپے کی رقم دی گئی ہے۔ یہاں آپ کے والد سے بھی ملاقات ہوگی مشورہ کر کے کوئی نہ کوئی ایسی سبیل نکالی جائے گی کہ بھوپال کا معاملہ کامیابی کے ساتھ طے ہو جائے۔

آپل دن سے یہ کام آپ بہت دھرم اور نص اقتدار علی ائمہ ہو رہے ہیں اب بہت دہار پئے۔ بلاشبہ مشکل سخت پیش آگئی ہے لیکن صرف استعانت ہی کو دیکھتی ہیں جس نے یہ کام ختم کیا تھا وہ دیکھو مشینوں کے لئے دس چاکر منسا آٹھ ہزار روپیہ بھیج سکتا تھا۔ عجب نہیں اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسے حالات پیدا کرے کہ کچھ نہ کچھ آپ کا بار دھاکا کر سکوں۔

ابراہیم

۱۔ نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ و مقننہ و ایدہ بھوپال
۲۔ سکریٹری کے اصل مضمون کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ برادر مریدی بھی امین احمد نے
جیتہ رحمت دہلی کے نام کو جانچ کر دیا تھا۔ اس کا مرکز نہ تھا۔ اس آئین نے دکن کے مختلف
حصوں خصوصاً پنجاب میں بڑا خلیفہ بنایا تھا۔ پچھلے سے شیخ مریش احمد علی مریدی صاحب
بہار علی مریدی احمد کی طرف سے مستعمل ملاوٹ کی حق اور ضروری مصروفیت کے لئے کسی دوسری طرف توجہ کی
ضرورت تھی۔ اچانک نیکو بادہ و مہر و مہر بند ہو گئے اور عین کامدہ بار جلدی رکھنے کے لئے
باہر سے نہ امانت کی ضرورت پیش آگئی۔ مولانا نے پہلے لکھنے کے بعد اس کی کوشش کی کہ بھوپال کا خیال کیا۔

(۵)

مُحِبِّی فی اللہ - السلام علیکم

خدا میں خواہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جو اسے غیر سے۔ آپ کو میرے بعض عقائد و اعمال کی نسبت
شکوک پیدا ہوئے۔ یہ سب آپ ان پر قانع نہیں ہوئے۔ مجھے ان سے مطلع کرو تاخبر وہی تصور کیا
لیکن مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہونا چاہیے۔ اپنے خلاف اختلاف کا حوالہ
دیتے ہوئے حکم (قرآن) جماعت کے واسطے میں جو کچھ لکھا ہے، اصل بالکل صحیح ہے، لیکن ضروری
ہے کہ اس کا مودود محل متعین کر لیا جائے۔ آپ میرے محل کی اس کے خلاف قرار دیتے ہیں،
لیکن اس کی تشریح نہیں کرتے کہ ان کا کون سا محل؟ یہ ہر حال قیاس کہتا ہے کہ (قرآن) جماعت
اور علیکم بالسلام والا اعظم وغیرہ احوال و عبادت کے سمجھ میں آپ کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے جو جنس دوسرے
گوشوں میں دوسرے لوگوں نے پڑی ہے۔ جب تک کسی قدر تفصیل سے کام نہ لیا جائے
معاصل صاف نہ ہو گا۔

عقائد و اعمال کا اختیار | آپ خانا سمجھتے ہیں کہ اس حکم کا تعلق مسلمانوں کے عام عقائد
و اعمال اور ان کا مذاہرہ ہے یعنی جب کبھی مسلمانوں کی کوئی بے پیر کوئی واسطے و عمل
اختیار کرے تو شرعاً ہر مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرے نہیں کرے گا تو
من شدہ شہادت فی اللہ کی وعید کا مستوجب ہوگا اور اس کی موت نیتہ جالبیہ کی ہوتی
ہوگی، حالانکہ عبادت و احکام (قرآن) جماعت اور عبادت و احکام کا یہ مطلب ہو۔ اگر ایک
لحجہ کے لئے یہ مطلب تسلیم کر لیا جائے تو حق باطل اور سیاہ و سفید کا یہ مطلب ہو۔ اگر ایک
پریم ہو جائے گا اور اسلامی زندگی کے معنی مروت و عبادت کے کہ میں جہلی و فسق است پر ہوں
تو یہ تحقیق ہو جائے گا کہ اس کے لئے کہ میری ضرورت ہے چاہیے مجھے لکھنا کہ میں اس کو سمجھتا ہوں

لے یعنی اقوام جماعت اور علیکم بالسلام والا اعظم۔

مباحثہ حقیقت نہیں بلکہ مقدمہ کی بعض منافی حقیقتیں اکثریت ہے۔ کوئی راہ حقیقی نہیں وہ غلط
کی راہ پر لیکن اگر اس نے قدم اٹھایا تو گیدہوں کے لئے حکم التزام جماعت و اہل سنت و
وہ غلطی اس کی پیروی کا نام ہوگی۔ نہیں کرے گا تو اس شدہ شنیٰ الابرار!

وجوب تقلید کیلئے استدلال | اس نامیہ میں مولانا عبدالحق صاحب نے جو حجتیں
مدرست سے تقلید منہی کے وجوب کا التزام پر استدلال کر رہے تھے اہل سنی بھی مگر میدان
مناظرہ گرم ہو جائے تو فرود کر دیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو مسلمانوں کا سلسلہ اعظم ہے اور جو
تقلید منہی پر چم گیا ہے اس کی انہیں مذہب سے قطعاً علیحدگی نہیں کرتا ہے اس لئے اب کسی
مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تقلید منہی کے التزام سے براہ راست کتاب و سنت پر
نیز پر کر کے عل بالدریث کرے کیونکہ اگر ایسا کرے گا تو سلسلہ اعظم سے تعلق کوڑے گا اور
التزام جماعت سے باہر ہو جائے گا۔ ومن شدہ شنیٰ الابرار!

۱۲۴۰ھ کا مباحثہ | انیسویں صدی کے اوائل میں جب مولانا اسماعیل شہید نے
اتباع دین خالص کی دعوت بلند کی، تو ان کے مقابلہ میں بھی پرستاران بدعت و محدثات نے
آپ کا یہی مزعومہ مطلب بنایا، استدلال ٹھہرایا تھا اور اچھا سوال والا عظیم کی بنا پر من شدہ شنیٰ
کا فتویٰ دیا تھا چنانچہ جامع مسجد دہلی کے مباحثہ ۱۲۴۰ھ میں صبح کے پچیسویں بجے پیش کی
گئی تھی کہ جن عقائد و اعمال کی آج دعوت و خلافت ٹھہرایا جا رہا ہے یہ تمام تردید و اعمال و عقائد
ہمیں جن پر مسلمانوں کے سوا اعظم کا انجان ہو گیا اور مسلمانوں کا کوئی شہر و قریہ نہیں جہاں یہ
امور عمل میں خلل نہ جاتے ہوں۔ پس اس کے امتحان میں شک کرنا اور انہیں بدعت و محدثات
قرار دینا سبیل الرشید کی خلاف کرنا اسیلہ شدہ شنیٰ اختیار کرنا اور فارق جماعت ہونا ہے:

آپ کا خط پڑھتے ہوئے ایک دلچسپ لطیفہ نصیب ہوا کہ جو سوال آپ کو
کر رہے ہیں مجھ سے ہی سال اولیٰ شاہ اسماعیلؒ اور مولیٰ عبدالحقؒ کا وراثہ عبدالحقؒ پر مشتمل
ہے کیونکہ مولانا نے یہی ایک تحریر تحقیق الفتری فی ابطال الطغی کے نام کو دیا ہے

کلی ہے۔ اس میں مولوی صاحب دعوت نے سے سائل پوچھا ہے کہ نہ
 • میں عہد امان مامور کہ کا ذیل اسلام دشمن و مقبول و فاسق کہتے
 می کنند، اعلان و عقیدہ شاکرک و بدعت گردید۔ کیا اس طرحی عہد بدعت
 فی الدین و فتنی حصانے مسلمین و شند و ازاجاعت و تیاع سبیل غیر و زمین
 نیست، مگر حکم التزام جماعت و حدیث مشہورۃ انتہا سوانہ لا یعلم و اخطاظر
 شریف کلمی خود متلاشی گشتہ و حافظہ سے نکھر رہا ہوں، ممکن ہے الغافلین

کہ تعدیل ہو گیا ہوں

حکم التزام جماعت کا محل | اس غلط فہمی کا نشانہ یہ ہے کہ حکم التزام جماعت کا محل وجود
 ان لوگوں نے معلوم نہیں کیا اور کوتاہ نظری نے تحقیق و مطالعہ کی جہالت زد دی۔ اگر ان لوگوں
 نے کم از کم صحائف سنت کے تراجم و ابواب ہی پر غور کر لیا ہوتا یا اس ایک حدیث کے ساتھ
 اس کی دوسری ہم معنی احادیث ہی دیکھ لی ہوتیں تو کبھی اس نا فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اصل
 ان تمام احکام کا محل امامت کبریٰ کے محلے سے ہے، یعنی خلافت اسلامیہ کے محلے
 نہ کہ عقائد و افکار اور اعمال و آداب سے۔ عرب کے جنوب و شمال ہیں اگرچہ حکومتوں کے بعض
 سلسلے قائم ہو چکے تھے، لیکن وسطی عرب ہمیشہ خود راہ مطلق العنان قبائل کا جولاں گاہ رہا۔
 ان کی بے قید طباعت پر اس سے زیادہ کئی بات شاق و گذرنی تھی کہ کسی نظام حکومت سے
 وابستہ ہو کر رہی یا کسی امیر کے تسلط و اطاعت جھکاویں۔ اسلام کا بطور ہوا تو اس کی رخصت و عبودیت
 کے ساتھ نظم و طاعت کا بھی تو دم چاہتی تھی۔ وہ اگر ایک طرت انفرادی آزادی کا محافظ
 تھا تو دوسری طرف نظم و انضباط کا بھی مقدم تھا۔ پس ضروری ہوا کہ مسئلے کے اس پہلو پر زور
 دیا جائے کہ عرب کے بے قید طباعت میں یہ بات نادرہی جاتی کہ جب ایک امیر منتخب کر لیا گیا
 اور جماعت اس پر متفق ہو گئی تو کسی سلطان کو محض انہی انفرادی رائے کی تیار پر تحلف نہیں
 کرتا چاہیے۔ بہر حال اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر خلافت کے ساتھ جماعت میں غفر ہوگا۔

قانون کی تو یہ ہوگی، خطاست غلطی، منہ پر منہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافق جماعت کی نسبت فریاد اس کا موت جاہلیت کی موت ہوگی یعنی جاہلیت میں جماعت کا قیام نہ تھا ایک طرح کی فوضویت (یعنی نادانی کی) کی حالت طلحہ تھی۔ اسلام آیا تو اس نے تمام قوم کو ایک رشتہ اسلامیت میں منسلک کر دیا۔ اب اگر اس اطاعت کا ارتداد کر دین سے نکالا جاتا ہے تو یہی جاہلیت کی طرف لوٹتا ہے۔

اطاعت امیر | چنانچہ جن احادیث میں الزام جماعت کا حکم دیا گیا ہے، ان کا منطبق اس بابہ میں بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہے۔ تمام احادیث بالاتفاق اطاعت امیر کا حکم دیتی ہیں اور اسی سے مختلف کو تفرق عن الجماعت "ایہ دعوت بدعوی جاہلیت" قرار دیتی ہیں "من خرج من اطاعة وفارق الجماعة فمات، مات یثیةً" اور روایت ابن عباس "فانما لیس احد من الناس خرج من الجماعة فمات علیہ ولا یثیةً" جاہلیت نیز روایت مسند من خرج من الجماعة فقد شبر فخلع رقبۃ الاسلام من عبیدہ الا ان یراجع ومن ذفا بدعوی جاہلیت النجۃ۔

آپ نے رسالہ خلافت کا حوالہ دیا ہے اگر سالہ مذکورہ آپ کے پاس موجود ہے تو براہ عنایت اسے بکھر دیکھیے۔ میں نے نہایت تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت واضح کر دی ہے خصوصاً اس کی وہ فصل جس میں اقتداء "اور اطاعت" کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ تعجب ہے آپ نے اس میں جماعت و الزام جماعت کے الفاظ تو دیکھ لئے لیکن ان کا مطلب نظر انداز کر دیا۔

معاملہ واعیان حق | اگر حکم الزام جماعت کا مطلب یہی قرار دیا جائے تو تمام قضاہ و کفار اور اعلیٰ و کرام میں مسلمانوں کو چاہیے کہ صواب و ظلم کی پیروی کریں۔ "فمن شذ شد فی الناس" کے مستوجب ہوں گے، تو ظاہر ہے حق و باطل، سنت و بدعت، اندام اسلام و کفر کے تمام احکام و قواعد کا خاتمہ مہجائے کیا ایک لمحے کیلئے کوئی ذی عقل اس کا یہ مطلب قرار دے سکتا ہے؟

پھر کیا حکم ہو گا جس کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ دعویٰ کا جائز نہیں ہے اور یہ دعویٰ کے خلاف ہے
 کہ وہ شیعہ فتنہ و فساد کا باعث ہے اور یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 غرض یہ کہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 کیا یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 پھر اگر انہی کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 کیا حکم ہو گا جس میں تنہا ایک فرد کی رائے ایک طرف اور جماعت کی رائے دوسری طرف
 تھی اور یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 رائے ایک طرف تھی اور حضرت ابو بکر کی رائے دوسری طرف تھی اور حضرت ابو بکر کی رائے
 عبید بن جراح کی رائے تھی اور حضرت ابو بکر کی رائے دوسری طرف تھی اور حضرت ابو بکر کی رائے
 کیا حکم ہو گا جس میں غزوہ بدر کا دعویٰ ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 مقابلہ میں امام احمد بن حنبل نے کیا جواب دیا تھا؟ اور یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 حتیٰ کہ قول: "یہ اس میدان میں معیارِ رد و قبولِ حلال و حرام نہیں ہے بلکہ علم و بصیرت ہے
 حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر اگر انہی کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 کیا شہر لایا جائے گا جس میں صاف صاف ایسے زمانہ کی خبر ہوگی کہ یہ صحابہ کرام کے خلاف ہے
 سیدنا عمرؓ کی راہ گزری کی رو ہوگی اور اصحاب حق قلیل داخل ہوں گے؟ غرض یہ کہ یہ دعویٰ
 کو کبھی کبھی آپ کے کان میں لگایا گیا ہے اور یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 قلنا یا ائمنہ! یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 یعنی صحابہؓ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 کی بشارت ہوئی۔ فرمایا صالح مسلمانوں کا ایک گروہ۔ یہ دعویٰ کے خلاف ہے وہ دعویٰ کے خلاف ہے
 سے کہی۔

کی بسیار سنہ پڑھ کر کچھ سوادِ اعظم کی بات لگیا جتنی اس نے کچھ تو سمجھ چکی تھی مختلف پڑھتے
 مانے کا جب تھی سوادِ اعظم کے ساتھ دو گنا ہو کر وہ حال میں تیل کی ناس سو کثیر کے ساتھ ہو گا۔
 اسی طرح مسلم کی مشہور حدیث، "وَقَدْ نَالَ خَالِفٌ مِنْ أَهْلِ طَهْرٍ عَلَى الْإِثْمِ جُرْمٌ خَافِعٌ وَأَوْفَى"
 میں اصحاب تھی و سوادِ اعظم سے تعبیر فرمایا یعنی سوادِ اعظم کے مقابلے ایک جھوٹے کاکڑی
 اور اسی طرح شیخیوں کی مشہور حدیث میں غروی کہ جب مسلمانوں کا کوئی نام درج ہے اور تک طرح
 طرح کی ڈیوریں بٹ جائیں تو خائفِ تل لیک "فَرَّقَ كَثْرَتُهُ مِنْ تَعْنِصِ أَهْلِ شَجَرَةٍ" مگر
 وضاحت کے پتے چاکر جینا پڑے جب کہ ان لوگوں کا ساتھ نہ ہو۔ اس سے لگتا ہے کہ
 اب کیسے سوادِ اعظم میں کہاں رہا؟

مصرحہ حالات اور سوادِ اعظم | ان مگر مسلمانوں کی شادی کی جائے تو شاید یہیں
 وہاں کی بھی ایسے نہیں نکلیں گے جو اپنے خاتمہ و اعمال میں دین خاص پر عمل پیرا ہوں پس
 سوادِ اعظم کی راہ انحراف و بدعت کی ہوئی اور تبہو سوادِ اعظم کا حکم موجود ہے اور
 مطلب اس کا آپ کے نزدیک یہ کہ جس طرف بھڑ پلے ہی راہ چلو نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مسلمان
 لئے دین خاص کا اتباع جائز نہیں۔ لیجئے قصہ تمام ہوا۔ اِنَّا لَنُفِیْدُکُمُ الْاٰیٰتِ رَاجِعُوْنَ۔
 دین کا ذکر ہی کیا، میں سری خائبہ ہو کر رہا

سیاسی صورت حالات | پھر جہاں تک سیاسی صورت حالات کا تعلق ہو کیا اس
 مطلب کا تصور رکھی گیا جاسکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ قوم پر سیاسی غمروں کی حالت جمعی
 ظاہر ہوتی ہے جب سوادِ اعظم غم و غل سے محروم ہو جاتا ہے اور حکومت کی رعایت پر
 نجات کھیتا ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا کسی دھرم کی دولت دیکھا تو یقیناً اس کی راہ سوادِ اعظم کی
 راہ نہ ہوگی۔ فرد احد کی راہ ہوگی یا ایک تھیں ترین طاقت کی پھر کیا اس کے خلاف شرعاً
 یہ فتوے صادر کرنا پڑے گا۔ کہ سوادِ اعظم سے باہر ہو گیا اور التزام جماعت کے حکم کی
 پیروی نہ کی تو خدا تعالیٰ کا ر!

جنتی فی اللہ

السلام عليكم

آپ کا خط پہنچا۔ اپنے اہل بال کے مضامین کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اگرچہ اسے پڑھ کر نہایت ملال ہی ہوئی۔ آپ کے ذہن فکر کے لئے ایسی مایوس رائے میں نہیں گھنی جاتا تھا تاہم اس کی توجہ میں نے کر لی کہ جب آج کی کوئی ایک ہی چیز سے فوق و شغف ہو تو وہ دنیا کی ہر چیز میں ہی دھوڑتا رہتا ہے اور وہ نہیں ملتی تو کہہ دیتا ہے کہ کچھ نہیں۔ آپ کو کھٹنے پڑھنے کی چیز بدل سے صرف ایک خاص نوعیت کے مذہبی مباحث کا شوق ہے اور علم و ادب کی ساری دنیا آپ کے لئے بے معنی ہے۔

لیکن اسی سلسلہ میں آپ نے ایک بات ایسی بھی فرمائی کہ:

جس میں کسی طرح کی توجہ کی گنجائش نہیں۔ یہ چیز اس وجہ متبعہ تھی کہ پہلی مرتبہ میں لکھ گیا تھا کہ مطلب اخذ نہ کر سکا۔ دوسری مرتبہ پھر لکھا اور معلوم ہوا واقعی آپ کا مطلب وہی ہے جسے میں شاید پہلے نزدیک متبعہ سمجھ رہا ہوں۔ آپ کچھ تین شیلیہیں، ٹائمر، وغیرہیں جو چھتیاں شائع ہو چکی ہوں ان کا دو دو اور چار چار رقمہ کے بعد زیر عنوان نامہ نگار خصوصی شائع ہوا کسی طرح بھی۔ ابھلال کے شایان شان نہیں۔ اس کا مصداق مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شیلیہیں، اور ٹائمر تین جو چھتیاں شائع ہوتی ہیں، انھیں چار چار رقمہ کے بعد ترجمہ کر کے ابھلال کے نامہ نگار خصوصی کے نام سے شائع کر دیا جاتا ہے۔ یعنی ایک کتب و قلم کے ساتھ دوسرے شخص کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ اگر ابھلال میں

یہ کہ سید سید کے گھر سے نکلتے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔

کڑبہ تیز ہوا یا شہد مقتول کیا گیا ہے تو یقیناً یہ اتنا ہر کی سفاہیت اور کینہ پر ہر کسی سے
 بھی زیادہ کئی چیز ہے، لیکن جو نگہ میرے لئے یہ حال مقصود کر کے ابھلاں کی ایک سطر بھی اس
 طریقہ سے استعمال کی گئی ہے اس لئے میں جانتا ہوں کہ آپ کے طریقہ نقد و انگشتان سے
 تفصیل و حقیقت حاصل کر لی۔ براہ عنایت مطلع کیجئے کہ ابھلاں کا کون کون سا
 مفتون شیخین، یا ٹائٹلز سے اس طرح لیا گیا ہے؟ یہ عند نہ کیجئے گا کہ اپنے ہر چہ کا نہیں
 اور تاریخ حافظ میں محفوظ نہیں رہی۔ اگر شیخین اور ٹائٹلز آپ کے پاس موجود نہ ہیں
 پان کاغذ یا تاریخ بتلا سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ہر حال نہ انہی ایام کے ہوں گے جو
 ابھلاں کی اشاعت کے ہیں۔ آپ صرف ابھلاں کے وہ منہ میں ہوا الفیہ رکھ دیں اور
 آتی تصریح کر دیں کہ تقریباً دو ہفتے یا چار ہفتے گزرے کہ یہ مفتون شیخین یا ٹائٹلز میں نکلا
 تھا۔ آپ شیخین اور ٹائٹلز کے ساتھ احتیاطاً ذخیرہ کا لفظ بھی لکھ دیا ہے۔ پس اگر
 ان دونوں احوال کا آپ حوالہ دے سکیں تو کسی دوسرے اخبار کا بھی جو دنیا میں شائع
 ہوتا ہے مجھے امید ہے کہ آپ تاخیر نہ کریں گے اور فوراً مطلع کریں گے آپ نے ایک ایسا کینہ
 پر میری عزت فرمایا ہے جس کا مجھے بھی وہم و گمان بھی نہیں ہوا تھا۔ آپ کا اخلاقی و
 شرعی فرض ہے کہ اس کا اثبات کچھ نہیں پائیں۔

حقیقت حال شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ابھلاں میں کوئی چیز چھپ نہیں سکتی جب
 تک کہ دیکھ نہ لادہ معرکہ اور ٹکڑی وغیرہ سے جو خطوط کتنے ہیں ان کا ترجمہ بھی جب تک میں دیکھ
 نہیں لیتا وہ نہیں ہوتا کہ ان میں غیر ضروری تنبیہیں ہوتی ہیں یا غیر دلچسپ مطالب،
 مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسی ادبی اصطلاح ہے کہ یہ کہیں نکلا ہو میرا خیال ہے کہ ان کی طبیعت کو جس
 ابھلاں سے خاص مناسبت تھی وہ نہ ملا اس میں دلچسپی ہی ہوتی کہ وہ کتاب شائع ہوتے دیکھے جو
 پھر یہ کہ وہ کونسی چیز تھی تو عام تاثر کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شیخین یا ٹائٹلز وغیرہ کا
 چرچہ تھا۔

اس نے وہ حذت بکرا ڈالتا ہے۔ یہی اگر ان چھیوں میں اس طرح ہوا پایا : معاملہ کیا جا رہا کہ
 توہ کوئی دوسرا نہیں کر رہا، خود میں کر رہا ہوں یا پھر سالی بے وقار کچھ جزل آنکھ اور
 عارف بھگت، ایڈیٹر میسل انوشاد، جیسے اشخاص کر رہے ہیں کہ وہ شیشین اور ٹائلز
 اور وغیرہ سے پرانے مضامین لے کر بھیج دیتے ہوں انکو مشکل یہ ہے کہ انہوں نے ان اخبارات کو
 پڑھ ہی نہیں سکتے۔

ٹائلز : تو یہاں آتا نہیں، لیکن شیشین : میں روز پڑھتا ہوں۔ میں نے کج ک
 شیشین میں کوئی جھٹ بلیک کی نہیں دیکھی۔ مرن گھا گھا وہ پہلے صفحہ میں لکھتے تھے
 مرسلت دیدیا کرتا ہے

پہر حال اس معاملے میں یا تو آپ نے کذب و تزییر کی انتہا کر دی ہو یا میں نے
 اور دونوں کے لئے بہتر نہیں کر لیا کریں۔ پس براہ عنایت شیشین : ٹائلز : اور
 وغیرہ میں جتنے مضامین دیکھے ہوں ان سے مطلع کیجئے۔

دوسرے مقالات و مضامین : آپ نے مضامین کا ذکر کرتے ہوئے ایک
 بات ایسی لکھی ہے جس پر مجھے ہنس دینا پڑا۔ آپ لکھتے ہیں : اعادہ شہاب : جیسے مضامین
 میں شہاب کا مرقع حیات : اداس کے لہو کچھ نہیں لکھتے۔ گویا دونوں چیزیں اس
 لغو اور جعل ہیں اور ان کی لغویت اس وجہ سے صرف وہ ہے کہ اصل بلافت کے
 مطابق مرن گھا کا ذکر کرنا ہی کافی ہے لیکن آپ کو یاد نہیں رہا کہ ہر شخص نے شہاب
 میں اتنی ترقی نہیں کی ہے کہ وہ اتنا بلند پایہ استاد پائے۔ کم از کم میری سمجھ میں کہ نہیں گیا۔
 آخر اس سے مطلب کیا ہو؟ ایسی کیا یہ بھی شیشین : ٹائلز : اور وغیرہ سے یاد کیا ہے

ملاحظہ فرمائیے : صاحب امدان کے علاوہ دوسرے اشخاص ۱۹۳۷ء میں اہول کے ہمارے
 خطوں میں تھے۔ یہ اہول کے دفتر میں کثرت اشارہ ہے

یوں کے مطالب میں کوئی سخت غلطی ہوئی ہے یا ملٹی اور تاریخی مضامین شائع کرنا بہت ہی
 نیکو خیالات پر؛ اعادہ شباب والا مضمون نہایت ضروری اور فہم تھا۔ اس علیہ کا ذکر کثرت
 کے ساتھ انگریزی اخباروں میں ہو رہا تھا، لیکن اس وقت اردو میں کوئی مضمون ایسا
 شائع نہیں ہوا تھا جس سے اس کی طبی و علمی حیثیت واضح ہوتی۔ "ابلال" میں مذکورہ
 علیہ کا باب اسی غرض سے لکھا گیا ہے کہ وقت کے طبی مباحث و انکشافات اس میں
 شائع کیے جائیں۔ ایڈیٹرز چوپ والا مضمون بالکل ایک نئی تاریخی معلومات پر جو آج
 تک عالمِ انظروں سے پوشیدہ تھی، اٹھارہویں صدی کے مداخل میں ایک شخص کا شام میں مقیم
 ہو جانا اور مسرت زندگی اختیار کر لینا، عزابت کی دلچسپی کے ساتھ علم کا فائدہ بھی رکھتا ہے۔
 یہ دراصل ایک کتاب سے ماخوذ ہے جس میں اس طرح کے بیالیس اشخاص کے حالات
 ہیں۔ میں نے نوکر دیا ہے کہ ان میں سے مختلف کے قریب ابلال میں شائع کر دیے جائیں
 عزیز، آپ کے دینی اخلاص اور ملی ذوق سے ہمیشہ میرے دل میں توقعات
 رہی ہیں لیکن میرا خیال تھا کہ علمی و ادبی ذوق سے بھی ان لوگوں کو کورا نہیں ہونا چاہیے،
 جنہوں نے میرے لکھنے پڑھنے کی زندگی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر انہیں ان معاملات میں
 واسطے سلیم ہمارے کو بھی چاہیے لیکن آپ نے یہ خاکہ کر مجھے بہت مایوس کر دیا۔ ایسا
 جملہ ہے جیسے ایک آدمی ان کو جس سے بالکل نا آشنا ہو معلوم نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے اور
 کہیں اس طرح کی خیر خواہی کی نایاب کر کے مجھے مایوس کر رہے ہیں آپ کہیں گے مجھے
 صوفی قرآن حکیم کے مباحث کا شوق ہے۔ بیشک ہے لیکن یہ تو فرض ہے کہ ہر مضمون اسی موضوع
 پر مرکوز اس پر نہیں وہ تو ہر۔ جن گوشوں کا ہم کو فہم نہیں یقیناً وہ ہمارے میدان نہیں
 ہیں لیکن دلچسپی میں اتنی صلاحیت ضرور ہونی چاہیے کہ ان کی نسبت رائے قائم کرتے
 ہوئے جملہ ناواقفیت ظاہر نہ ہو۔ ایک درمیانی درجے کی رائے دی جاسکے۔
 پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ۔ آخر میں آپ نے اس مضمون کا ذکر کیا ہے جو دیکھ

کے فیصلے متعلق ہے۔ میں حیران ہوں، اصغر آپ کو چوکایا گیا ہے؛ ناشر و ناالیہ راجپوت۔
 میں نہیں سمجھتا تھا آپ کے قتل دہم کا یہ حال ہو گا۔ مصیبت یہ کہ کتاب بے تامل سطور
 کی سطوریں ٹکھٹکھٹے ہیں اسیان کے ہر نقطہ میں ایک غلط مقدمہ پوشیدہ ہے۔ کہاں تک میں
 صفحے یا کپڑوں؟ آپ کہتے ہیں کیا آپ کی خدمت میں کوئی جواب دہی یا اپیل کی گئی تھی کہ
 آپ نے یہ فیصلہ کیا؟ اس میں بھی وہی بلینا نہ اجمال ہے کہ کچھ معلوم نہیں ہوتا، مطلب کیا ہے؟ غالباً
 مطلب یہ ہے کہ قانون کی بنیاد پر کیوں کھا، دھتکارا اور ہدایہ کے حوالے کیوں نہیں دیے؟ اگر کسی
 مطلب ہے تو کچھ ناشر و ناالیہ راجپوت پڑھ دینے کے اند کیا کھڑی؟ اگر وہ معاملہ قانونی نہیں
 ہے تو کیلئے؟ بندھن میں غیر قویوں کے ساتھ مسلمان بستے ہیں۔ ایک غیر حکومت قائم ہے؟
 اسکا قانون کون کے اصول ہیں اور اب اس سے خطاب مطالبہ کی ضرورت پیش آتی ہے؟۔
 پس ظاہر ہے کہ صرف اس کے مسلم قانون کی بنیاد پر گفتگو کی جا سکتی ہے اسے اس نے کیا
 فرض کیا کہ دھتکارا دہی میں کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر کوئی غوریت نہیں ہو سکتی کہ اس طرح کے خطاب
 میں اپنے مذہبی احکام رٹے جائیں۔ اگر میں قانونی حیثیت سے اس پر بحث نہ کرتا تو اور کیا کرتا؟
پھر مذہبی احکام کی بجائی ایک نقطہ ہے جو لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ نہ ان کی خبر ہے نہ ان کا
بلکہ جسکی دیب سنگھ جی کا کہشہرہ غلاب کا سچ تھا۔ شاہہ مان پال کی کتاب کے فیصلے کی طرف ہے
 میں اپنے مدعا میں اس کو غلابہ مضمون ملو؟ جو کچھ اور مرزا نے ۱۱۲۷ء کے شکر گزیر (ابن ہلال
 میں) جو ان پنجاب کے ایک فیصلہ شائع ہوا تھا اس کا غلابہ تھا کہ جسکی دیب سنگھ نے
 اور کتاب کتب، آخر غفر مرید، مگر ساتھ ہی لکھا کہ کتاب دفعہ ۱۵۲۔ اسکی دوسری جہیز بھی
 نے لکھی ہے۔ یہ لکھنے نے مضمون میں اولیٰ بت کیا تھا کہ یہ کتاب دفعہ ۱۵۲۔ اسکی دوسری جہیز
 تھا پھر جہیز پیش کیا کہ اگر ایک عدالت علی نے ایسا فیصلہ کر دیا ہے تو اب ایک صاف اور غیر مشتبہ
 قانونی مدعا دیا آزار دہی کے مسئلہ کے لئے بن جانا چاہیے۔

عمل معلوم ہے نہ استنباط نہ ظن یا قیاس بلکہ اس بارے میں شرعی حکم کوئی ایسا نہیں جو سود مند
وقت میں شرعی حکم کا یہ حال ہو کہ اگر اسلامی حکومت ہو اور وہی، ذمہ کا غلط استعمال کر کے سب
شتم ہم کریں، تو نظریہ مصلحت شروع و اختتام، قضا کے احکام مرتب ہوں گے اور قاضی کے لئے
ضروریہ کا تعزیر کرے تعزیر کے مختلف مراتب ہیں اور جس سے لے کر قتل تک کیا جاسکتا ہے
اس پر مزید کو قتل و اختلاب ہو لیکن چونکہ تعزیر سے نہیں، اس لئے فی الحقیقت کوئی اختلاف
نہیں لیکن یہ حالت موجود یہ باتیں کیا سود مند ہو سکتی ہیں؟ نہ اسلامی حکومت ہے نہ
وہی ہے، نہ وہی ہے، اس قسم کے تمام امور میں جب کبھی شرع کا نام لیا جائے گا تو صرف
ایک چیز سامنے آئے گی یعنی قیام حکومت۔ اگر لوگ اس غافل ہیں اور موجودہ حالت پر
تامل، تو یہ اقتصاد شرعاً ناجائز ہے لیکن اس حالت اقتصاد میں اگر ایک غیر مسلم کوئی ایسی
بات کہے یا کچھ جس پر یہ حالت حکومت ہم تعزیر کر سکتے تھے تو ظاہر ہے کہ ہم شرعاً کچھ نہیں
کر سکتے صرف اس سے متنبہ اعتبار حاصل کر کے قیام امر کے سعی کرنی چاہیے۔

بعض تقریریں | آپ سمجھتے ہیں سب البتہ، ملک کا سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے جو خاص
ذاتی حیثیت رکھتا ہے میرے نہایت ہی عزیز بھائی، محج و رعایا کی تعلیم میں دانتہ ہو کر قتل
فہم ہے، اگ نہیں ہونا چاہیے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ سیکر اسلام نے جو نہایت
بخشنی ہے، اس کا فیصلہ یہ ہے۔ مجھے قطعاً اس سے انکار ہو کہ چونکہ تاریخ نفع بشر کے
مشائخہ یا اس سے پہلے کسی برس میں ہندوستان کے ایک مجبور اور مجبور جبل کیڑے کوڑے
نے یا حد سے یا نہیں نے ایک یا چند رسالت ان کے تاریخ انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت
کے خلاف یہ زیادتی کہے اس لئے اس کی ناموس کا خاتمہ ہو گیا اس کی عزت و حرمت کا سوال
پیدا ہو گیا۔۔۔۔۔۔ مسلمان کی موت و حیات کی گھڑی آگئی اب رہنا چاہئے اور نہ ملے
چلا چلے اور جینا چاہیے کہ نہ ہو یا سب سے بڑا معاملہ لگایا اور قیامت ٹوٹ پڑی۔
مجھے اس سے بھی قطعاً ہمارے کچھ کہہ رہے ہیں پال نامی مجبور نے امر شہ شاعر کی

کہے جا رہا تھا چاہے میں اسے ۶۰ ہجرت المومنین کی کلاں کا سوال ہی نہ اچھا تھا۔۔۔

..... لے لے وہ باتیں ہیں جواب

لکھنے نے (آپ اس لڑکے پہلے میرا خیال یہ تھا کہ آپ بھی اس عالم میں پہنچ گئے ہیں)

علاوہ سب کی روشنی میں بھی ہیں اور آپ لوگوں کے فدا یان رسولؐ کی سب سے بہتر ہی

تقریریں ہیں، جس کی ہر شے انہماکوں میں چھپی گئی ہیں اور ان پر فکر کیا گیا ہے۔ مجھے

اس سے قطعاً انکار ہے۔ انکار کا نہیں بلکہ میں اسے اللہ کے برگزیدہ رسولؐ اور اس کی اہل

بیتؑ میں ہر کی ہری سے بڑی تو ہیں سمجھتا ہوں، جو دنیا میں چوکھتا ہے۔ قطعاً راج پال نے

یہ عالم انسانیت کی اس سب سے بڑی ہستی کی اتنی قین نہیں کی جس قدر آپ لوگ کر رہے ہیں

اور ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتے۔ آپ کو معلوم نہیں کچھ دنوں کی چیز نے مجھے

اتنی اذیت نہیں دی جس قدر آپ کے فدا یان رسولؐ کی ان ناقابل برداشت تقریروں نے۔

گہرے گہرے تفریح میں آؤ، بہترین تغیر کن لکھنا۔ لطف یہ ہے کہ آپ ازراہ خوش بختی

مجھے بھی دولت دیتے ہیں کہ اس میں حتمیوں۔ میرے عزیز: اس کو غیبت سمجھ کر۔۔۔۔۔

..... بلکہ گہنا رہ گئے اور مجھے مناسب معلوم نہ ہوا کہ اس بار

میں کچھ لکھوں، وہ مضمون طیار تھا اور کچھ نہ رہا تھا۔ اب وہ رہا ہو جائیں اور جو کچھ ہونا

وہ بھی غرض کی جگہ اور بیان قطعے لگائے گئے ہیں، ان میں وقت کی عام تقریروں کے خاص اضافہ

و غیرت کا حصہ ہے، لیکن اب ان میں یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا، ہم انہیں حذف کر کے قطعے لگا دیے

سے اصل مضمون کو متروک کر کے لکھنا نہیں پڑا۔ مگر یہ بھی انہیں خاص تقریروں کی طوٹاں ملے، جو

کے بعض فقرے مولانا نے اوپر لکھے تھے ان کی قطعی رائے تھی کہ وہ سرور نے جو کہہ کیا، اس کی غلطیائی

تقریر کا کہہ کر لی جانے لگا، مولانا نے اس سلسلے میں جو تقریریں کیں اور ان میں جیسے

تقریرات کے نام لیا، وہ زیادہ زبردہ لفظ آخر اور تو یہ امتیز تھے۔ بلکہ یہاں اور شہید

مشرعوں کے نام دے دیے تھے، جو تقریروں کی وجہ سے گرفتار ہو گئے تھے۔

ہو جائے ، تو ہمارے فرض ، سوائے کہتا ہوں اس کے مطابق لوگوں کو بتانے کا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ کرنا شروع کیا ہے ۔

ناموس رسول اچھے قطعاً اس سے انکار ہو کہ وہم کی یہ ذہنیت بنانے کی کوشش کی جائے کہ کوئی ہم با اچھا اور انھوں نے دنیا پٹینا شروع کر دیا کہ اسلام کی کشتی ڈب گئی ۔ جہاں کسی گھبراہٹ توئی بات کی طلب میں یا اخباری بہودی اور پس شوم چھانا شروع کر دیا کہ اسلام ختم ہو گیا ۔ آپ لوگوں کو تو ان معاملات کی خبر ہے نہ تقلید عوام مورخہ دیتی ہے کہ وہ بھی بدیہی حالات کو دیکھیں ۔ آپ نہیں جانتے کہ اس طریقے سے مسلمانوں کی جماعتی ذہنیت کس طرح قتل کی جا رہی ہے ۔ قومی خود داری ، شرف نفس ، مظلوم اور بنحیدگی و مسامت کی جگہ ان میں خیف المکرہی و پچھو راہن اور مدون ہستی کی تلم ریزی کی جا رہی ہے اس کا نام رکھا جاتا ہے خدا نیاں رسول کی خدا کاری :

ہجرت کی بات ہے کہ ایک صاف بات جو صحیح طریقہ سے کی جا سکتی ہے اسے خواہ خواہ غلط طریقے سے کیوں کیا جاتا ہے ؟ جو لوگ اس طرح کا پانچ پن کرتے ہیں قطعاً تانوں کمان کا علاج کرنا چاہئے اور ضرورتوں کا مطالبہ کرنا چاہئے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اپنے قومی شرف کو تاراج کرنے کے لئے ناموس رسول ، ناموس رسول کا شوم چھایا جائے ۔

کیا انویت ہے ، اگر کسی ایسی کتاب کے کچھ دینے سے نفوذ با اثر رسول کے ناموس اور اہلالت المؤمنین کے ناموس کا سوال پیدا ہو جاتا ہے تو ان پر غلط لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں تو کبھی ناموس کا خاتمہ ہو گیا ہے ، کیونکہ کم از کم دس ہزار کتابیں تو اعلیٰ اسلام نے لکھی ہیں اور ہندوستان میں اب سے سائیس برس پہلے خاتمہ ہو چکا ہے جب احمد شاہ نے اہلالت المؤمنین کو کہہ کر یو سیاد مش سے شائے کی تھی ۔

صحیح رائے کی ضرورت ہے، ہر حال میں جب تک یہی واقعیت کی دوسرے مخصوص نہ
 تھی ہوتی تو میں صرف ذہنی فرضی نہ سمجھتا لیکن آپ میرے عزیز ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ
 کہ مجھے مجبوحہ افلاحتی کا رشتہ پیدا کر کے آپ نے میری سمجھ اور میری نظر حاصل کر لی ہے۔
 آپ کا اس طرح کی بات سمجھنا اور اس پھر ش میں سمجھنا، کیا ایک بڑی ہی مضبوط اور مسلمہ بات
 کی طرف اشارات کیے جاسکتے ہیں، میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہوا، عذرا! اخبار فرود
 کی تعلیم دہنی میں اس طرح دہرہ دہرہ جاتا ہوا ہے ہر معاملے پر اپنی واقعی روشنی سے لاکھوائے
 تاہم کہنی چاہئے، مگر آپ کی یہی حال ہوا تو پھر آپ میں اور آج کل کے اخبار فروشوں کی
 دلیوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔

اسی دہے مضامین "ششیمین" فورٹائز کی نسبت پوری توجہ کر کے اطلاع
 دیں گے۔ آپ کا بیخود آجائے تو پھر میں آپ کے دوسرے سوالات کا جواب دوں معلوم
 نہیں آپ کے دالرمع الخیر واپس آئے یا نہیں۔

ابوالکلام

۱۷

۱۹۔ اے بلی گنگ سرکلر روڈ
کلکتہ ۱۷/۱۲/۷۰

عربی

السلام علیکم

معلوم ہوتا ہے، ہادن آباد میں آپ کی ڈاک کا انتظام ٹھیک نہیں یا کوئی اور بات پیش آرہی ہے۔ عرصہ ہوا آپ کا خط آیا تھا جو میرے پہنچنے کا موجب تھا۔ جس دن خط ملا، اس کے دوسرے دن میں نے جواب بھیج دیا اور بتا دیا کہ اس خط پر آپ کے سابق خط میں مرقوم تھا، لیکن پھر آپ کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ آپ میرے جواب سے بے خبر ہیں۔ میں نے پھر سابق خط کا خلاصہ بھی لکھا اور ذی صورت لکھی، لیکن اب پھر آپ جواب کا تقاضا کر رہے ہیں۔ یہ بات کیا ہے؟ یہ خط میں جس بڑے بھیج رہا ہوں۔

میں ادھر ارادہ کر رہا تھا کہ جنوری سے "اہلال" ماہوار رسالہ کی شکل میں شائع کرنا شروع کر دوں کیونکہ لوگوں کا تقاضا حدیث برداشت سے گزر چکا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ماہوار رسالہ مفاد پر رے نہیں کر سکتا جو مہفتہ وار رسالے سے متوقع ہیں اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ مہفتہ وار "اہلال" اپنی اصلی شان میں دوبارہ شائع ہو تو اس سے زیادہ کوئی عملی اور تحقیق کام نہیں ہو سکتا لیکن اس کی اشاعت جی کارڈ ہو سکتی ہے جبکہ مجمع منوں میں "اہلال" ہوا و ناس کے لئے دعاؤں کا انتظام ضروری ہے۔

اللہ وہ سب کا

نمایا اس حکم ایک سال تک میں بڑا راست اسے دقت دوں اور میری نگرانی میں مرتب ہو۔ اس کے بعد ایڈیٹوریل اسٹاٹ کا سنا نچا ڈھل جانے اور برقرار رکھنا کی ضرورت ہائی نہیں رہے گی۔

معدہ کا اس نظام کو نہیں سکیں گے اور نہ ہی مکتبہ بیٹھے ہوئے لاہور کے پورے
کی ٹھوٹھ کر سکوں گا

پہلی مرتبہ اس لئے دہلی کا خیال ہوا تھا کہ میں وہاں تک جاسکتا اور پھر پھر سکتا تھا مگر
آخر کو تسلیم کرنا تھا کہ معاملہ انہیں ہائے یلہ

اہلہل کے لئے قطعی ہے کہ ذاتی پریس ہو۔ کم از کم ایک ہفتہ اور ایک ماہ کی
مشین اور کافی لوازم۔ پھر پہلے سال کے لئے اتنا روپیہ ہاتھ میں رہنا چاہیے کہ بوقت
کام نہ کر کے پھر انتظامی اور تحریری اسٹاف کا سوال ہے اس کے معارف مطلوبہ۔
البتہ یہ ظاہر ہے کہ مالی اعتبار سے اس کا نفع بخش ہونا قطعی ہے لیکن اتفاقِ سرِ پایہ کے بعد۔
میرا اندازہ یہ ہے کہ اگر ستائیس ہزار روپیہ پریس پر اور پہلے سال کے معارف
پر لگا دیا جائے، تو دوسرے سال سے اہلہل کم از کم چوبیس ہزار روپیہ سال کی خالص
بچت کا کام دہا رہا جاسکتا ہے۔

تو کل کوئی بیکہ بدایا نہیں ہے جو اس درجہ نفع بخش ہو سکے، لیکن مشکل یہ ہے کہ
شخصی طور پر دوست اتنی رقم کا بھی انتظام مشکل ہے۔

باقی وہاں بات کہ کسی کی کسی طرح پہچہ نکال دینا، قیہ کیجیے بھی سود مند نہ ہوگا کیونکہ

اس کے جواب میں یہ غلطی فرمایا گیا۔ اس کا کافی حصہ مردہ شرح کا محتاج نہیں۔ مولانا نے ایک مرتبہ
مکتبہ سے دہلی میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ دیا گیا تھا کہ وہاں لے گیا گیا۔ مکتبہ سے پریس
دہلی میں بھیجے گا۔ انتظام کر لیا گیا لیکن ڈش بند ہو کر رہیں وہاں کو علم ہوا تو انہوں نے سوچنا کہ دہلی آنے
نہ دیا۔ انہیں پھر مکتبہ میں نصب کر دی گئیں۔ غرض اس کے بعد بھی ایک مرتبہ دہلی سے اہلہل
ہارنکے لئے فرمایا تھا۔

حصہ ایک چمکھل دیا نہیں ہے بلکہ پچھے کو ابھلاں نکالنا ہے ۔
میں نے اسی لئے مشترک سرمایہ کی تجویز کچھ گئی ۔

یقیناً یہ مدت حال بہت ہی افسوس ناک ہے کہ تمام ملک ایک ایسے چمے کا
خواہش مند ہو اور اس کی بنیاد استوار دکی جائے ، لیکن بغیر سرمایہ کے اس کا خیال بھی
نہیں کیا جاسکتا ۔

آپ نے اپنے اور میرے معاملے کی نسبت لکھا ۔ وہ کئی بحث طلب مسئلہ نہیں ہے
یہ ایک منٹ میں آپ سے طے کریں گا ۔ سوال اصل کام کا باب کا ہے ۔

۱۱۱

۱۹۔ ۱۔ ۱۰، بلی گنج، سرکار روڈ

ملکت ۳۰ ۹ ۶

عزیزی

خط پہنچا۔ جس وقت سے یہ معاملہ میرے سامنے آیا ہے، میں براہِ راست پر غصہ کرتا ہوں
میں نے خیال کیا تھا کہ اگر سرحد میں کوئی سہولت ملے گی جگہ نکل آئے تو یہ آپ کے لئے زیادہ مفید
ہوگی۔ وہاں کام کا بہت بڑا میدان ہے اور کام کرنے والوں کی کمی ہے۔ اب آپ نے بمبئی
کے لئے کھولے تو میں بمبئی بھی کھتا ہوں۔ انشاء اللہ میری جانب سے اس میں کوئی کمی
نہیں ہوگی۔

میرا خیال اب بھی سرحد کے لئے ہے۔ وہاں کافی کام اصلاحی شروع کیا ہے اور وہ
آسانی سے حل ہو سکتی ہے۔

پنجاب کا انگریزوں کے جھگڑے پر دست بردار ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ وہاں
بہت کم ترقی پائی اور کئی چیزیں کھینچ لی گئیں۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ
وفاقی قضا قضا پر عمل کیا جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ کوئی کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ کے
والد گرامہ ہوتے تو ایک نیا تجربہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن وہ بھی ٹھک کر شیعہ چکے ہیں۔

سکندر حیات نے بلا ضرورت ستیہ پال کے خلاف تقریر کر دی اور اب ایک نیا
جھگڑا ان دونوں میں شروع ہو گیا۔

اپنے والد کو میرا سلام پہنچائیے اور عزیزی کو بھی والد کا سلام دیکھ

اپنا کلام

میرزا محمد تقی صاحب مدظلہ العالی کے نام سے لکھا۔

کلکتہ
۱۹۲۴ء

مرثیہ السلام علیکم

دوڑن خط پیچھے . دونوں کا جواب بتر تیب لکھا ہوں :

۱۔ پنجاب کانگریس کے باہمی اختلافات قیثانہ قابل برداشت حد تک سنبھل گئے ہیں۔

مغربی ہیں کہ اصلاح حال کوئی فیصلہ کن کوشش کی جائے میں نے ٹاکٹر سیتہ پال اور ڈاکٹر گوپی چند دند کو کھاج کوہنگ کیٹی کے موقع پر کلکتہ فرمائیں تاکہ پلٹ گئے ہو سکیں۔ میں اصلاح حال کی پوری کوشش کر رہا ہوں، نتیجہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

۲۔ آج کل لکھا ہے کہ ڈاکٹر گوپی چند مسلم ماس کنٹیکٹ کے لئے مدد پہنچا دینا سے اپنی پارٹی کی راہ میں خرچ کیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ قدم کہاں سے لگائی پراڈل کانگریس کیٹی ہے یا کسی دوسری جماعت یا فرد سے؟ اس بارے میں اگر کوئی نکتہ بات سامنے آئے تو اس سے فہما مطلع کیجئے۔

۳۔ بات سید محمد علی انیس کی کہ پنجاب کے مسلمان اس لیے کانگریس سے میلہ ہو گئے کہ پنجاب کی پارٹی نے یہیں پولی کانفرنس کی دعوت قبول کر لی۔ کانگریس کا پولی کانفرنس

۱۔ پنجاب کانگریس کے بعض افسر پارٹیوں کے لیڈر تھے اس سے ملو پوٹی کانفرنس و جس کا اختتام سرحد سکندریات درہم وغیرہ نے منع کیا تھا۔ سرحد صاحب اس وقت پنجاب یونیورسٹی پروفیسر تھے جسے اسکالرشپ پر بھیج دیا تھا۔ اس کا یہاں سے یہاں نہایت بدگمانی سرحد صاحب کی قدس تھا کہ شخصیت پر لکھنؤ اور سکھوں کے تمام اختلافی مسائل پہلے حل کر دیں۔ اس کانفرنس میں مددگار پارٹیوں کے علاوہ پنجاب کانگریس کے لوگ بھی تھے۔

میں ہمیشہ رہا ہے کہ تہذیب کے لیے یاد رکھیں ہر ایسی کوشش میں شریک ہونا اللہ اس کے لئے سہی ہونا۔ یہ طرز عمل تو کسی طرح بھی درست نہ ہوتا کہ کالجوں میں شرکت سے انکار کر دیتی ۔

۴۔ صبر و صبر میں انشاء اللہ نہایت آسانی سے ایک مقرر جگہ تک آ سکتی ۔ جو یہ اس میں کوئی دشواری نہیں دیکھتا ضرورت صرف تھکاوٹ سے انتظار کی ہے آپ اس معاملے کا پتہ پر چھوڑ دیکھئے اور یہ ہے یا تہذیب کا ہے ؟

۵۔ آپ نے مجھے کاموں میں مدد دینے کے لئے جو آمادگی ظاہر کی ہے، اس کے لئے

شکر گزار ہوں میں انشاء اللہ رمضان المبارک کے بعد اس بارے میں آپ کو کھوں گا

۶۔ آپ نے جو تعلیمی رسائل لکھے ہیں، وہ ضرور بھیجیے۔ میں پوری کوشش کر دوں گا کہ یہ

نصاب میں داخل ہو جائیں ۔

تعلیمی اصلاح کا اپنا معاملہ انجام دینا ہے امداد میں ایک اہم کام تعلیمی نصاب کی

تہذیب کی بھی ہے۔ اس بارے میں بعض دینی بنیادی مباحث تدریس ترتیب ہیں۔ انہیں جو جاننے چاہیے

پھر یہ کام سامنے آئے گا کتمام تعلیم رسائل تعلیم کو جانچا جائے گا حسب ضرورت نئی ترمیمی

سکھائی جائیں۔ اس وقت میں غور آپ کو بتاؤں گا۔ کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے اسے جاننے والے

بزرگوار کو سلام پہنچا دیکھئے نیز عزیزی احمد علی سلا کو

بہارِ کلام

والہ

کلت
۱۱/۱۲

ترجمہ

خط پہنچا۔ اپنے اپنے ایک انتہائی خط میں ڈاکٹر گوپی چند کی نسبت حیات بگھٹی۔
 یعنی اس کنٹیکٹ کے لئے کسی قسم کو کہیں سے لیا اور اسے غلط طریقہ پر خرچ کرنا۔ میں نے
 مزید آپ سے دریافت کیا تھا کہ اس بارے میں تحقیق کر کے ضروری تفصیلات کیجئے اور اگر آپ
 سمجھتے تھے تو میں بھی اس بارے میں تحقیقات کرتا۔ آپ خط نہ لکھ سکے اور اس بارے میں میں نے
 بھی کہہ دیا جو گھٹکی، لیکن نئی کانفرنس میں کانگریس پارٹی کی شرکت و عدم شرکت کے سوال
 کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اس بارے میں آپ کا کہہ سکتا کوئی اثر نہیں ڈال سکتا تھا۔
 یہ ڈاکٹر گوپی چند کی شخصیت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ کانگریس کے مسئلہ کا مسئلہ ہے۔ اگر
 گوپی چند کا طریقہ کا غلط ہے تو اسے اسمبلی پارٹی کی لیڈری سے ہٹا دینا چاہیے، لیکن اس کی
 جگہ جو شخص بھی پارٹی لیڈر ہو گا اس کے لئے اصل سوال بدستور یہی ہے کہ اگر اس شخص
 کے لئے کوئی اقدام کیا جاتا ہے تو یہ شخصیت کانگریس پارٹی کے اس سے تعاون کیا جائے یا نہ
 جائے، کانگریس کا مسئلہ اس بارے میں قلعی اور صاف ہے۔ یہ ہر ایسے اقدام کو تعاون
 کرے گی غلط اقدام کرنے والے کانگریسیوں یا نہ ہوں۔

آپ لکھیں کہ معلوم ہے کہ سیتھ پال اور گوپی چند کے جھگڑوں میں میری ہمدردی ہمیشہ
 سیتھ پال کے ساتھ رہی۔ اس میں گوپی چند کی پارٹی کے طرز عمل کو یہ پسند نہیں کرتا تھا لیکن
 نہایت افسوس ہے کہ اس معاملے میں میں گوپی چند کی جڑ سے داکٹر سیتھ پال نے جو طرز عمل
 اختیار کیا، وہ قابلِ مذمت اور غور کا شرف ہے کہ نہایت سخت نقصان پہنچانے والا۔

کی مصیبت کی بات ہے کہ یہ لگ محض اپنی ذاتی حماقت کے لئے کانگرس کے مرصیبت
لافی چاہتے ہیں اور اسے ایسے دلائل میں پھنسانا چاہتے ہیں، جس سے ٹکٹا پھر اس کا
دشوار ہو جائے۔

غلط طریق عمل مجھے تعجب ہے کہ آپ کے والد بھی اس ردہ بہ گئے۔ آپ کو تو چاہیے تھا
کہ اس معاملے میں محض پارٹی کا سوال نہ دیکھتے، اصل معاملہ کو دیکھتے، جو غلط صورت حال
ہے۔ لیکن نے پیدا کر دی تھی، اگر میں اسے دیکھتا اور درنگ کیٹی فیصلہ کر دیتی کہ کانگرس
پارٹی کوئی کانفرنس سے الگ ہو جائے تو کیا نتیجہ نکلتا؟ پوٹھی کانفرنس سے جو ناہو اناؤ شاید
کہ نہیں لیکن تمام ملک میں کانگریس پر نام ہو جاتی کہ دیکھو، کس درجہ متعصب، حاسد اور
خود غرض ہے کہ سکندر حیات صلح و شہاد کے لئے کوشش کر رہا ہے اور یہ ٹھکرارہی ہے
اور کہیں ٹھکرارہی ہے؟ محض اس جلسہ میں کہ پنجاب میں کانگریس منسٹری نہ بن سکی اور اگر
سکندر حیات کی کوشش سے اتحاد کی راہ نکل آئے تو غیر کانگریسی منسٹری کی پرستش ہو جائیگا
لطف یہ ہے کہ یہ عقلمند بلا تامل اپنے بیانات اور تجویزوں میں صاف صاف یہ کہہ
رہے ہیں کہ پوٹھی کانفرنس سے اس لئے مقاطعہ کرنا چاہیے کہ سکندر حیات پارٹی میں اتحاد
میں کامیاب ہو کر نمایاں نہ ہو جائے گا یا اگر کمیونل تفرقے کا کوئی حل نکلتا ہو اور اس سے اندیشہ ہو کہ غیر
کانگریسی پارٹی کو کریڈٹ مل جائے گا، تو کانگریس کو چاہیے اس جلسہ میں آکر اس کی مخالفت
کرنے اور جھگڑوں، خونریزیوں کو نشیدہ بنانے دے!

میں نے ڈاکٹر ستید پال کو کچھا تھا کہ کلکتہ آجائیں۔ وہ آتے تو ان سے زبانی یہ تفصیل
باتیں کرتا لیکن وہ نہیں آئے۔ آپ خدا و تعالیٰ میں مغفوں کے صفحہ کو نسیا کرے؟
بہر حال ہمدت ملی تو انہیں کھنکھن کا کسی موہے میں کانگریس کی تضحیل پلید نہیں ہو رہی تھی
پنجاب میں۔

مزید شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ملازمتوں اور تقریروں کی نسبت میں غلطی ہو چکی

کہ میں قطعاً اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، نہ میں نے آج تک کسی شخص کی سفارش کی ہے۔ کیونکہ اصل تو اصولاً اس طرح کی مداخلت نہایت غلط ہے کہ اوپر کو ایک آجی نظر نہیں ہٹاتا ہے۔ تانیا یہ ہوا رہ گئے تو پھر اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسے اول دن ہی بھوکھ لگتا چاہیے۔

لیکن اب کیا معاملہ دوسرا ہے اس بارے میں سچی و انتہائی انا ضروری غرض سمجھتا ہوں لیکن ہے یہ بھی کمزوری ہو لیکن اس کمزوری سے اپنے سرومعات نہیں رکھ سکتا ہیں اپنے بھانجے کی سفارش کرنے کا ایک قلم انکار کر دیا اور اپنی بھانجی کے شہر سے بھی صاف صاف معذرت کر دی، لیکن آپ کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں کر رہا ہوں اور کروں گا۔

براہِ غایت اس طرح کے افاغندہ کیجئے جس سے بے اعتمادی مترشح ہو۔ کسی قدر توقف کیجئے اور دیکھیے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، ضروری ہو گا سے عمل میں بھی لاؤں۔ میں براہِ خط و کتابت کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ عید کے بعد میں آپ کو یہ خبر سے اطلاع دے سکوں گا۔

والسلام علیکم

ابراہیم

کلتہ

۱۲/۶

عزیزی

حکومت سرحد نے ابھی تک پلٹشی کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں کیا ہے اور ضروری
 کہ جلد از جلد پورے مجھے خیال ہوا تھا کہ سرحدت آپ کے لئے یہ صدمت نکالی جائے۔ چنانچہ
 اس بارے میں میں نے زبانی عبد الغفار خاں سے کہہ دیا تھا اٹو اکثر خان کو خط و کتابت
 بھی جاری ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ عدم تحریہ کی وجہ سے کاموں میں بہت ہی سست
 رفتار ہیں۔ معمولی سی بات کے لئے کبھی ملاوچہ مفتوں نکل جاتے ہیں۔ میں نے تمام ضروری
 مراتب انہیں بکھریے تھے، مگر ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں ملا ہے۔
 آپ نے مجھے بمبئی کی نسبت لکھا تھا، اب خیال کرتا ہوں کہ وہیں صدمت نکل سکے گی،
 اور شاید جلد نکل آئے۔ لیکن اس کے لئے بہتر صورت یہ ہوگی کہ آپ بمبئی میں موجود
 ہوں۔ میں نے کل ایک خط ٹائپ کر لیا تھا کہ آپ کو سمجھ دوں گا، لیکن اس وقت معلوم
 ہوا کہ فوجیہ دکنگ کیشی (جسے الہ آباد میں کرنے کا مقصد تھا) بمبئی میں ہوگی، ۲۰ جنوری کو
 دسمبر ۱۹۳۶ء کو اس صدمت میں مجھے بہر حال بمبئی جانا پڑے گا۔ اس لئے خط انہیں سمجھتا اور
 چاہتا ہوں کہ آپ ۲۰ جنوری کو بمبئی پہنچ جائیں اور وہاں مجھ سے ملیں تاکہ اپنی موجودگی میں
 آپ کو مسٹر کیم سے ملاوچہ اور زبانی گفتگو کر دوں۔ خط سے یہ طریقہ زیادہ موثر ہوگا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

عزیزی

میں بھی ۲۰ جوری کو پہنچوں گا۔ اسی تاریخ سے رنگ کیش پر کیشی غالباً تین چار دن تک چلے۔ یہ کچھ فوری نہیں کہ آپ بھی ۲۰ جی کو فروغ سنیں۔ ۳۰ یا ۴۰ کو بھی مل سکتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ میں آپ کو خود ملا دوں۔ کیشی کے جلسے متواتر رہتے ہیں اور مشغولیت سخت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اس لئے غالباً ۲۰ کو تو موقع بھی نہ ملے گا، اس کے بعد ہی نکلے۔

یہ ہر حال آپ جب سنیں، مجھ سے مل لیں۔ پھر میں حسب حال انتظام کروں گا۔ میں نہیں کہہ سکتا، کہاں ٹھہرایا جاؤں۔ غالباً رجب علی پٹیل ۲ درڈن روڈ کے یہاں بکھڑوں۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ شرمیلا بھائی دیپائی کے یہاں آجائیں۔ جہاں وہ رنگ کیشی کا جلسہ ہوگا اور مجھے کاٹھ بھجوا دیں۔ میں بلبر آکر مل لیں گا اور صورت کارٹے پا جائے گی۔

ہو بہر حال معاملہ چھڑا نہیں ہے۔ یعنی میں عبدالغفار خاں یا ڈاکٹر خاں ضرور دلائیں گے۔ وہ بھی پیش نظر ہے۔ البتہ خیال ہوا کہ بیٹی کی بات بھی سمجھ کر لی جائے جو کام سبیل ہو گیا، اسے اختیار کر لیجئے گا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۱۴)

کلکتہ

۶ ۳۱۳

عربی

خط پہنچا، زخم اور دم اب تک چلا ہی جاتا ہے، بلکہ کل سے دس بجی زیادتی ہو۔ پھر
 سہ ماہ آج ایکس رے لیا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے اندہ کوئی غیر معمولی خرابی کام کر رہی ہے۔
 یعنی میں مسٹر کھیرے میں نے پھر از سر نو باتیں کر لی تھیں۔ یہ بہتر ہوگا کہ آپ ایک خط
 ان کے نام اس مضمون کا بھیج دیں کہ میں یہاں انتظار کر دوں گا۔ جب آپ کی جانب سے
 حکم ملے گا آ جاؤں گا۔ خط و کتابت میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس کی جزئیات کا طریقہ
 پر مہمت کچھ بڑھتا ہے۔ خطا جب کیجیے تو سنجیدہ عبارت میں، قرینہ کے کاغذ پر اور ٹائپ
 کرا کے۔

مولوی محمد علی نے کاغذات بھیج دیے ہیں۔ میں ایک شخص کا منتظر ہوں جو کلکتہ
 سے باہر گیا ہوا ہے، وہ آجائے تو نتیجہ سے انہیں مطلع کر دوں گا۔
 پنجاب کانگریس کے جگڑوں کے لئے میں نے درکنگ کمیٹی کی خواہش مان لی
 تھی کہ وقت نکالوں لیکن اب دیکھتا ہوں کہ صحت اجازت نہیں دیتی۔ نہیں معلوم موجودہ
 شکایت کب تک رہے، ممکن ہے دوبارہ عمل جراحی کی نوبت آجائے۔ مجددیہ ہاؤس کو
 لکھ رہا ہوں کہ وہ پنجاب جائیں۔ اگر وہ نہ جاسکے تو پھر اور کسی کو بھیجوں گا اور درکنگ کمیٹی
 کی تجویز بر ملا دوں گا۔

قیام کے بارے میں میں نے کوئی خاص ارادہ تو نہیں کیا تھا لیکن میں انتظار
 نے پھر رہا تھا کہ ان کے یہاں بٹھروں۔ ڈاکٹر عالم صاحب کا بھی خط لیا ہے۔ بہر حال

آنا کوئی وجہ نہیں کہ میاں عبدالعزیز صاحب کی دعوت نظر انداز کرتا۔ ان کے یہاں بلربا
 ٹھہر چکا ہوں احسان کی محبت و اخلاص کا شکر گزار ہوں
 مولیٰ عبدالشہر صاحب کا خط اس بارے میں مل چکا ہے۔ شکر گزار ہوں، انہیں
 بھی میرا پیام پہنچا دیجئے۔ والسلام

ابوالکلام

۱۰ عبارت ۳ صحت ظہر ہے کہ مولانا کی تشریف آمدی کی خبر سن کر میاں عبدالعزیز شریٹ لاہ
 نے مولانا کی والدین احمدیہ کے ہم محرم مولانا عبدالشہر موم یا مدنی سے کہا تھا کہ مولانا کے ہاں ٹھہریں
 جیسا کہ پیشتر بلربا ٹھہر چکے تھے۔

(۱۵)

مکتبہ

۶۲۶

عزیزی

خط پہنچا۔ خط و کتابت کے بارے میں مشرکہ یہ کہیں کہیں گئے کہ کاغذ کیسا تھا، خط
کیا تھا، بھلا ان جزیات پر کسی سے گفتگو ہی کب ہوتی ہے۔ میں نے محض احتیاطاً آپ کو ایک
بات لکھ دی تھی۔

مجھے نقل بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ ان سے خط و کتابت جاری رکھیں اب
یقینی ہے کہ کوئی صدمہ نہ ملے گی۔

اجار کی نسبت جس قدر گفتگو کیاں افتخار الدین سے ہری پورہ میں ہو چکی ہے،
وہ اس کے لئے کافی ہے کہ وہاں مزید گفتگو شروع کر دیں اور مجھے آپ یا وہ بندہ یوں خط
حالت سے مطلع کریں۔

فتح مال کا حال اخبارات میں پڑھتے ہی میں نے ٹوکر گڑھی چند کو کھا لیا کہ تفصیلاً
بھیجیں نیز یہ کہ جب وزیر کا کوئی قتل ہو گئے اودمان پر حملہ ان لوگوں نے کیا تھا انہیں مانگ کر
سمجھا جاتا ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ اس پر اجازت نافذ کریں اور لوگوں سے (اجارہ بیت)
جراں کا باعث ہو جائے۔

مجھے جواب کا انتظار ہے

اپنے والد بزرگوار کو میرا سلام شوق پہنچا دینا و السلام علیکم

الہامی

فتح مال نیلے ستر میں، یہ خانہ ہمیشہ آیا تھا جس میں سعادت علی صاحبی ناگوار ہو چکے تھے کہ وہ غیر مانتی تھی۔

عزیزی

خط بنیاد۔ اور دس سال کے بعد عرق النساء کا درد پھر پڑا تھا مگر اب افادہ دہی
سے لگ کر دہی جواب نہیں ملے تو بہتر ہو گا کہ ایک یا دو دہائی کا خط اور کچھ دیکھے اور جواب کا انتظار
کیجئے پھر کئی تاخیر ہو جائے مطلع کیجئے۔ اس کے بعد کھوں گا کہ کیا کرنا چاہیئے۔

سرکنڈہ ریات یہاں ملنے کے لئے آئے تھے۔ میں نے ان سے فیصلہ امر سر کے حادثے
کی تفصیلات پوچھیں۔ ان کا بیان مستدل اور معقول تھا اگرچہ ان کے بعض سامعین جو تقریباً
جلتے تھے فریاد جذبات سے خالی نہ تھے۔ میں روتوں کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اصل علوۃ
کے لئے کسی دماغ کا اثر کو ملاست نہیں کی جاسکتی، البتہ جو کمزوری دکھائی گئی ہے، وہ صرف
اس بات میں ہے کہ جس طرح صاف صاف اصل علوۃ کی شناخت کا اقرار کرنا تھا
اور علامتوں کی فہم کرنا بھی نہیں کی گئی تھی۔

مسٹر جے رام داس نے اپنے قیام لاہور کے تاثرات سمجھے ہیں مثنیٰ کے پہلے ہفتے
میں وہ پھر جائیں گے اور کوشش کریں گے کہ کچھ کر کے آئیں لیکن سارا معاملہ کوئی کام جب
تک کوئی ایسا آدمی آگے نہ کیا جائے گا جو ان گروہ بندیوں سے اوپر نہ کر از سر نو قدم اٹھا
سکے، اصلاح حال مشکل ہے اب یہی چیز بنیاد میں بسیار است و نیست کا حکم دیتی ہے
جے رام داس کوئی نہیں لاہور جاتے ہیں تو نصیر پٹن میں گئے تاکہ ان کے والدین کو بلوایاں
مشہور کر سکیں۔قبال کی موت کو نہایت قلق ہوا، بہت آگے گئے باقی جو ہیں طیارہ بیچے ہیں۔

براہ کلام

والسلام علیکم

لے دی تھی وہاں علوۃ جس کا ذکر سابقہ کتاب میں آچکا ہے وہ علوۃ کے خدشہ شریک طوفان شدہ ہے یعنی
نفس جو آدمی میں علوۃ کو بے استیلاست۔ اس لئے اس ملک میں جو تھے پر ایک بیان بھی دیا تھا پر چنداں ظاہر

(۱۷)

مکتبہ

۲۲۲
۲۸

عزیزی

میں نے اڈیا کانگرس کے صدر دفتر میں ایک یادو آدمی ایسے رکھنا چاہتا ہوں جو صرف مسلمانوں کی شکایات کی تحقیقات و امداد کے لئے مخصوص ہو۔ یعنی کانگرس کے اندر شکایتیں پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے۔ ان کی حیثیت اسسٹنٹ سکریٹری کی ہوگی۔ کیا آپ سر دست یہ کام پسند کر دے گئے؟ لیکن ایک بات قابل غور ہے۔ یہاں زیادہ سے زیادہ سہ ہسپتال ہمارا لاؤنس مل سکتا ہے۔ اگر میں زبرد گاہوں تو شاید کچھ حزن ہی اضافہ بھی ہو جائے۔ اس سے زیادہ مالی نوعیت متفرج نہیں، البتہ صدر دفتر سے انسٹل کی اہمیت اور فی منصفہ وقت کی ایک نہایت ضروری خدمت کی انجام دہی، اس جگہ کے حق میں ہیں۔

اس پر بھی غور کر لو،

والسلام علیکم

ابو اکلام

(۱۸)

کلکتہ

۵ مارچ ۱۹۰۵ء

عزیزی

خط پہنچا۔ ایک خط لکھ چکا ہوں، اللہ آباد کی نسبت جو آپ کا تاثر ہے، وہ صحیح نہیں۔ وہاں بھی آپ اتنا ہی میرا سہارا پائیں گے، جتنا کلکتہ میں۔ علاوہ بریں جو میرے تھال ہاں اس اعتبار سے پھلے دنوں رہ چکی ہے، اب باقی نہیں رہی۔ اسے یکتہ فلم بدل چکا ہوں بہر حال اس ماہ کے آخر تک یہ تقریر ملتی رہے گا اور ٹیپ کے لئے بھی میرا کچھ مشورہ ہے کہ اس ماہ کے آخر تک آپ اہل انتظار کر لیں۔ اس طرح اور اثراہ میں پورا موقع ہو گا کہ جو صورت آئیج جو اختیار کی جائے۔

یکٹی ممکن ہے کہ میں اس وقت آپ کو سرحد کے لئے بھی بکھ سکوں۔ اس بار میں پھر خط و کتابت کر رہا ہوں۔

ایک خط سے کل معلوم ہوا کہ میاں افتخار الدین یورپ گئے۔ جولائی یا اگست میں واپس آئیں۔ معلوم نہیں آپ ان سے ملے بھی تھے یا نہیں؛ ہر حال پورہ میں انھوں نے انبار کے لئے پورا عزم ظاہر کیا تھا۔ والسلام علیکم

ہاں ملوی جو علی صاحب کے معاملہ کے لئے میں آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں، ایک صاحب کا اس وقت انتظار تھا جو بیٹا لگئے ہوئے تھے، انھوں نے کلکتہ پہنچ کر پوری کوشش کی اور کئی جاگہیں ٹٹولیں، لیکن ان شرائط پر حالت کی صورت نظر نہیں آئی، ہر شخص چھٹے ہی کہتا کہ معاملہ فحش کا ہے مگر ضمانت مفقود۔ باقی رہی کا وہ باری نوعیت، تو جب کلکتہ ٹیپ کی گئی جاوے سے کبھی ہاں خط لکھیں۔ صدی انتفاع چھوڑ کر، تو شکل کو

کا رو باری المجاؤ کی خدمت داریاں اس کے لئے برداشت کی جائیں۔
 یہ حالت محدودہ اگر کوئی لاء نہیں نکل سکتی ہے تو وہ صرف شراکت کی ہے،
 کوئی سرمایہ دار کلام میں شریک کیا جائے۔ کیا مدد اس میں کوئی ایسا آدمی نہیں نکل سکا
 جو کاروبار کا واضح انتفاع دیکھ کر آمادہ شراکت ہو جائے!

ابو الکلام

کے

9/2/19

جی فی انسر

آپ کا عمل گیا تھا مگر منتظر تھا کہ یہی کام جواب آجائے تو لگوں۔ اب جواب مل گیا ہے جو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔

اب ایک وقت وہ بھی ضرورتیں کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ یعنی کبھی اور دفتر

بہنیں میں اگرچہ بالفعل طریقہ سہی کا سادہ ہو گا، لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی نہ کسی کام پر لگ گئے تو پھر مزید ترقی کی راہوں کا پتہ اگر لینا مشکل نہ ہو گا۔ افسوس کہ یہ ہوا کرتا ہے۔ ابتدائی تقریریں بھارتیہ ہے۔

پہرہ بھارتا ہے۔ ابتدائی عمر میں بھارتا ہے۔
 دفتر کانگوس کا معاملہ ایک قومی خدمت ہے اور اس کے فیصلے کو طاقت کا
 پیمانہ ہے۔ دونوں میں سے جو صورت آپ کے نزدیک مرجع ہو، اسکا عزیز موصوف کو مشورہ دیجئے
 اگر ہمیں وہی صورت منظر ہو تو اسے فہرذا اختیار کر لیا جائے۔ اگر لا آباد والی مرجع نظر آئے
 تو مجھے پہلے فہرذہ تار مطلع کر دیا جائے۔ میں چلیڈ تار مطلع کروں گا کہ اگر بعضی لادہ بادیہی
 چاہئے۔ باقی نیا کے حالات کی نسبت آپ کو حکم لکھا جاوے، وہ فرست طلب ہے۔ انشاء اللہ
 عنقریب اس بارے میں مفصل طویر پڑھنے کی کوشش کروں گا۔

عقرب اس بارے میں مکمل طور پر یقین ہے کہ وہ ایک عظیم الشان شخصیت ہے۔

یہ بیان سے صاف دیکھ جائے کہ یہ کتاب مولیٰ علیہ السلام اور کتاب انہی کے ہمارے مولیٰ جیسا کہ مولیٰ

(۲۰)

کلمۃ

۶۴۸

۶۷۱

کل آپ کا خط پاتے ہی میں نے اس مضمون کا تاریخ بھیج دیا تھا اور مشر مشن کے مشورے کے مطابق کام کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر وہ ذاتی کوئی دوسری انتظامی جگہ مل سکے ہیں، تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اسے اختیار کر لیا جائے۔

اب آپ کا خط ملا،

مشر کیر اور مشن کی ہر باتیں آپ نے سمجھیں ہیں۔ ان میں کوئی بات پریشانی کی مجھے نظر نہیں آتی۔ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے کوشش کر کے آپ کے لئے جگہ نکالی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کل کی کسی کو خبر نہیں، سوال تو یہ ہے کہ وہ فیاض یا مستقل کسی شکل میں بھی موجود ہو۔ سوداگری صورت میں ہے یا نہیں، مگر مجدد ہے تو آپ کو خدا کام شروع کر دینا چاہئے کیوں کہ پہلے سے حیات میں نظر ہے، وہ بھی ہے کہ کسی نہ کسی طرح صورت کام ہاتھ آجائے۔ پھر آئندہ ترقی کی راہیں بتدبیر نکالی جاسکتی ہیں۔

یہ یاد رکھئے کہ فردی طور پر کہیں بھی حسب مطلب جگہ نہیں نکالے گی۔ کام پر ملک کر رہا نکالنی پڑے گی۔

بہر حال پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مشن کی کوئی دوسری جگہ نکالیں تو اس کا استقبال کرنا چاہیے۔ اس کو سیر اندر کیا بات ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی ماہ نظر نہ آئے تو پھر ان باتوں پر غور نہ جائے۔ جو جگہ مشن کے قریب ہی ہے، عارضی ہو یا مستقل اس پر تعلق ہو کہ کام پرگ جائے۔ جب تک کوئی باہر کی کوئی صورت نہیں نکلتی ہوئی ہو، پھر ہر طرح کی راہیں نکالیں۔ ذاتی کام

عزیزی

خط پہنچا۔ اب تو آپ کو قہر بے سے ملو، جو گیا ہو گا کہ معاملہ کی انجام دہی میں کس قدر متنبہ
پیش رفتی ہیں۔ ہر حال اسکے سوا چارہ نہیں کہ ضرورت شدت سے کام لیا جائے۔ پہلی بات
یہ ہے کہ کبھی کسی کام میں لگ جانا چاہیے اور مددگار کے اندر آ جانا چاہیے پھر کچھ دنوں
تک اپنے کاموں کا بہتر سے بہتر نمونہ پیش کرنا چاہیے یہ دو باتیں انجام پا گئیں تو میسر
مرحلہ اندازہ شدہ ہو گا۔

کام پر لگ جائیے تو کچھ مدت تک ساری باتیں بھول کر صرف اپنے کام کا بہتر تاثر
پیدا کیجئے اور ہر روز عمل مقصد کیجئے گویا اپنے مفروضہ کام کی سرگرم مشغولیت کے سوا اور
کسی بات کے غماز بند نہیں۔ جو بات مطلوب ہے وہ خود بخود سرور کی طرف سے
کسنگ آسپا کو گینا نہیں پٹے گا۔

مجھ کو کچھ معلوم ہے کہ والد مرحوم کے نام کا تعلق قصیدہ کو تھا اس کو زیادہ
تفصیلات معلوم نہیں۔ والد میں کمال تعلیم کے لئے دہلی آئے جب کہ مرثیوں اور شاعریوں
میں جنگ جاری تھی شاہ عبدالعزیز کے حلقہ درس و تدریس میں داخل ہو گئے پھر انہوں
نے دہلی میں قیام کر لیا اور شاہ عبدالعزیز کا منصب ملا۔ اصل خاندان ہرات سے
آیا تھا اور والد مرحوم کے قاضی القضاۃ کے حکیم پر مشہور افراد مامور ہوئے تھے۔

اب جس شخص کا یہ جواب گیا، وہ قصیدہ اسکے لڑائی کے ساتھ خاندان مولائی کے باب میں تھا جبکہ میرا
مشیر ہوا۔ برصغیر فرمایا کہ والد کے نام سے سند الہیہ قصیدہ کی غرض تعلیم دہلی تھی۔ پھر دہلی میں تو
انہوں کو یہ معلوم تھا کہ والد کا خاندان ہرات کا ہے اور یہاں تھا کہ جس فرد خاندان میں سے وہاں سند الہیہ کے والد
مرشد و مرید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور جو شخص حقانہ کے بعد سے پرامند ہو۔ اور جو کے سکھوں کے قبضے
میں آگئے وہ تک قصیدہ اس کے لڑائی میں بدلو ہو گئے۔

ترجمان القرآن کو سر دست نہیں چاہنا چاہتا۔ پہلے قیسی جلد نکل جائے، جس کا کام
 جاملی ہے، پھر دوسرے ایڈیشن کا اہتمام کیا جائے گا تو وی بیگم کی کا انگریزی ترجمہ اگر موجود
 تو اسے شائع کر دینا ضروری ہوگا۔ ورنہ اصل اس کے لئے نقد العلماء محرک ہوا تھا، مگر انوس
 ہے کہ تکمیل نہیں ہوگی۔ اگر بی بی میں کوئی اہل خیر اس کے لئے آمادہ ہو جائیں تو ضرور اس کا
 اہتمام کیجئے۔

میسرے خیال میں اس کے لئے کسی ایسے مقدمہ کی ضرورت نہیں جو نفس قرآن پر
 لکھا جائے۔ البتہ ترجمے کا مطالعہ کر کے ترجمہ کے محاسن پر ضرور لکھنے نہ کچھ لکھنا چاہیے علامہ اعظم
 مولوی محمد علی کے لئے بھی کوشش جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کامیابی کی شکل دکھائے۔

ابوالکلام

اس کو بھی بالکل مانع ہے کہ دوسری جلد کے چھپ جانے کے بعد قیسی جلد کے ترتیب میں پیشانی ہو سکے
 تھے اس لیے پہلے چاہنا چاہتے تھے کہ پہلی جلد نکل سکے۔ بیگم کی کا انگریزی ترجمہ

(۲۲)

اگست ۱۹۳۳ء

عزیزی

- ۱۔ لا زلۃ الاثر الخ بہ ظاہر شہادتین کا اعتقاد ہے۔ احادیث سے جو کلمہ ثابت نہ ہوگا۔
- ۲۔ شہادتین ہی ہے۔ غائبانہ اسی عہد میں یہ جملہ بہ طور خلاصہ شہادتین کے مستعمل ہونا شروع ہو گیا تھا۔
- ۳۔ حدیث میں جو ہم سے مراد دن کا تین نہیں ہے بلکہ نفس تعطل کا یعنی تعطل کے دن کا انہیں حکم دیا گیا تھا جس سے وہ گمراہ ہو گئے اور سب کی رعایت کھو دی۔
- ۴۔ مولیٰ جو علی کیلئے کوشش جاری ہے۔ غائبانہ قطعی نتیجہ ستمبر میں معلوم ہو۔
- ۵۔ مشرحن کے بارے میں جو کچھ کہنا تھا کہ چکا ہوں، اس سے زیادہ اس طرح کے معاملات میں دخل دینا معقول نہ ہوگا، تاہم ایک اور خط لکھ دیا کہ۔ والسلام علیکم۔

اور السلام

مولیٰ جو اب مولیٰ محمدی الدین احمد کے عطیہ پشت پر کھڑا رہا ہے پکڑا گیا۔ پہلا سوال چاہئے واضح ہو کہ اس سال جو محمدی کی ایک حدیث کے متعلق تھا جو کتاب الحمد میں آتی ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہارے دن سے آگے جو کچھ ہاں نہیں ہم کی پہلی کتاب دیکھ گئی پھر یہ انکا تھا جو ان پر فرمایا گیا تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور اسلئے ہمیں اس کی روایت کی نہیں۔ وہ لکھیں اس میں اس سے بھی۔ یہ مکمل انصاف کی لک کے بعد مطلب یہ ہے کہ جو یہاں دن ہے اس کے بعد یہ وہ کا منہ یعنی بہت سے کے بعد ان کی کا بہت یعنی تندر۔

(۲۳)

مکتبہ

۶۱۰ ۲۳
۳۸

عزیزی

نہا بکھنے میں دیر ہو مگر اصل معاملہ سے تداخل کبھی نہیں ہو سکتا۔
 اگر پبلشٹی کا کام اس وقت تک نہیں شروع ہوا ہے تو آپ شریلی سے
 لیے آمد صورت حال بیان کیجئے۔ آپ کو صرف اس پبلڈ پر زور دینا چاہیے کہ پیش نظر
 اصلی کام یہی تھا، ادا اسی کی ضرورت ہے اس لئے اگر اس میں تاخیر نہ ہو تو بہتر ہے
 دلاہام علیکم
 موہی محمد علی کے معاملے کیلئے بھی مسلسل سعی جاری ہے مطمئن رہیئے۔
 ادا اکلام

گفتہ

۲۱/۲

جنتی فی الاثر

خط پنچا۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ تحریر کو پوری طرح کام نکلتا نہیں، اور نکالنا بھی چاہوں تو صحت کی کڑی کاموں کا ہجوم اور طبیعت کی بے تعلق ساتھ نہیں تھی۔ جہینوں سے فرنیٹر کے کاموں کا تقاضا ہے مگر ابھی تک اسے نہیں نکال سکا غائب اس ماہ کے تاخیر میں قصد کروں۔ ذہن میں یہ ارادہ محفوظ کر چکا ہوں کہ روانگی سے پہلے آپ کو تندرست دل کا ایک حکاشیشن ساتھ چلیے تاکہ بہ المیلان باتیں ہو جائیں۔

مولوی محی الدین کا معاملہ پیش نظر ہے۔ اس وقت تک جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا مگر اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ دائرہ کار میں داخل ہو جائے۔ اب پونچنا ہے کہ معاملہ کیوں کر حسب وخواہ درست کیا جائے۔ میں غائبہ مرکبہ کے لئے نکلوں گا اور وہاں پتیل اٹھیکر فیصلہ کن گفتگو کر کے ایک فیصلہ کروں گا۔ اس بارے میں آپ بالکل مطمئن رہیں اور معاملہ کچھ پرچھتہ دیں۔

پرتگہ صاحب کا معاملہ یہ کہ اپنے کانگریس میں آنا اور پنجاب کی صداقت کا پورا اٹھانا منظور کر لیا ہے اس بات سے مجھے نہایت خوشی ہوئی۔ شاید پنجاب کانگریس کی اصلاح حال کے لئے اب کوئی راہ نکل سکے۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

۱۔ یہ مکتوب مولانا عبد القادر مودودی کے نام ہے

۲۔ مشہور مکتوب شیخ سراہ الدین پور

عربی

پچھلے ماہ کا خط لاہور سے واپسی پر ڈاک میں ملا۔ اُمید تھی کہ آپ کو جزاء خیر سے
آپکا اور میرا رشتہ ایسا نہیں ہو جو اس طرح کی کسی حالت سے بھی متاثر ہو سکے۔ مگر میں
مجہد بیت ہوں۔ صحت ساتھ نہیں رہی۔ ذمہ داریاں چھوڑ نہیں سکتا۔ اس لئے بے بس
ہو کر رہ جاتا ہوں۔ خط کتابت پابندی کے ساتھ کر نہیں سکتا۔ کوئی ضروری بات بچتی ہو
تو لکھتا ہوں۔ نہیں تو غرضاء رہتا ہوں۔

لاہور میں آپ کے والد بزرگوار احمد مدنی محمد علی، محمود علی کی مہجنگی کی مسرت میں اگر کوئی
کمی تھی تو آپ کی عدم موجودگی کی۔ تاہم نظاہری کی کمی تھی وہ نہ آپ بھی میرے ساتھ تھے۔ اللہ
تعالیٰ جلد سے جلد ایسے حالات بھی پہنچائے کہ آپ کو اطمینان خاطر نصیب ہو۔
سندھ کے متعلق یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ جہاں جہاں مسلمانوں پر گھوڑوں
اور بندوؤں کے مظالم ہوتے ہیں وہاں کے مسلمانوں نے گماذھی جی کر یہ نہیں کہا کہ نہ قسم
اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ نہ ظلم بردہ سکتے ہیں۔ نہ اور کوئی راہ اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ آپ
بابر کے مسلمانوں کو لاکر جلا کر دیکھئے۔ اگر مسلمانوں کو کوئی گروہ اس درجے جس اور بے محبت
ہو کر آیا ہے کہ گماذھی یقیناً اسے ہی کہیں گے کہ تمہارے لئے ہجرت کے سوا چارہ نہیں، مگر
کوئی مسلمان ایسا نہیں بنتا۔ سندھ کے دیہاتی بندوؤں کی جانب سے یہ بات بھی گئی اسلئے انہیں ہجرت
کا مشورہ دیا گیا۔ ہجرت کا مشورہ دینے والے بھی ہیں نا اگر فی الحقیقت ایسا ہی حال ہو تو ہر کے بندوں کے
حاکم کی خواہش تک۔ اس کی بھی امید نہیں رہ سکتی۔ ہجرت کے لیے دوسری جگہ ملے جاؤ اس حال
میں کوئی تین سو تھوڑی بات نہیں ہو۔ باقی رہا آپ کا بعدوں کے عالم حالات سے نا آشناؤں سے کسے
نہ ہو، وہ صحت حال تو ہر لمحہ کے سامنے ہے۔ والسلام علیکم۔ ابو الکلام

مکتہ

۵۱۷
۳۹

عزیزی

میں ادھر بہت ہی مجبور رہا اس وقت بھی مجبور ہوں۔ ایک خط سر دار پٹیل کے نام بھیج رہا ہوں۔ خط لیکر آپ چلے آئیں سے بیٹے۔ اگر کارڈ پلڈیشن میں کچھ ہو سکتا ہے تو صرف انہیں کی کوشش کریں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ پیش نظر ملک کے لئے آپ کا خیاب ہو سکیں۔ ہمیں معلوم وہاں کتنے امیدوار ہوں گے اور مقامی صورت حال کیا کیا کشمکش ہوں گی۔ یہ ہر حال کوشش کرنی چاہیے اور کوشش کا صحیح محل دلجو بھائی پٹیل ہیں۔

اگر انجمن ترقی اہلندہ والی بات بن گئی ہوتی تو آپ کے لئے سب سے بہتر صورت تھی۔ انہیں ہے کہ اس کی امید نہیں۔ اپنے حیدر آباد کے لئے نکھانھا۔ بلاشبہ وہاں صورتیں نکل سکتی ہیں جامعہ عثمانیہ کا میدان بھی کافی وسعت رکھتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا خط سر اکبر حیدری کے لئے کہاں تک موثر ہو گا؟ تاہم طیارہوں کے خط کچھ کر آپ کو بھیج دوں۔ میں نے آج تک کوئی سفارش نہیں کی۔ لیکن ہر موثر ہو لیکن اس کے لئے ضروری ہو گا کہ آپ خود حیدر آباد جائیں۔ بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ اس کے لئے طیارہ ہوں تو خط بھیج دیں۔

محمد علی کیلئے بھی اس وقت تک کچھ نہ ہو سکا۔ میں نے ڈاکٹر محمد کو بھیج رکھا تھا اور جب سکتا مجھے دیکھنے آئے تو جس درجہ زبردستی سکتا تھا اس میں کمی نہیں کی مشکل یہ ہے کہ وہ بھی بغیر کسی مناسب صورت حال کے کچھ نہیں کر سکتے۔ شوگر سنڈکیٹ کا معاملہ اس وقت چلا جاتا ہے اگر پرائس کے کنٹرول کا فیصلہ ہو جائے تو پھر ایک معقول جگہ بہ آسانی نکلی آئے گی ڈاکٹر محمد اس کے لئے کوشاں ہیں ان کا خیال ہے کہ شکر کی گرائی کی موجودہ صورت حال نے اس کا موثر پیداکر دیا۔

دستاویز صورت نکل آئے۔ دالہام علیکم
ابا کلام

دوسرا مجموعہ

(مولانا عبد الماجد دریا آبادی کائنات)

یہ مجموعہ انیس مکاتیب پر مشتمل ہے یہ سب مولانا عبد الماجد حیا آبادی کے نام لکھے گئے اور ۱۲۱۷ھ سے ۱۲۷۱ھ تک مختلف اوقات میں مرتب ہوئے۔ مولانا عبد الماجد نے انھیں مع تصحیحات ضروریہ "نیا دور" کے ایک نمبر میں شائع کروا دیا تھا۔ میرے نزدیک ان میں مزید توسیعات ضروری نہیں جن کے سلسلے میں خود مولانا عبد الماجد تصحیحات بھی پیش نظر میں بہر حال یہ مجموعہ مولانا موصوف اور نیا دور دونوں کے شکر ہے اور اعتراف کے ساتھ یہاں شامل کیا جاتا ہے۔

مولانا عبد الماجد نے جو تہذیبی عبادت تحریر فرمائی، وہ مولانا اور اس کا ابتدائی حقہ خصوصاً میرے لئے سراسر تعجب انگیز تھا۔ میں غصیت یا عدم غصیت دونوں میں غلو کو خلاف حق والفاظ سمجھتا ہوں اور خالص غیر جانبداری کے نقطہ نگاہ سے اس عبادت کے محرکات پر جتنا غور کیا، مولانا عبد الماجد کے مقام و مرتبہ بلند سے کتنی مناسب نظر آئی۔ تاہم ان امور پر بحث کا یہ صحیح محل نہیں اور اس پہلو کو نظر انداز ہی کر دینا مناسب معلوم ہوا



۱۰۶ میلادہ اشرفیہ کلکتہ

۱۲ اگست ۱۹۳۳ء

عسقلیٰ العزیزی

والا نامہ پہنچا۔ آج صبح مہلت ملی تو عین صبح کے وقت کذبین دماغ کے سکون اور حسیّت کا وقت ہوتا ہے، اول سے آخر تک پڑھا۔ یقین فرمائیے کہ اس مخلصانہ اظہار رائے و مشورہ کے لئے کمال تشکر اور ممنون ہوں۔

میں آج ہی تفصیلی طور پر اپنی معروضات بھی عرض کرتا، لیکن خود بیمار ہوں اور گھر میں شب سے سخت علالت، جو چار دن کی مہلت دیکھیے۔ اللہ عجرات یا جمعہ کن خط لکھوں گا۔

آپ کا تہہ مخنیو معلوم نہ تھا۔ مولانا شبلی بیہوش تھے ان سے پوچھا تھا اور خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا مولانا شبلی کی کجی "اہلال" کے لب و لہجہ کی نسبت دہی ماٹے سے چوڑی کی جی بڑا اہلکام لہ ظاہر ہے کہ یہ لکھنے کے غفلت "اہلال" کی شیعہ و متہا پس کامیال تھا جیسا کہ خود مولانا عبد اللہ نے اس کتاب کی توضیح کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ قابل ذکر امر ہے کہ "اہلال" ۱۰ جولائی ۱۳۵۲ء کو نکلا اس میں بنفستانی مسلمانوں کی سیاست پر سب سے پہلے ۱۲ اگست ۱۳۵۲ء کے پرچہ میں بحث ہوئی۔ غالباً وہ پرچہ دیکھتے ہی مولانا عبد اللہ نے خط لکھ دیا، جس کے جواب میں یہ مکتوب راقم ہوا۔ مولانا نے کچھ دیر بعد "اہلال" میں ایک ضمیمہ چھاپ دیا تھا جس میں "اہلال" کی پالیسی کے متعلق خود اندکان لکھا سے دانے پر چھٹی تھی۔ چنانچہ متعدد اصحاب کی کتابیں "اہلال" میں چھپتی رہیں۔ ۱۸ دسمبر ۱۳۵۲ء کے "اہلال" میں ایک نہایت دلچسپ نظم بھی بہ عنوان "جزر و مد" اس شخص پر شائع ہوئی تھی اس کا آخری شعر یہ تھا:

فیصلہ کرنے کو پہلے میں نہ دیکھ تو ان جزر و مد جیسا تھا، اسی نہ کا مد ہے کہ نہیں۔ نظم کتابت کے ساتھ ہی خوش خدمت کو اس میں کو قیام ہو گیا تھا کہ یہ مولانا شبلی کی کجی ادب اب تیرے لئے اور کلمات نظم میں شامل ہے مولانا نے عجرات یا جمعہ کن جو خط لکھے کا وہ کیا تھا، وہ غالباً نکاحی خط تھا۔

۱۰۰ میکلاڈ اسٹریٹ کلکتہ

۶ دسمبر ۱۹۱۳ء

صدیقی العزیز

محنت نلام میں کھنڈ کا جواب وقت پر نہ دے سکا اور خواستگاری معافی ۔
 امید ہے کہ آپ پر محنت عافیت ہوں گے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے
 ایم۔ اے میں فلسفہ لیا ہے۔ نیز تحصیل زبان جرمن
 مولوی عبدالقادر صاحب خط کا جواب نہیں دیتے۔ ہر قسم میں نے خطوط لکھے اور
 عربی تک انتظار کیا۔ میرا سلام پہنچا دیجئے۔

السلام

کلکتہ

۲۶ مئی ۱۹۱۳ء

دیر آمدی اے نگار سرمست

نہوت نہ دہیم دامن از دست

صدیقی الاعز

عطیہ گرائی کاشکہ یہ حسب الارشاد و درنبروں میں شائع ہو جائے گا۔
 لعل سے دو مولانا عبدالحق اور بھگت پوری ہیں، جیسا کہ مولانا عبدالمجید نے تصریح فرمائی ہے نیز بتایا کہ وہ
 احمدی مسلک کے تھے اور مولانا ان کے علم و نظر کے حارح تھے۔
 مکہ پیغمبر فلسفہ جنہات، کالیک باب تھا جو عنوان "خط و کرب" پہلی کی حالت میں ۱۹۰۷ء میں اور
 ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا تھا۔ مولانا نے مضمون کے خاتمے پر تحریر فرمایا تھا۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

کیا آپ اس کو پسند فرمائیں گے؟ البصائر: کیلئے پھر ایک ماحولیات پر سیاسی خالص علمی دینی چھپ چکا، جو جولائی سے شائع ہو جائے گا کوئی مضمون مخصوص اوقاف فرمائیں؟ کسی اہم علمی موضوع پر ہوا اور ترجمہ یا بطور خود۔

ایک مستقل کتاب کے ذریعہ ترتیب ہونے کی ضرورت رکھ کر خوشی ہوئی۔
 البصائر کے لئے مضمون ۱۵ رجون تک ضرور مل جانا چاہیے۔ پہلا نمبر دے

بغیہ صفحہ سابقہ

مشرع عبدالاحید ان معہ نے چند تعلیم یافتہ ارباب علم میں سے ہیں، جن کا تعینف تا یف
 اور تمام کا حق؟۔ ان ارباب کی اشاعت سے ان کا مقصد یہ کہ طرز تقریر اور اسلوب
 بیان کے متعلق اگر ارباب علم مشہور ہوں تو قبل از اشاعت کتاب اس کو ناخوشاں
 محسوس کریں، شک و گمان اس طرح کے مضامین کو غصے سے پڑھتے اور اسے دیکھ کر
 گولہ کریں گے

آخر میں اپنی طرف سے یہ مشہور کیا تھا خط و کرب کی جگہ لذت والہ کے الفاظ زیادہ ہون
 اور صمیمیت اس لئے کہ خط کے معنی لذت کے نہیں البتہ ادو ادشا پیدا کسی میں لذت کیلئے ہوتے ہیں، لیکن
 باعتبار لذت غلط ہے، نیز کرب، صرحت حزن کے معنی ہیں آتہا اندالم میں اس سے زیادہ ہست تعجب ہے۔
 غرض اس تحریر میں کوئی چیز کسی خط نگار سے قابل اعتراض نہ تھی مگر کچھ میں نہ آیا اور نہ اعلیٰ اور
 نے کس بنا پر فرمایا کہ

”الہلال“ نے اسے چھاپا تو، لیکن بعض مصطلحات پر ایک تنقیدی نوٹ دیکر، جس کا لہجہ مولانا کے
 مکتوب کے محبت آمیز لہجے سے بالکل مختلف تھا۔

۲۵۔ جن سالہ کا الہلال، مسجد ہے اور مولانا کی عبادت کا بیشتر حصہ اوپر دیا گیا چکا ہے
 کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ اس کا لہجہ زیادہ محبت آمیز نہ تھا۔

قرب ہے معرفت ایسی ابواب باقی ہیں

فصل حکم الہی
الہام

(۴)

کلتہ

۲۲ ستمبر ۱۹۱۳ء

صدر لقیہ العزیز

اپکا مضمون پسینا لیکن آپ نے کسی قدر جلدی کی۔ میری تحریر ناتمام ہے۔ میں
۱۰ مئی ۱۹۱۳ء کو ملازمی کے چیسریں شائع کرنے کے خواہاں تھے مثلاً :

۱۔ ایک ماہِ جادوئی سالہم کا مضمون پہلے ایمان کے نام سے ہوا تھا۔ اسے معرفت فیروزہ نام
معارفِ حق کے لئے مخصوص رکھنا چاہتے تھے۔ پھر یہ قرار پایا کہ یہ رسالہ دینی و علمی ہونا چاہیے اور اس کا
نام ابصار ہو۔ بخیر ہمارے زیرِ فورہ مکتوب میں کسی کا ذکر ہے پھر ایمان میں استہوار بھی ہے دیا گیا
تھا کہ ابصار بمثل سالہم (ستمبر ۱۹۱۳ء) سے شائع ہونے لگے گا۔ بلکہ اس کا ایک عربی
ایڈیشن بھی شائع کرنے کا ارادہ تھا لیکن ابصار نے ارادہ شائع ہوا اور نہ عربی۔

دب : اینچ میں مددۃ الہلال منقذۃ الہلال سے الگ جلدی کر دینا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ پھر چند روز
تک مددۃ الہلال ایک حق کی شکل میں چھپا بھی رہا جس میں غریبی جوتی تھیں اور میرے علم کی حد تک یکلختہ
سے باہر نہ گئی مگر اس سلسلے میں بھی قدم لگے نہ ڈھایا جا سکا۔ اس لئے کہ جن فیوض کی فرصت تھی وہ چھلنا
کو میرے لئے اور معرفت منقذۃ الہلال کسی نہ کسی طرح شائع ہوا رہا۔ بیان تک کہ ذمیرہ سالہم میں مددۃ
کی ضمانت منبسط ہونے کے باعث بند ہو گیا۔ اس لئے کہ آگے میں ہزار کی ضمانت دینے پر مجبور ہوا۔ نہ تھا اور
مجھے تین ہزار روپے ضبط ہو جاتی۔

اُسے کہیں اہلال میں شائع کر دیں گا مگر اپنی بقیہ تحریر کے ساتھ یا بعد
آپ کے غصے نے بڑا الطف جا۔

۱۔ اب یہاں تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ فرمائیے مولانا عبدالمجید نے جو تحریر سبکی ۱۰۰۰ جولائی ۱۹۱۲ء
کے اہلال میں چھپی اس میں غصہ اندہ غصہ کی کوئی بات نہ تھی۔ مگر بعد ازاں ملحقہ ملی تھا۔ تحریر کا مفہوم یہ تھا کہ
خطا جس انگریزی لفظ کے لئے استعمال ہوا ہے اس کا تبادلی مفہوم محاسن ظہری کو آسان سمجھانا ہے اسی طرح
مگر یہ جس لفظ کیلئے استعمال ہوا اس کا مفہوم احسان حیاتی میں ناگوار کیفیت ہے جب یہ الفاظ وضع ہی
مادی و حسی کیفیات کیلئے ہوئے تھے مگر بعد ازاں ان کا اطلاق وسیع تر ہو گیا تو ان کی جگہ لذت دالم ملا کہ کمال عقل
کیا جائے جس میں بہ نسبت حسی کے نفسی انبساط و انبساط کا مفہوم زیادہ پایا جاتا ہے؛ ساتھ ہی یہ فرمایا تھا
کہ جب خطا بعد کتب لذت مشا فرنگ آصفیادراستار میں بہ معنی خوشی و انبساط مستعمل ہے تو کم از کم
میری رائے سے اس میں یہ سوال کسی قدر غیر متعلق ہے کہ عربی لغت میں خطا کے معنی مرث و غصہ کے ہیں۔

مولانا نے اس کے جواب میں جو تحریر لاگت ۱۹۱۲ء کے اہلال میں شائع فرمائی اس کا مفہوم یہ تھا
۱۔ لذت دالم، ٹھیکہ ہی مفہوم ادا کرتے ہیں، جو انگریزی کے الفاظ پشور اور پین ادا کرتے ہیں
ب۔ نادہ میں بھی قیفا خط بہ معنی لذت و مسرت استعمال نہیں ہوتا، مثلاً غالب :

دگر زلفی راہ و قرب کہ چہ خط ظاہر ہے

ج۔ کہہ دینا، جس نفیات کہ کتاب کچھ ہے میں، تنہا نہ ہر شے، کیا فریاد و غم نہیں کچھ ہے مطلب
یکہ ملی اصطلاحات میں زبان کو آئی ہے، ان کے بارے میں تحقیق اسی زبان کی بنا پر ہونی چاہئے۔ مولانا
نے صاف لکھا تھا کہ وہ چیزیں ہیں اور دونوں بالکل مختلف حکم و حالت رکھتی ہیں۔ ایک مسئلہ عام
ہو پرانہ زبان الفاظ کے استعمال اصرار کے معانی کے قرار دینے کا کر، دوسرا علمی اصطلاحات کا۔
دوسری صورت میں اب تک اندہ عربی کے تابع ہے اندہ عربی الفاظ کہ عربی کے متعارف معانی میں
استعمال کرنا پڑے گا۔

(باقی لکھے صفحہ پر)

کھنڈ میں مولوی ظفر حسن صاحب کے متعلق آپ نے گفتگو کر لی تھی اور یہ بات قرار پاگئی تھی کہ وہ کچھ دنوں کے لئے آکر یہاں ٹھہریں، لیکن پچھلے دنوں ان کا ایک خط مراد آباد سے آیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اس قرار داد کی کچھ خبر نہیں۔ اب غالباً وہ کھنڈ میں ہو چکے جو گفتگو آپ سے ہوئی تھی، وہ ان سے فرما دیجئے۔ اب تک اس کا پورا موقع باقی ہے کہ وہ تشریف لائیں۔

ہاں یہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل مسلم لیڈ کا ایئر مشرکون ہے؟ الواکھام
(بقیہ منقول سابقہ) مولانا عبدالماجد نے پھر ایک مراسلہ بھیجا جس میں خط ”معنی لذت“ کیلئے غیاث اللہ کے علاوہ مستشرقین یعنی پلیر و ملکن ٹیلیس گاس کی کتاب کے حوالے دیے۔ یہ ”راگت“ کے اہل انجیل ہیں۔ نیز اس سلسلے میں مولانا اکبر آبادی اور مولانا خاندانہ، جون پوری کی تحریرات شائع ہوئیں۔ پہلا مقدمہ، ارسنیکہ، نیز میں اور دوسرا ایکم اکثرہ کے نمبر میں۔ پہلا مقدمہ نکلنے کے بعد ہی مولانا عبدالماجد نے وہ خط بھیج دیا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ کے غمخوار نے پھر لطف دیا۔

یہ مراسلہ ۲۲ راکتہ پر کے اہل انجیل میں منجم اب شائع ہوا۔ مولانا عبدالماجد کا یہ مراسلہ اتنی فہمے کی حالت میں لکھا گیا تھا، عام مطلب تحریر انہوں نے جانے کے علاوہ اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ مولانا نے اپنی خلیفانہ صلاحیتوں سے ایک بہت بڑی جماعت کو عرب و مسجد کو رکھا ہے، مگر آپ کے خالص کمال علمی کا ثبوت اب تک باوجود سنی و تاشی نہیں، نیز مذہب اور سیاست و ملت سے آپ کی تینہ خطابیات کے ذمہ خود وہ ہور ہے ہیں اب ہر بانی فکر علمی مسائل گوجان پر تو دھر ڈالئے۔

مولانا نے اس کے جواب میں بھی حقائق و ثباتیت قائم رکھی اور کئی غیر مناسب باتیں کہی۔ کہا تو یہ کہ جو گنچا ہیس سالہ سے علمی و فرائض کا مرکز بنے کہے ہیں وہ اگر علمی کلمات کا ثبوت دینے میں مقصود ہو تو ان کے لئے انہوں نے کہ ہے مولانا عبدالماجد کے اس میں کئی جہتیں ملتی ہیں۔ اجتماع میں مذکور کیا، تاہم مولانا کی روش میں فرقہ پرستانہ فکر میں خاں و بدر میں خاں یا مولانا عبدالماجد کے کلام کو لکھنے پر شدید کالج میں پھیل چکا۔ مولانا انھیں اہل انجیل میں لے کر آئے تھے کہ مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی۔

مکتبہ

۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء

صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا خط پہنچا۔ یہ تو میں نے پیشتر ہی آپ کو لکھ دیا تھا اور اجازت طلب کی تھی کہ
مضمون کی اشاعت میں تاخیر ہوگی لکھا تھا کہ میں اپنی تحریر کے اختتام کے بعد جو نمبر دار
چھپ رہی ہے، اسے صاف کر دوں گا۔ چنانچہ اس کی نسبت آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔
ادھر میں امدد معاملات میں اس طرح مصروف رہا کہ نتیجہ مضمون کے لکھے کام صرف ہی نہیں ملا
پانچ پر ملا گیا تھا وہاں سے واپس ہوا اور بجایا رہوں۔ پس آپ کی تحریر آئندہ اشاعت
میں شائع ہوگی مع میرے مضمون کے تیسرے امداد آخری نمبر کے۔ رہا یہ کہ آپ اس کو دوسرے
نمبرات میں شائع فرمائیں گے، تو شاید میں نے اب تک کوئی کوشش اس طرح کی نہیں کی
ہے کہ لوگ اپنے مضامین ابوالہل کے سوا دیگر رسائل میں شائع نہ کریں۔ یہ آچکے جس طرح
اس وقت تک تھا جب آپ نے وہ تحریر بھیجی تھی، اب بھی ممکن ہے امداد آئندہ بھی ممکن رہے گا۔
آپ جس اخبار میں شائع کرنا چاہیں شائع فرمادیں، مجھے تو کوئی غور نہیں البتہ بہت
علم اشاعت سے ملنے سے جو کہ بعد والے چھ کو ابوالہل میں صریح ہو سکے گی اور بہت
اشاعت اس کا تذکرہ بہت اخبار شائع کنندہ۔

آپ کے معلوم نہیں مراسلات وغیرہ ابوالہل میں ہمیشہ تاخیر سے شائع ہوتے ہیں کئی

۱۔ یہ اسی تحریر کی طرف اشارہ ہے، جس کے سلسلے میں مکتوب لکھا گیا۔ اس کی اشاعت میں تاخیر
جو فی اللہ ظاہر ملنا عبد اللہ بن عباس کی اشاعت کا مطالبہ کیا نیز لکھا کہ اگر آپ نہیں چھپائیں گے تو
دوسرے اخبار میں بھیج دی جائے گی تاہم کوئی سرے اخبار میں

مضمون ایک ایک ماہ کے بعد نکلتے ہیں۔ یہ قطعی ہو یا سہو قصہ لیکن ایک عام بات ہے ۔
 مسلم گزشتہ تو بالآخر خبری ہو گیا، لیکن افسوس ہے کہ بے موقع اور بہت بری طرح۔
 مولوی ظفر حسن صاحب کا خط آیا۔ انھوں نے اپنی موجودہ حالت جو میان کی ہے مجھے بتائی
 ہے۔ خدا انھیں کامیاب فرمائے۔ ایسی صحت میں تو واقعی ان کا تشریف لانا مشکل معلوم
 ہوتا ہے۔

ابلاکلام

(۶)

راچی (ہیار)

۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء

صدر قلمی العزیز۔ السلام علیکم

یاد فرمائی کہ لے رہے ہوں دشکر گزار اور تاخیر کے لئے درخواست کار معافی ہوں۔ امید
 صحت مقبول ہوگی۔ غماضہ اپنی درستی اگر وہ وہیں آگئی تو بلاشبہ موجودہ زمانے میں بہت تن
 کا سب سے بڑا علمی کام ہوگا۔ البتہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے اشخاص کی کمی ہے اور فرد ہے
 کچھ عرصہ تک طلبہ نتائج پیدا ہوں لیکن ابتدا میں تو کوئی کام بھی بہ انتظار و تدبیر متوقع
 نتائج پیدا نہیں کیا۔ کام صحیح اور مفید ہونا چاہیے۔ تقاضے رفتہ رفتہ درج ہو جائیں گے۔
 ہم بے حدود انتظامات بہ ہر حال بہتر ہے اور اشخاص کے خدوان کا بھی علاج یہی ہے کہ کام
 ہر آپ لکھا ہے کہ سر دست صرف مولوی صاحب کی فلسفہ منطق کی کتابوں کو کچھ پڑھا کر
 اور اس لئے طبیعت گنتی نہیں، لیکن یہ تو ناگزیر ہے اور ترتیب مبادیات و ماحول ہر کام کی
 منتہیوں ہی کو کرنا پڑے گا۔ مبتدیوں کے لئے جھوٹا نہیں جاسکتا اگر آپ کچھ قیام تعلق

میتھ

ملہ مولانا عبدالجبار فرماتے ہیں کہ ان کے مالک انتظام ہو گیا تھا اور وہ خانگی پریشانیوں میں

سے عثمانیہ یونیورسٹی نے اتنا ہی فائدہ حاصل کیا کہ برنی میں مباویات کا سلسلہ مکمل ہو گیا تو کیا یہ کوئی چھوٹا کام ہے؟

آپ نے فلسفہ کے ساتھ منطق کا بھی ذکر کیا ہے منطق میں مولوی ذہیر احمد مرحوم کا مطالعہ مبادی اٹھتے ہر لحاظ سے بہت عمدہ ہے در بیان اور رسائل میں اس درجہ کا ہے کہ ہمارے قدیم عربی نصاب کے ابتدائی رسائل میں اس خوبی وغیرہ سے کہ قطعی کمالات قائم مقام ہو سکتا ہے اور حسن بیان و تفسیر و تربیت و اشک کے لحاظ سے بدجہاں پر خالق۔ انگریزی کا حال مجھے معلوم نہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس کے بعد کا صرف ایک رسالہ مرہ دست اور مرتب کیا جائے۔ مجوزہ یونیورسٹی میں ہمارے عربی مدارس کی طرح منطق ابتدائی میں نہیں رکھی جائے گی بلکہ جدید نظام تعلیم کے مطابق، ابتدائی نین کے گزر جانے کے بعد اور اس وقت کے لیے بادی اٹھتے

۱۔ مولانا کو اپریل ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے اخراج کا حکم ہوا۔ بعض دوسری صوبائی حکومتیں پھیلنے کا داخلہ کر چکی تھیں۔ مرن حکومت ہمدانی کی جانب سے ایسا کوئی حکم مانعہ صادر نہ ہوا تھا۔ چنانچہ مولانا رانی چلے گئے وہیں کچھ دیر بعد انہیں نظر بند کر دیا گیا۔ یہ مکتوب اسی زمانے میں لکھا گیا جب مولانا رانی میں نظر بند تھے جیسا کہ خود مکتوب میں فرمایا گیا۔ مولانا عبد الماجد پورسلہ تالیف و ترجمہ حیدر آباد پینج چکے تھے جہاں جامعہ عثمانیہ کی تیاری کے سلسلے میں مختلف علوم کی معیار اردو کتابیں زیر تربیت تھیں۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں۔

۲۔ ۱۹۱۳ء میں جو تاریخ و تنہم مباحثہ "اہل لال کے صفحات میں بعض اصطلاحات

کے پیچھے جو پڑا تھا" اب مکتوب اللہ کو اس پر مدامت و تاسف تھا اور اپنے خط میں یہاں اسے معذرت کی تھی۔

ضمناً اپنے متاثر کا بھی ذکر کر دیا۔ چنانچہ مولانا نے اسے متاثر کے سلسلے میں اپنے خیالات قدوسہ تفصیل سے بیان فرمائے۔

بہت اچھی کتاب ہے۔

لیکن یہ صرف مقدمات و مسائل تک بے مباحث کیلئے اس کے جوہر کی دو نثری کتاب
تیار کرنی چاہئے۔ متعدد و چھوٹے چھوٹے رسائل مفید ہوں گے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ”میں چار سال اور شاید بعض غلط فہمیوں کی بنا پر دلوں کی
صغائی میں رنگ آگیا تھا۔“ آپ نے دل کے لئے جنت کا حصعہ استعمال کیا ہے۔ حالانکہ ہونا چاہئے مغو
میں آپ کو پوری سچائی کے ساتھ قہیں دلاتا ہوں کہ میرے حافظہ میں کوئی گذشتہ زمانہ ایسا
موجود نہیں ہے، جس میں آپ کی جانب سے میرا قلب رنگ آلود رہا ہو۔ دنیا میں باہمی علاقہ کے
تکدر کے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں۔ میں باطل نہیں جانتا کہ اس قسم کا کون سبب پیدا ہو گیا
تھا؟ کیا اس پورے زمانہ میں آپ نے کوئی بات میری جانب سے دیکھی یا سنی؟

میں نے تو جب کبھی کوئی بات مولانا شبلی مرحوم یا بعض دیگر حضرات سے نقلی سنی تو
خدا شاہد ہے کہ اس کا کوئی اثر اپنے قلب میں حسب عادت محسوس نہ کیا بلکہ اس کو کسی ایسے
سبب پر مبنی خیال کیا جو معلوم نہیں۔ اس طرف سے جناب بالکل مطمئن رہیں۔ میں آپ کے
جواب و احوال کا حکماً یقین کرتا ہوں اور جو باعث نیاز مندی ہو سکتے ہیں، جب تک ان میں
تغیر نہ آئے میری نیاز مندی متغیر نہیں ہو سکتی۔ ایسے تو الحمد للہ مجھ کو کوئی وجہ شکایت نہیں
لیکن اگر ہوتی بھی تو انشاء اللہ آپ مجھ کو کبھی شک کی نہ پاتے۔

زین عشق بہ کو نبی صلح کل کر دیم
تو ختم ہاش و زاد دوستی تماشا کن

آپ کی توجہ فرمائی بالکل غلطانہ ادبے لاگ ہے۔ موجودہ حالات میں کہ نظر بند
معتوب حکومت ہوں، آپ کے لئے کوئی وجہ ماسلت نہیں ہو سکتی تھی الا یہ کہ غلطانہ صے
غرضانہ لفظ و نوازش و متعذر مطلق جلیغ۔ اس بات کو محسوس کرتا ہوں اور بخوشی و شکر ہوں

لہ مولانا کے غلط مذاق کی سببوں و دستاویزیں موجود ہیں، انیسویں ایک دستاویزیں بھی ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ نے جناب مولانا حمید الدین کا ذکر خیر فرمایا ملاقات ہو تو اس دور افتادہ کا سلام شوق عرض کر دیں۔

معارف آتا ہے۔ نہایت شوق و دل چسپی سے مکالمات ہر کلمے کا سلسلہ پڑھ رہا ہوں اور آپ کے حسن بیان و قوت نقل و علم و سہیل مطالب کی تعریف میں کر سکتا۔ آپ انشاء اللہ دیکھیں وہ کام کریں گے جو اب تک کسی نے نہیں کیا تھا۔ سر سید رحمہ کے مجھے نے اردو کی عظیم شان حدیثیں انہم دیں، لیکن اس میں اب تک کچھ نہیں ہوا حکیم عبادی صاحب تصورات کتبہ بھی اس باب میں اتنی ہی مدد کے مستحق ہیں جس قدر کہ آپ۔

نقیر ابوالکلام

اقتیہ مفسر بقہ، ملاحظہ فرمائیے، مولانا حمید الدین نے غلطی کے جوش میں کیا کچھ لکھ دیا تھا، پھر خدا نے مکتوب میں مولانا شاہ کو روایہ کو رد و ثانی مرحوم یا بعض دوسرے اصحاب سے نفقہ بعض باتیں ان کی پستی رہیں بایں جہ فرماتے ہیں۔

۱۔ آپ کے جن اوصاف کا حال یقین ہے، جب تک وہ متغیر نہ ہوں، نیاز و منی متغیر نہیں ہو سکتی۔

ب۔ کوئی شکایت نہیں، اگر جی تو آپ مجھے شاکہ نہ پاتے۔

۳۔ مولانا حمید الدین مرحوم فرمائی اس زمانے میں دارالعلوم کالج حیدرآباد کے پرنسپل تھے۔

۴۔ انھوں نے کے شہید غفری شہباز کے مکالمات کو مولانا حمید الدین نے اردو کا لباس پہنایا تھا

۵۔ اور پھر دوسرے صحاف کے غالباً پانچ نمبروں (نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵) میں شائع ہوا تھا۔ پھر

کتابی شکل میں چھپ گیا۔

۶۔ مولانا حمید الدین مرحوم، جن کا مضمون "تصورات کتبہ" پر صحاف کے دو نمبروں میں چھپا

۷۔ اپریل ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے کتبہ کے شہور کتاب کا ترجمہ تباہی علم انسانی

کتاب سے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب بھی اسی زمانے میں چھپ گئی۔

(۷)

راچی (ہزار)

۱۶ مارچ ۱۹۱۹ء

صدقہ العزیز سلام علیکم
کل خط بھیج چکا ہوں لیکن ایک غلطی ہو گئی جو آپ کو حیران کر دے گی۔ کل ایک خط
میں نے ایک آجر کتب کے نام میں لکھا اور اس کو ذہنیت کی قیمت پانچ آنے یعنی پتی ۔
غلطی سے پانچ آنے کے ٹکٹ آپ کے خط میں رکھ دیئے تھے اور اس کا خط یہیں پڑا رہا
آپ حیران ہوں گے کہ یہ ٹکٹ کیوں بھیجے گئے۔

فقیر ابو الکلام آزاد

(۸)

راچی (ہزار)

۲۷ جنوری ۱۹۱۹ء

صدقہ العزیز سلام علیکم دررحمۃ اللہ برکاتہ
یاد فرمائی کا شکریہ۔ یہ آپ نے خوب کیا کہ حیدر آباد سے کئی رکش ہو گئے۔ اول تو طبی
زندگی لازمت کے ساتھ مجھ نہیں سکتی۔ پھر ملازمت بھی ویسی دیا ستو کی اور ریاست بھی حیدر آباد
جیسی سازش کردہ۔ عثمانیہ نیز یورپی کا دنیا نیا فائدہ ہے چند دنوں کے بعد دیکھیں گے گا کہ نتیجہ
نکلے گا۔ آپ نے اپنی ایک تعریف کا ذکر کیا تھا، غالباً اس سے خارج ہو چکے ہوں گے۔
یہ تکلیف کا معاملہ بہت ہی دل چسپ تھا۔ مجھ کا میدان تھا کہ آپ مستعد و جلیل القادری ثابت

لے مرینا عبد المجید باجی کے ساتھ ہو کر کھنڈو آئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بڑے گورنر دو تین اعزیزوں کی انتہائی
ظہور داریوں کے باوجود دل حیدر آباد کے شاہی محل میں بالکل نہ لگ سکا۔ دل پر شادی کا ایک سبب یہ بھی
باقی آئے صنف پر

بوجہ انہیں گے اگرچہ "کفر" کا مقام اس سے ارفع ہے۔ کافر تو اتنی شدت پر مسلمان شہداء
 امید ہے کہ آئندہ آپ اس طرح کے حالات سے آزاد و کنارہ کش رہیں گے اور اللہ
 و خود غمناک اپنے اشغال میں منہمک و مستغرق۔ اگر ایسی زندگی میسر آئے تو اس سے بہتر و
 کامیاب زندگی کوئی نہیں۔

ابوالکلام

— (۹) —

راغی (بہار)

۲۶۔ نومبر ۱۹۱۹ء

مدت کے بعد آپ کا خط آیا، خوش وقت فرمایا: تذکرہ: کوئی ایسی چیز تھی
 جو خصوصیت کے ساتھ شائع کی جاتی۔ ایک صاحب نے بطور حمد شائع کر دیا، بدحوہ
 اس کی اشاعت میرے لئے خوش آئند نہ ہوئی ہے

(بقیہ سوانح) جو کہ مولانا کی کتاب "فلسفہ اجتماع" پر اعتراضات ہوئے۔ مولانا خود فرماتے ہیں کہ،
 اس میں مذہب پر جانچا گیا تھا (اور "الہلال" پر بھی جانچا گیا تھا) حیدر آباد میں
 اس پر ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ مکتوب الیہ واقعہ اس وقت "حقیت" اور "الحاد"
 میں مبتلا تھا۔ از سر نو مسلمان اس کے یکسو و موافق ہو جا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بزرگ نے فلسفہ اجتماع کی مختلف عبارتیں پیش نظر کر کے فریب و غریب
 کے محل سے مولانا حیدر المجد کے فتنے اور حال کی روڈ کفر لگا دیئے گئے تھے۔

لے "ترکہ" مولانا کو لائے اور رضی کے خلاف فضل الدین احمد زار حرم نے شائع کر دیا تھا مولانا
 پر اچھا پنا چاہتے تھے۔ فضل الدین احمد نے مختلف اجزاء روک لئے اور مولانا کے بیان کو دوسرا بدل دیا
 مسودہ بھی انہیں کے پاس تھا۔ مولانا کی روایت سے پیشتر فضل الدین احمد پنجاب گئے تھے پھر ان کا
 انتقال ہو گیا تھا۔ مسودہ تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔

”حقیقت کے کئی نمبر اچکے ہیں۔ آپ کے خط کے بعد خصوصیت سے میں نے دیکھا
 بلاتال کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت یہ سب سے اچھا اور گلی اردو اخبار ہے۔ اگر استقلال
 کے ساتھ جاری رہا اور مذاق عوام کی پیروی نہ کی گئی تو یہ ایک بڑی خدمت پسندی کہے گا یہ
 آپ نے لکھا ہے کہ نعل کا زمانہ کیوں نہ تہذیبی اصطلاحات کی سہمی میں بسر کیا
 جائے؟ لیکن زمانہ نعل کی قید کیوں یہ کام تو ایسا ہے کہ بڑی بڑی طاقت و سکارکس نہ گریوں
 کو وقف ہو جانا چاہئے۔ جس چیز کو لوگ سیاسی اصلاح و ترقی کہتے ہیں وہ بھی اصل تہذیبی
 اصلاحات و ترقیات کی ایک خاص مجموعہ حالت ہی سے عبارت ہے۔ سیاست معطلہ کا اس
 سے باہر کوئی وجود ہی نہیں اور جس قدر بھی جماعتی مطلوبات ہیں بغیر ہستی علمی و عمل افراد
 و حصول حقوق خواہش و معنیت کسی نہیں بلکہ

بہر حال ایسا ضرور ہونا چاہئے، لیکن آپ نے جس مسئلہ کی نسبت لکھا ہے وہ صرف
 پنجاب و سیٹی کی بعض اقوام سے تعلق رکھتا ہے یعنی مسئلہ تواریث میں دواج اور ہندوؤں پر عمل
 کرتے ہیں اس کے علاوہ بھی کچھ مسائل پیش نظر ہوں تو تحریر و قلم میں حقیقت کیلئے ضرور کھونٹا۔
 مولانا سید سلیمان صاحب و دبار لطف فرما چکے ہیں۔ انجمن کے جلسے کے موقع پر بھی
 تشریف لائے تھے آپ کی ملاقات کی یاد آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیاں گزر گئیں۔
 ابوالکلام

”حقیقت“ اخبار ہفتہ وار بخانہ شروع ہوا تھا۔ مولانا عبد الماجد اس کے نگران تھے مولانا خضر الملک
 عوی مرحوم بھی شریک تھے پھر اخبار انیس احمد صاحب عباسی کے حوالہ ہو گیا اور انھوں نے اسے روزانہ کر دیا۔
 کہ اس سے اصلاحات کے تعلق مولانا کے نقطہ نگاہ کی بنیادی حیثیت واضح ہو سکتی ہے یہ فقرہ کہ خطیب ہی کہ
 جس چیز کو لوگ سیاسی اصلاح و ترقی کہتے ہیں وہ بھی اصل تہذیبی اصطلاحات و
 ترقیات کی ایک خاص مجموعہ حالت ہی سے عبارت ہے سیاست معطلہ کا اس سے باہر کوئی وجود نہیں۔
 کہ مطلب یہ سید سلیمان ندوی وہ مرتبہ راقی اگر ملاقات کر چکے ہیں

راہی رہاں

۳۲ جنوری ۱۹۲۲ء

صدیق المنیر

مسلہ تو ریٹ میں یوپی کے مسلمانوں کا حال معلوم نہ تھا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا۔
 جس مقاصد کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے، وہ اور اسی طرح کے بے شمار مفاسد ہیں، جن کی
 اصلاح مقدم ترین امور میں سے ہے لیکن اس کے بارے میں سب سے پہلا سوال طریق اصلاح
 کا ہے کسی جماعت کے رسوم و عوائد اور صدیوں کی موقوفات میں تبدیلی پیدا کرنا ایک
 ایسا کام ہے۔ جو صرف بحث و نظر سے کامیاب نہیں ہو سکتا یعنی محض دلائل و معلومات کی
 اشاعت اس کے لئے سودمند نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک لائق احساس و اعتراف مفاسد اور معلومات
 مانعہ کا ہے بہت کم تعلیم یافتہ آدمی ایسے نکلیں گے جو ان سے بے خبر ہوں یا ضرورت اصلاح
 سے اختلاف رکھتے ہوں۔ تاہم یہ طاقت کسی میں نہیں ہے کہ علما اپنے اندر تبدیلی پیدا کر کے
 اور داعیات و بواعث مفاسد کا عزم و ہمت سے مقابلہ کر کے۔ آپ جانتے ہیں کہ تمام
 فضائل علیہ کا یہی حال ہے جو بحث و نظر سے پر حلقہ نہ بھی طے ہو جائے، نہ ہو سکے۔ مفاسد
 معاشرت میں بڑا حصہ ایسے رسوم و اعمال کا ہے جو شرعاً بھی داخل شدہ معاصی و فسق میں
 اس لئے کم سے کم ان کے لئے تو علماء مشائخ کو ضرور سعی کرنی چاہئے، مگر جو حال علماء کا
 ہے، آپ کو معلوم ہے۔ علماء غیر علماء سے نفس معلومات میں متاثر ہیں، علم میں نہیں مفاسد
 کے دوائی و ترغیبات جس طرح عوام کے لئے قہر و تسلط رکھتی ہیں، ان کے لئے بھی یہی لئے
 باوجود علم وہ خود بھی مبتلا نظر آتے ہیں۔

مسئلہ اس حقیقت سے کہ انکار کر سکتا ہے کہ قوم و جماعت کے رسوم و عوائد صدیوں کی موقوفات ہیں، موقوفات
 و نظریہ تبدیلی پیدا نہیں کیا جاسکتی اور اس بارے میں محض دلائل و معلومات کی اشاعت سودمند نہیں ہو سکتی۔ دلائل
 و معلومات کے کوئی بھی بے اثر نہیں، لیکن عمل کا فائدہ بالکل خالی ہے۔

ضرورت اس کے لئے: دیالوں کی ہے، ایک توسعی اصلاح کے ساتھ ساتھ دفع
وانسداد و دوائی ترقیات کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔ جب تک ان محکقات کا دفع نہ ہوگا،
جو مفاسد کے لئے باعث ہیں، جو ترک و منع کی دعوت سود مند نہیں ہو سکتی، آپ لوگوں کو
کہتے ہیں، مگر دو غبار سے بچاؤ و ترک پر چھڑکاؤ کا انتظام نہیں کر سکتے، ثانیاً ایک ایسی جماعت
کا وجود اور منظر عام پر آجانا جو علما و اصلاح کا نمونہ ہو اور اصلاح کا وجود خاص میں ہم مثل
دیکھ دے۔ چند مازم انسانوں کا فعل نفوذ اخبارات کے سیکڑوں آرٹیکلوں سے زیادہ اثر
رکھتا ہے۔ اگر ایک چھوٹی سی جماعت بھی اصلاح و تغیر کے چند ممتاز حضرات کے ساتھ قائم ہو
جائے تو چند سالوں کے اندر تمام قوم کی حالت بدل جائے، علی الخصوص انگریزی تعلیم یافتہ
جماعت جس میں احساس حال اور طلب اصلاح کی استعداد سب سے زیادہ موجود ہے۔

آپ تصنیف و تالیف میں علم اور سعی و عمل میں اصلاح خواہش کرتے ہیں، دو چیزیں کو
اپنا طبع نظر نہائیے۔ پہلی بات تو موجود ہے دوسری کے لئے بھی آواز دہرا جائیے۔ اپنے تعلیم
یافتہ اصحاب میں سے چند غم مہادق رکھنے والے انکشاف منتخب کیجئے اور ایک نمونہ قائم کیجئے۔
ابتداء میں صرف دو چار نہایت ضروری اور بنیادی باتیں لے لی جائیں اور صرف ان لوگوں کو
شریک کیا جائے جو ادب پر پوری طرح عمل کرنے کے لئے تیار ہوں اور تمام موانع کامراندہ و اہل
مقابلہ کریں۔ کوئی ایسی جماعت وجود میں آجائے تو پھر اخبارات کے مباحث مفید ہو سکتے ہیں
ورنہ مجرد مضامین تو کسی سے آرد و میں ساحتی مباحث کا ایک نیا اثر پھر فراہم ہو جائیگا
علما و اصلاح نہیں ہو سکتی۔ لوگوں کو ایک ایسی زندگی بسر کرنے کی دعوت دینا جس کے
خواص و اعمال کا دہن سے باہر کوئی وجود نہیں، معاشرت کا فلسفہ اور اصلاح معاشرت
نہیں ہے۔

لے کتنی چننے اور پائیدار بات کہہ دیکہ ایک دوائی و ترقیات کو دیکھ کئی ایسی جماعت پیدا
کیجئے جو اصلاح کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔

تاہم قصود یہ نہیں کہ مضامین نہ لکھے جائیں۔ ان کی ضرورت سے انکار نہیں۔
بہر حال بہتر ہے میں حقیقت کے لئے فرد و کسوں کا؛ لیکن براہ عنایت حاجی بنلول
اور تجاہل عامیانہ و غیرہ کو تو رکھ دیتے ہیں یہ کیا مصیبت ہے اگر یہی حال رہا تو وہی محمد
و غیرہ کا حال ہو کر رہ جائے گا۔

والسلام علیکم۔ دیکھئے آپ سے کب ملاقات ہوتی ہے۔

ابوالکلام

— (۱۱) —

البدیع۔ کلکتہ

۱۲ جنوری ۱۹۲۰ء

محمد تقی الخریز

آپ کا خط رانچی میں ملا تھا۔ معافی خواہ ہوں کہ جواب میں تاخیر ہوئی۔ کلکتہ میں
ایک ہی دن قیام کر سکا پھر دہلی چلا گیا اب واپس آیا ہوں۔ خط میں آپ کے اپنی علی حدیث
کے ساتھ علی اقدام کے لئے بھی مستعدی ظاہر فرمائی ہے، اس طبیعت نہایت درجہ
مسرور ہوئی۔ کاش اس کا جلد ظہور ہو۔ ہمارے بیوں کا انتظا بے سود ہو گا۔ سب سے پہلا ادب
سے بہتر رفیق خود اپنا ارادہ اور یقین ہے آپ نے مشر محمد علی کی شعلہ بیانی کی نسبت جو کچھ
کھا ہے بالکل متفق ہوں اور اتنا اس پر اضافہ کرتا ہوں کہ اگر ایک شخص اپنی تھیلی کیلئے

۱۰ سوا تاجراج کے خلاف نہ لے، اس لئے کہ خود مزاجی مضامین لکھتے ہیں، مگر عزم پند خرافات، بلکہ تکلف کی
ظرافت کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اس کا سلسلہ "ہمدرد" میں شروع ہوا تھا۔ بعض مضامین بہت اچھے لکھو گئے
لیکن بعد میں معیار بہت گر گیا۔ حاجی بنلول و تجاہل عامیانہ" میں اسی جانب اشارہ ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ سوا تاہم جنوری کو نگر بندی سے رہا ہو چکا تھا، مگر چند روز پہلے ہی
میں تحریر ہے یہ کہ تو ب نگر بندی سے رہا ہو چکا تھا۔

انگارہ ملت ہی کو مغرب کرتا ہے تو خیر، یہ بھی ایک راہ ہے، پشہر ٹیکہ جیل پھینک نہ دے۔
 بہر حال وہ ایک بڑی آزمائش کے کامیاب نکلے ہیں اور ان کی بڑی سے بڑی اور زیادہ
 سے زیادہ عزت کئے یہ پس کر رہے ہیں۔

دیکھیے آپ سے کب ملاقات ہوتی ہے۔ رانچی میں نہیں تو کلکتہ میں تو آپ آ
 سکتے ہیں؟

ابوالکلام

— (۱۲) —

ریٹریٹ۔ شاہی باغ

احمد آباد

۲۹ جون ۱۹۲۳ء

صدر قیام العزیز۔ السلام علیکم

سفر سے واپس کلکتہ پہنچا تو آپ کا خط ملا لیکن ہجوم کا رنہ ہسپتال نہ دی پھر
 دلی اور احمد آباد کا سفر پیش آیا۔ ڈاک رکھ لی تھی کہ جہاں کہیں ہسپتال ملے گی جواب لکھ دوں گا میری

لے نہیں لا سکا اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی بھی اسی زمانے میں طویل قید و بند کے بعد رہا ہوئے
 تھے۔ حضرت رئیس الاحرار مرحوم کی طبیعت میں جہاں بہت تھا۔ ان کی امیری کے نکلنے میں نہ صرف ترکی
 سلطنت بلکہ اسلامی خلافت بھی خوفناک مصائب میں مبتلا ہو چکی تھی جس سے وہ حد درجہ شاعر تھے۔
 چنانچہ راجستھانی انھوں نے تندہ تیز تقریریں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا عبدالمجید نے اپنے مکتوب
 میں لکھا کہ ذکر کیا تھا، لیکن مولانا کے نزدیک اصل شے اس باب میں مستقامت تھی امد کیجئے کس کثرت وہ دلی
 رئیس الاحرار کی عظمت کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک بڑی آزمائش سے کامیاب نکلے ہیں اور ان کی زیادہ سے
 زیادہ عزت کے لئے یہی پس کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا تمام امور میں بنیادی اور اساسی چیزوں کا ہتھیار
 رکھتے تھے اور جہاں بنیادوں سے دست ہوتی تھی وہاں بنیادوں سے فروع میں کم یا زیادہ اختلاف کو چھوڑا ہی نہیں دیکھتے تھے

اس پانچیر کو معاف فرمائیں گے۔

آپ نے مولوی طفیل احمد صاحب کی نسبت دریافت کیا ہے کہ میں نے ان سے جواز سود کے بارے میں کوئی گفتگو کی ہے؟ جہاں تک میرا حفظ کام دیتا ہے مجھے یاد نہیں، مولوی صاحب برصوف سے کبھی اس باب میں کوئی گفتگو ہوئی ہو، بلکہ شاید ان سے ملاقات بھی کبھی نہیں ہوئی۔ میں نہیں کہہ سکتا، کیوں نہیں ایسا خیال ہو، غالباً اس بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ نے ان کے نام کے ساتھ صاحب جواز سود لکھا ہے کیا اس سے مفہوم د کوئی ان کی مقصد کتاب ہے۔

باقی رہا اصل مسئلہ تو جہاں تک قرآن اور اسلام کا تعلق ہے نفس رہا کی حرمت میں تو گنجائش قیل و قال نہیں ہے بحسب مصلحت و مصلوٰہ۔ البتہ بایک تعین و تشریح میں متعدد فقہی مباحث اور مذاہب و آراء ہیں، جنہیں فقہ و حدیث کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ہندستان میں اوائل حکومت انگریزی سے ایک بحث یہ بھی شروع ہو گئی ہے کہ ہندستان دارالحرب ہے یا دلولہ اسلام۔ اگر دارالحرب ہے تو فقہاء کا قاعدہ ہے "لا یرایع الحربی والمسلم" یعنی دارالحرب میں مسلمان اور حربیوں کی معاملات باہم نہیں ہے بعض کے نزدیک حربی کی قید بھی زائے ہے پس اس بنا پر متعدد علماء کی رائے یہ رہی ہے کہ ہندستان کی موجودہ پولیٹیکل حالت میں مسلمان غیر مسلم سے سود لے سکتے ہیں مولوی عبدالحق رحمہ اللہ مولانا شبلی مرحوم کی یہی رائے تھی۔ مولانا شبلی مرحوم نے اس پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا اور مدوۃ العمل کی کونسل کے علماء کے سامنے پیش کیا تھا۔ غالباً ان کے مسودات میں ہوگا۔

پھر دارالحرب کے شرع میں بھی اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے وہ یہ ہے، صاحبین کی وہ یہی ہے۔ پھر بعض کے نزدیک ایک ملک دلولہ اسلام ہو کر دارالحرب ہو جاسکتا ہے، بعض کے نزدیک نہیں۔

حقیقت ان اختلافات سے ہلا تو ہے اور دار الحرب میں جہان غز سوسو کی تکمیل
کی گئی ہے، وہ بھی محل نظر ہے۔ صحیح تعلیم دوسری ہے، اگر ضرورت ہوئی اور ہمت
ملی تو اس باب میں علامہ غرض بھی کیا جاسکتا ہے

ابوالکلام

— (۱۳) —

مکتبہ

۲۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

جی فی اللہ اسلام علیکم۔ خط پہنچا، دہلی سے دوپہر آکر دوپہے تک جتلا بنجار پوچھیں
رہا۔ اس وقت تک طبیعت کجی صاف نہیں ہے۔ جہاں تک سڑک چار کا تعلق ہے

لے کر وہ ناکہ ایک شخصیت یہ بھی کہ سوال ان سے نہائی کیا جاتا یا قریری، جواب میں مسئلے کے ایک سیکر پیلو
کو اس طرح کھل کھل کر بیان فرماتے کہ قلب معلوم ہوا تاہم اس کے تجزیے میں نہیں جو مزداد کمال محل تھا
وہ اس کتاب سے بھی نمایاں ہے یعنی پہلے نفس ملکہ واضح کیا، پھر باکے تین و تشریح کے سلسلے میں بھی جوش
و غائب کا ذکر فرمایا۔ بعد میں یہ بتایا کہ جب کوئی ملک دار الحرب قرار پا جائے تو غلبہ کا مسلک کیا ہے
آخر میں دار الحرب کے شروط میں اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ دار الحرب
میں جو غز سوسو کی تکمیل کی گئی ہے۔ وہ محل نظر ہے، صحیح تعلیم دوسری ہے۔

دیکھئے یہ ظاہر کوئی پیلو واضح نہیں کیا گیا، مگر پڑھا کھا آدی چاہے تو اسی کتاب کو مشن
راہ بنا کر پہلے متعلق پوری چھان بین کر سکتا ہے۔

مردہ تاملین احمد رحیم، مختلف باب و دلائل کی بنا پر جو دوسرے کے قائل ہوئے تو پھر انھوں
نے دوسری کا خلاصہ اس کو شیش میں بسر کر دیا۔ یقیناً انھوں نے نہیں کہا کہ وہ لکھتا
سے گفتگو ہوئی۔ نابا تو وہ عبد اللہ صاحب کو خیال ہوا کہ انھوں نے گفتگو کی۔

جو کچھ ہمارے تمام تر افراد و قریب ہے بڑی محبت پیش کیا گئی ہے کہ مسئلہ دنیا کا کام
و معاملہ سے غرض نہ ہو گیا ہے اور جو لوگ اس جنگ کو سے ہیں، نہیں دیکھیں کہ جو کچھ غریب
ذاتی کاوشیں اور جماعت بندی کا جذبہ ایک مزید آفت ہے مسئلہ ہر کام کی تقسیم حقیقت
کی بنا پر نہیں بلکہ محض پارٹی کی بنا پر ہوتی ہے۔ مختلف حالات و اسباب ایسے ہیں کہ
اصلاح حال کی امید بہت سی کمزور ہے آئیہ کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔

کھنڈ میں جلنے کے موقع پر آتا ہی پڑے گا، اگرچہ سرے سے یہ جلسہ ہی بے کار ہے
مکن ہے جلسہ کی تاریخیں بدل دی جائیں۔ لوگوں کو اعتراض ہے کہ دہلی میں یہ جلسہ صرف
اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ رپورٹ و مذہب کوپ کر شائع ہو جائے اور مجبوروں کو مطالعہ و نظر
کا کافی وقت ملے، لیکن رپورٹ اس وقت تک تقسیم نہ ہو سکی۔ غالباً آج ہیسی سے روانہ ہوئی
ہوگی۔ میں نے شوکت صاحب کو لکھا ہے کہ جلسہ ۵ دسمبر یا ۶ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں منعقد ہو
غالباً ۵ دسمبر قرار پائے گا۔ بہر حال امید ہے آپ سے جلد ملاقات ہوگی۔ قیام غالباً آلاب

لے سو ناہیں خوف ہند کے صدمہ کے اندر سلطان بن محمد کے کلا اٹھا رہے جانے کا مسئلہ جد نزاع ہو گیا
تھا جس میں ملک بھائی اندازہ ہی نزلہ کی حیثیت اختیار میں بہت محدود تھی، لیکن خوف حاکمانہ اس میں شہید پلے
کر دی۔ ایک گروہ ان میں اہل حریت شامل تھے، سلطان کا حال تھا اس کے برعکس وہ سرے سے لوگ و کار ختام
اور عرق پر واپس کے سوسا، سوسا پیشتر کی روش کے سلسلے میں ان کے اندر غیر قریب لگنے والے مسائل
سلطان کے خلاف تھے خود ان کے خلاف کے ان کا ہی دور رفتوں میں بدست گئے۔ ایک مایہ قند اور مدبر حکمت
حالی فریق میں مذی اثر و توجہ مختصر اراکان پنجاب کا تھا جنہیں رئیس و اراکان و تاجور علی مرحوم پنجابی نوڈ
کہ کر پکارتے تھے، ان ارکان میں سے مراد چندی حریت تھے باقی اراکان تھے، بلکہ فیدہ حضرات بھی تھے۔
یقیناً آخر میں اس معاملے میں فریق بازی ہو گئی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ خود سونا آئینہ پر سلیمان دھاری
کو فریق مخالف میں دیکھ احواد حاصل نہ تھا، اس لئے کہ وہ سلطان کی حمایت کا طرف مالک تھے جاتے تھے
تھے یا جو وہ ان کے غیر محکومیں ہوا اور انہوں نے کو بعض حالات پر اختلاف نہ تھے بلکہ ان کے اختلافات کو ان کے اندر
پر مشتمل ہوا۔

علیٰ حسن صاحب ہی کے یہاں پڑے لیکن میں تو آپ کے یہاں ٹھہروں گا تو آپ ٹھہرائیں۔
 مولوی عبدالرزاق صاحب کا دھر کی ہفتہ سے کوئی خط نہیں آیا۔ مجھے انکی محبت
 کی طرف سے بڑا رشتہ پیش رہتی ہے۔ اگر ممکن ہو تو لیے اور خط لکھنے کے لئے کہئے۔ مولوی
 غلام ملک صاحب میں تو سلام شوق۔

ابوالکلام

—۱۳۱—

کلکتہ

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۶ء

میری فی النثر اسلام علیکم۔ ایک خط بھیج چکا ہوں۔ میں نے کچھ تھا شاید مجوزہ
 تاریخوں میں جلسہ کا انعقاد ملتوی ہو جائے۔ چنانچہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اب دسمبر کے
 پہلے ہفتہ میں منعقد ہو گا۔ التوا کا باعث یہ ہوا کہ تقریباً تین تاریخوں میں ہر جگہ کونسل کے
 انتظامات کی کوشش درپیش ہے۔ مرکز کے ممبروں میں بڑی توجہ والیے لوگوں کی ہی محتاجات
 میں مشغول ہیں خصوصاً جنگال احمد پنجاب کے ممبر۔ انھوں نے ناقص کیا کہ ہمدانی شریک کون
 نہیں علاوہ بریں رپسٹ دفعہ حجاز کی اشاعت میں بھی تاخیر ہو گئی یہ تاخیر قصداً نہیں ہوئی بلکہ

ملا مصلحتاً مدحاً، انکس نواب سید علی حسن خاں مرحوم اچھے میر ملک و جاہ نواب یہ سید علی حسن
 خاں مرحوم ان کی کوششوں پر پاؤں پاؤں کے نام سے شہرہ تھی۔ مراد ناد میں شہرت تھی۔
 مراد احمد رزاقی لکھنؤ، وہ "پیغام" کی شاعت کے وقت کلکتہ میں رہا تاکہ ملکہ قمر محمد خان
 خاں کا مدد، اب اسے جاری کیا تو مدد احمد رزاقی اس کے ایڈیٹر بنے۔ مراد خاں نے مراد اکبر علی
 "علیٰ حسن" مولوی بنی نقل کیا جو ان ملک ملکہ ملکہ کے لیے مراد خاں کی شاعت پر مدد احمد رزاقی کلکتہ سے
 چلائے۔ مراد خاں نے مراد خاں کو مدد احمد رزاقی پر کلکتہ چلا گئے تھے۔

نہی اپنا ختم ہے ہاں جو کسی دوسرے پہلے مکمل نہ ہو سکی۔ ایسی حالت میں یہی مناسب تھا کہ تاریخیں بدل دی جائیں۔ پیشتر ہی سے کافی زراعت موجود تھی۔ اب محض تارکین انقباد کا معاملہ باہر النزاع کیوں بنا دیا جائے۔ نومبر میں انتخابات کی کش مکش ختم ہو جائے گی دسمبر کے پہلے ہفتہ میں بہ اطمینان جلسہ ہو سکے گا۔ آپ لوگوں نے انھنوں میں جلسہ کا اہتمام کیا تھا، ممکن ہے اس تاریخ کی وجہ سے کارکنوں کو بے لطفی ہوئی ہو لیکن امید ہے دسمبر کا اہتمام اس کی تلافی کر دے۔

افسوس ہے کہ ترمینار اور ہمدرد کی نزاع کسی طرح ختم ہونے پر نہیں آتی۔ کچھ دفعہ جب شروع ہوئی تھی تو میں نے بہت کوشش کی کہ سلسلہ آگے نہ بڑھے مولوی خضر علی صاحب سے تودہلی میں قول و قرار کر لیا تھا کہ وہ مولانا محمد علی کے خلاف کچھ نہ کہیں چنانچہ سلسلہ ٹک گیا تھا مگر اب پھر شروع ہو گیا ہے اور بڑھتا ہی جاتا ہے تجو اس کا یہ کہ تحریک کا جو کچھ رہا سہا انہر حوام پر بانی تھا، وہ بھی امید نہیں کہ قائم رہ سکے حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء سے پہلے مسلمانان ہند میں جس قدر جماعتی قوی کا نظم اور دماغی انضمام تھا، اتنا اب بھی اب نہیں ہے اور یہ نتیجہ ہے اس رد فعل کا جو ۱۹۱۷ء کی حرکت کے بعد پورے رابا اب ملاؤں کی دماغی و اجتماعی تالیف و نظم کے لئے از سر نو دعوت و تحریک کی ضرورت ہے۔

مولوی عبدالرزاق اور مولوی خضر الملک صاحب میں تو سلام پہنچا دیں آپ کے اخبار پہنچے۔ کاب کیا حال ہے؟ کتنی اشاعت ہے؟ ممکن ہو تو تفصیلات سے مطلع کریں۔
ابوالکلام

میں نے مولانا عبدالعزیز اور مولوی خضر الملک علی نے پہنچے ان کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا تھا جو میں مولانا عبدالعزیز نے صدق کے نام سے ایک ہرچہ مکمل لیا اور پہنچا۔ ختم ہو گیا۔ گویا ”سچ“ مصنف کا نقشہ اول تھا۔

لکھتے

۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء

صدیقی

آپ کا رجسٹرڈ خط دہلی سے واپس ہو کر یہاں ملا۔ سچ میں آپ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے میری نظر سے نہیں گزری۔ آپ نے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو تائید اسلام کے عبادیات تک معلوم نہیں تھے یہی معلوم اس کے مترجم کون صاحب ہیں وہ کیوں انہوں نے یہ کتاب ترجمہ کئے لئے منتخب کی اگر مقصود یہ تھا کہ ایک مخالف کا نقطہ نظر واضح کیا جائے تو ضروری تھا مقدمہ میں اس کی تصریح کی جاتی اور جا بجا فٹ نوٹ چسوائے جاتے مبعیت یہ ہے کہ یا تو لوگوں کو کام کا شوق نہیں ہوتا، ہوتا ہے تو نظروں اتیار میں نہیں آتا۔ یہ آپ کی زبانوں خصوصاً جرمن میں اسلامی تاریخی علوم کے متعلق مفید چیزیں موجود ہیں لیکن ہمارے مترجموں کو صرف ایسی ہی کتابیں مل سکتی ہیں۔

لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا آپ نے اسے جامعہ کے کارنامے سے کیوں تعبیر کیا؟ اس قسم کا جبار تو یہاں زبانوں سے بحث و نقد کی وقعت اور بھیدگی کو صدر پرہیزنا ہے اگر جامعہ کے پروفیسر نے ایک نقطہ کتاب ترجمہ کئے لئے منتخب کی یا اس کے مقدمہ تبصرہ میں کوتاہی کی تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے نہ حیثیت ایک مترجم کے اسے مخاطب کرنا چاہئے جامعہ کے کارکنوں کا یہاں کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا

اسی سبب آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام : علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ابو الحسن

نکاح کیلئے کہ بات کہہ دی ہے کہ یا تو لوگوں کو کام کا شوق نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو نظروں اتیار میں نہیں آتا۔

نکاح کیلئے کہ بات کہہ دی ہے کہ یا تو لوگوں کو کام کا شوق نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو نظروں اتیار میں نہیں آتا۔
نکاح کیلئے کہ بات کہہ دی ہے کہ یا تو لوگوں کو کام کا شوق نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو نظروں اتیار میں نہیں آتا۔
نکاح کیلئے کہ بات کہہ دی ہے کہ یا تو لوگوں کو کام کا شوق نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو نظروں اتیار میں نہیں آتا۔
نکاح کیلئے کہ بات کہہ دی ہے کہ یا تو لوگوں کو کام کا شوق نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو نظروں اتیار میں نہیں آتا۔

 (۱۶۱)

آئی ایم کا مگر س کیٹی

سورج بھون - آلا آباد

۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

مدنی

شملہ سے واپس آکر یہاں کی ڈاک دیکھی تو آپ کا کارڈ ملا۔ ایک مہینے کے بعد ایک عزیز کی صحبت دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے وہ آپ کا کارڈ دیکھ کر ہوئی شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

 (۱۶۲)

۲۲ مئی ۱۹۳۷ء

مدنی۔ خط مورخہ ۷ مئی پہنچا۔ جس معاملہ کی نسبت آپ نے لکھا ہے، وہ پیش نظر ہے ہر بات اپنے مناسب وقت پر ہی انجام پاسکتی ہے اور انشاء اللہ انجام پائیگی کہ والسلام علیکم

ابوالکلام

مے مولانا بہشت صدر کانگریس پہلے احمد نگر میں بعد ازاں بنگلہ ٹرامیں اسیر رہے۔ رہا ہوئے تو کانفرنس کیسے نہیں شملہ بلایا گیا۔ یہ مکتوب شملہ سے لکھا گیا۔ مولانا عبد الماجد نے غالباً ریلوے پر مار کھا وہی ہو گی۔

مے مولانا عبد الماجد نے دارالمصنفین کی وجہ سے لکھا تھا، مولانا بہشت وزیر تعلیم دارالمصنفین کے لئے بھی لکھا تھا اور متعدد دوسرے اداروں کی اصلاح کا انتظام فرمایا۔

— (۱۸) —

۲۲۔ پرتھوی راج روڈ۔ نئی دہلی

۱۱ فروری ۱۹۳۵ء

جناب محترم تسلیم

آپ کا تحفہ حضرت مولانا کو پہنچ گیا ہے۔ اس کے لئے وہ شکریہ گزاریں۔ مکتوب گراہی بھی موصول ہوا۔

”ترجمان القرآن“ جلد اول زم زم پبلیکیشنز لاہور میں چھپ رہی ہے غالباً ہفتہ عشرہ میں پریس سے نکل جائے گی۔ امید ہے کہ آپ مع ایئر ہوں گے۔

نیاز مند

محمد اجل خاں سکریٹری مولانا آزاد

— (۱۹) —

۱۹۔ اکبر روڈ۔ نئی دہلی

یکم اپریل ۱۹۳۵ء

جناب محترم تسلیم

آپ کا خط حضرت مولانا کو ملا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ۵ اپریل کو آپ مندوبانہ چتے پر تشریف لائیں گے اور پتہ بھی نوش فرمائیں

رافق محمد اجل خاں

مولانا عبد الماجد فرماتے ہیں کہ کوئی کتاب بھیجی ہوگی۔
مولانا عبد الماجد فرماتے ہیں کہ آل انڈیا ریڈیو کی مرکزی اردو کمیٹی میں میرا نام اس کے جلسہ میں شرکت کیلئے
دہلی جانا تھا مولانا کی جانب سے یہ دعوت نامہ بھی مل گیا۔ اسی مضمون کا ایک اور خط کمیٹی کی دفتر میں بھیجا

تیسرا مجموعہ

(مولانا سید سلیمان ندوی کے نام)

یہ کل اڑتیس مکاتیب ہیں جو مولانا سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد معارف کے متعدد نمبروں میں شائع ہوئے تھے۔ اشاعت میں نہ مکاتیب کی تاریخی ترتیب پیش نظر رکھی گئی اور نہ تمام مکاتیب کی تاریخیں قرائن کی بنا پر متعین کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں نے نہیں تاریخ وار مرتب کرنے میں کوئی دقیقہ سہی اٹھاتا رکھا اور ایک کتبہ کے سوا جو آخر میں درج ہے (اور اس کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہ تھا) تمام مکاتیب تاریخ وار مرتب کر دیئے۔ اغلب ہے کہ یہ ترتیب یا تو صحیح ہو یا اس میں غلطی بہت کم ہو۔ پھر جا بجا حواشی لکھے تاکہ مکاتیب کے مطالب و مہن نشین کر لینے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

صدقہ الجلیل الاعز انعم اللہ علی بقا تک

والا نامہ پہنچا، افسوس ہے کہ مجھے جناب کا وہ خط نہیں ملا۔ دفتر میں پوچھا تو انکار کیا۔ سخت افسوس ہوا۔ کاش آپ اس کا خلاصہ مکرر لکھنے کی رحمت گوارا فرماتے۔ تاریخ عرب کے لئے حاضر ہوں لیکن آپ میری حالت سے واقف ہیں ذمہ داری سے ڈتا ہوں۔ میرۃ نبویؐ کے چھپنے کی بھی گفتگو ہو رہی ہے میں سودا لکھنے پڑھنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ کتاب لیتھو میں چھپوائیں اور نقشے مجھے بھیج دیں۔ یہاں بن جائیں گے۔ ٹائپ کے لوگ خود گھر بھی نہیں ہیں۔

علوم القرآن اتنا ہی تھا؟ اگر مزید سلسلہ رحمت ہو تو نہایت ممنون۔ ہاں! "الحزب" فی الاسلام کے چند نمبر جو آپ نے لکھے تھے، شاید آپ نے مجھے انہیں ضرور ہی بھیج دیجئے۔ اسی طرح چھپ جائیں گے اور سلسلہ مکمل ہو جائیگا۔ لے نہ لے کے متعلق حسب مقدور کر رہا ہوں۔ آپ نے بہت ہی خوب کیا کہ "وکیل" میں اپنی شائع کی۔ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ دیگر اخبارات میں مضامین نکلیں۔ کاش آپ ایک دو مضمون لکھ کر "زمیندار" میں بھیج دیں۔

ابوالکلام

(۲)

گلگتہ

الہدال - ۹ جنوری ۱۹۱۹ء

قضاہ لغیری وابتلا فی بجہا وفلا بشئ غیر لیلی ابتلا مینا

صدقہ الجلیل الاعز :

لہ علم القرآن والحزب فی الاسلام مضامین کے دو سلسلے تھے جو یہ ایمان نے الہدال کے نمونے بھیجے تھے

خسوس کہ میں جس خط کا منتظر تھا، وہ باوجود وعدہ آپ نے نہیں کھیا اور اس طرح اس صلاح و مشورہ کی سہی نہ کی جو ایمان و اخلاقاً آپ پر فرض تھا۔

بہر حال آج میں اپنے شور و شعلہ سے عبور ہونے پر ایک بار اور کوشش و صل کرتا ہوں لیکن پھر مقدمہ ہو چکا ہے تو بغیر از مہر چارہ نہیں۔

معلوم نہیں کہ اس خط کا کیا نتیجہ نکلے۔ ڈرنا ہوں کہ کہیں یہ بھی بدگمانیوں کی نذر نہ ہو۔ تاہم خدائے عظیم و بصیر میرے دل کو دیکھ رہا ہے کہ اس وقت ہر حرف جو کہہ رہا ہوں کس عالم میں کہہ رہا ہوں۔ خدا را یقین کیجئے کہ سچائی اور صداقت، محبت، داد اور ایک گہرے حزن و دلال کے سوا اور کوئی چیز اس وقت میرے دماغ میں نہیں۔ واللہ علی ما أقول شہید، واذن لقسم لو تعلمون عظیم۔

آپ نے پڑنا میں پر فیسری قبول کر لی۔ حالانکہ خدائے آپ کو میں تعلیم مدد سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے خدا کے لئے میری سنے اور مجھے اپنا ایک مخلص بھائی تصور کیجئے۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ میں خود غرضی ہوں اور میری غرض میری خواہش میں غصہ اصلی ہے تاہم میری خود غرضی آپ کے لئے مضر نہیں بلکہ بہتر ہے کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طالب علموں کو فارسی و عربی سکھلا دی۔ آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں۔

میرے تازہ حالات آپ کو معلوم نہیں مگر میں علالت میری موجودگی میں بڑھتی

۱۔ یہ کتاب علیہ السلام کی دوبارہ "اہل" میں لانے کی غرض سے کھیا گیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ "اہل" کی ترتیب کا بوجہ دیکھا ہو تو مولانا دوسرا کام شروع کر سکیں۔ سید سلیمان راغب نے جس وجہ سے مولانا کو تنہا سب کچھ کرنا پڑا۔

اور اب اس درجہ حالتِ ندی ہے کہ اپنی قسمتِ حیات کے فیصلہ کو بہت قریب پا رہا ہوں خود میری حالت ایسی ہے کہ خدا شاہد ہے مسلسل چار گھنٹے کام نہیں کر سکتا ورنہ آنکھوں میں تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ الہلال ایک تحریک تھی جس نے استفادہ پیدا کی، لیکن اس استفادہ سے حوالاً کام لینا چاہئے اور میں نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ خواہ الہلال کی کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو، کام شروع کر دیا جائے چنانچہ شروع بھی کر دیا ہے ایسی حالت میں قیامت ہے کہ اگر آپ باوجود استطاعت و طاقت رکھنے کے میری اعانت سے انکار کر دیں۔

آپ یاد رکھیے کہ اگر ان مصائب و موانع کی وجہ سے میں مجبور و پابہ گل رہ گیا تو قیامت کے دن یقیناً آپ اس کے ذمہ دار ہوں گے کہ آپ نے ایک بہت بڑے وقت کے ردِ عمل کو اپنی غلطی سے ضائع کر دیا۔

آپ اگر الہلال بالکل لے لیجئے۔ جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجئے مجھے سنا اس کے اصول و پالیسی کے (جس میں آپ مجھ سے متفق ہیں) اور کسی بات سے تعلق نہیں میں بالکل آپ پر چھوڑ دیتا ہوں اور خود اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ صرف اپنے مضامین تو دیکر یاد کروں گا اور کچھ تعلق نہیں ہو گا۔ عربی کے لئے مولوی عبد المجاہد صاحب کا وعدہ گریز کے لئے ہے۔ ایک اور شخص آپ کے اسسٹنٹ ہوں گے اور وہ علناً دوسرا بجلی آپ کی ایڈٹری میں روزانہ سے ہو گا۔

ایک وقت یہ ہے کہ ہر کام کے لئے مالی شرائط کا اظہار ضروری ہے اور ایسا کیجئے تو آپ کہتے ہیں کہ طبع دلاتے ہو۔ استغفر اللہ۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ بغیر کسی ایسی نیت کے محض شرائط معاملہ کے طور پر چند امور عرض کرتا ہوں۔
مردست آپ تشریف لے آئیں اور ایک سو میس رو پیہ نقد فرمائیں تمیں کلکتہ کے معارف اور نظام کے لئے ہیں اسکے بعد ہر ماہ دس کا اخلاف ہو گا یہاں تک کہ دو

سو پورے ہو جائیں ۔

پردہ کرکیشن کے لئے انور علی آگئے ہیں اور اب اس کے لئے کوئی رحمت نہیں۔
صرف ایڈیٹری کا معاملہ ہے یہ ایک بہتر کام ہے، جو اہلال کی گرفتاریوں کی وجہ سے
میں شروع نہیں کر سکتا۔ اب اگر اور دیر ہو گئی تو سخت نقصان ہو گا اور اسی لئے میں
نے آخری فیصلہ اس کی نسبت کر لیا۔ میں آپ کو پابند نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر آپ
خود چاہیں تو جتنی مدت کے لئے کہیں معاہدہ قانونی بھی ہو سکتا ہے۔

آپ موادوں استغفا دیدیں اور کلکتہ نشریہ لے آئیں اور اس خط کا جواب
لاؤم میں بذریعہ تار دیدیں۔ مجھ کو پوری امید ہے کہ میری یہ سعی بے کار نہ جائے گی
کیونکہ میں سچے دل سے آپ کا طالب ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ سچی طلب و مودت
ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ اگر مولانا شبلی کا خیال ہو کہ ان کے ذریعے سے پونا نشریہ
لے گئے ہیں وہ ٹھہر گئے، اب ناراض ہوں گے تو میں خود ان سے اس معاملہ کو صاف
کر لوں۔ تاہم جو کچھ ہو جلد ہو۔

ابوالکلام کان اللہ

— (۳) —

صدیقی الجلیل الاغر

انسان کا اپنا فرض نہ ادا کرنا ہمیشہ اس کے لئے موجب تاسف و تالم تھا ہی
اگر میں نے آپ کے خطوط کا جواب دیدیا ہوتا تو آپ کو میری خاموشی سے سو قلم نہ پیدا
ہوتا۔ مستغفر اللہ لیکن تعجب ہے کہ خطوں کے بارے میں میری اس حالت کی علم کے باوجود
آپ کو ایسا خیال ہوا، حالانکہ ساری دنیا میری اس عادت سے واقف ہو اور یہ نئی بات نہیں ہے
میں رمضان اور اس کے بعد کے بعض حالات کی وجہ سے بہت ہی پریشان رہا
اور اب تک اسی وجہ سے خط نہ لکھ سکا اور آج کل پر وقت گزر گیا۔

میں نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ کتاب جس طرح اور جس اصول پر آپ چاہیں شائع کر آئیں اصل مقصد اشاعت ہے اور اگر میں اس کا ذریعہ ہوں تو یہ خوشی کی بات ہے کتاب کا دیباچہ تیار کر دیکھے چھپ جلے گا، لیکن چند باتوں پر نظر رہے۔

۱۔ آپ کو میرا حال معلوم ہے، نیز پریس سے بھی واقفیت ہوگی۔
 ۲۔ سر دست نیا ٹائپ کوئی نہیں رہا، نسبتاً نئے میں ہفتہ وار اور پرانے میں روزانہ نکلتا ہے۔ اب خود دھولانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس لئے نئے ٹائپ کے خریدنے میں بھی وقت لگے گا، کیونکہ آرڈر سے ایک ماہ بعد مال دینے کا معاہدہ ہے، اور ہمیشہ معاہدہ سچی زیادہ تاخیر ہو جاتی ہے۔

۳۔ گورنمنٹ بنگال کی ایک کتاب چھپ رہی تھی، نصف باقی ہے۔ جنگل کی وجہ سے روزانہ نکالنا پڑا۔ ان اسباب سے پریس بہت معروض ہے۔
 پس اگر میں بہت کوشش کروں گا جب بھی کتاب اس وقت سے ایک ماہ بعد شروع کی جا سکے گی۔ البتہ شروع ہو جانے کے بعد کسی نہ کسی طرح ہفتہ وار اقل دو جز ضرور چھپ جائیں گے۔ اس سے بھی زیادہ ممکن ہے۔

آپ نے ایک خط میں "الہامیہ کے اغلاط آیات وغیرہ لکھے تھے اور بالکل ٹھیک تھے کیا کہوں آیات کے متعلق بعض اوقات عجیب حالت ہو جاتی ہے (الان حزب اللہ) ہم الغالبون کے متعلق دماغ کو غیر محسوس دھوکہ ہوا فلان حزب اللہ ہم الغالبون اور الان حزب اللہ ہم المغلوبون کے تشابہ سے دماغ نے ہم الغالبون پیدا کر لیا اور مادہ تاریخی ہونے کی وجہ سے بہت غنیمت معلوم ہوا۔

حدیث بدلا اسلام غریباً کے الفاظ میں بھی واقعی غلطی ہوگی، اگرچہ غریب کے معنی میں نہیں۔ اور یہ ضرور ہے کہ محدثین نے "غریب" سے فلاکت وادبار و مغلوبیت و مظلومیت و مسکنت ضرور مراد لی ہے حافظ ابن رجب صاحب طبقات فی شرح میں ایک

رسالہ لکھا ہے اور چھپ گیا ہے۔ مختلف اقوال بھی جس کے ہیں اور کچھ ہیں کہ تنازعہ مسلمانین و مظلومیت حق و قلت ملاحین و شیوع فسادات وغیرہ مراد ہیں۔ مسافر کی حالت فقر و مسکنت دیکھ یاری دے رفاقت کی ہوتی ہے، اس لئے اردو لفظ غریب کا مفہوم ہر حال میں پیدا ہو جاتا ہے۔ مولوی عبدالسلام صاحب نے بالآخر اپنے سوانح و حوادث بیان فرما ہی دیئے، جو بڑے ہی دل چسپ ہیں۔ کاش آپ سنتے۔

مولوی آزاد سبحانی کے متعلق اردو لوگوں کا بھی یہی بیان ہے یہاں بھی وہ آئے تھے میں نہ تھا۔ مولوی رکن الدین میں اور ان میں سخت مجادلہ ہو گیا، انھوں نے کہا کہ میری کامیابی میری قوتِ بیانیہ کا نتیجہ ہے۔ دانا صاحب نے نہ مانا۔

بیجا پور والے مصنفوں کا اس قدر تشکر کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ بالتصویر رسالہ کی یہ اصلی شے تھی، جو آپ کی بدولت "اہلال" میں شروع ہو گئی بلکہ جنگ کی وجہ سے وہ اب تک شروع نہ ہو سکا، ورنہ ہلاک بن گئے ہیں، آئندہ ان کے بعد والے نمبر میں انشاء اللہ شائع ہوگا، مگر اس کے بعد کا کوئی حصہ دیجئے تاکہ تسلسل قائم رہے۔ علم الحدیث کے مضامین تو "اہلال" میں نکل چکے ہیں اور آپ کن کی نسبت فرماتے ہیں؟ علوم قرآن میں اور کچھ نہ ملا۔

البراکلام

امام غالباً ابن رجب کے سالے "کشف الکرب" کا ذکر ہے جس میں حدیث غربت کی شرح کی گئی ہے اس میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلیمان مرحوم نے یہ مضمون ۱۹۱۵ء میں بھیج دیا تھا اور ہلاک بھی ہو گئے تھے لیکن یہ شائع نہ ہو سکا اور اہلال بند ہو گیا نوبر ۱۹۱۵ء میں "ابلاغ" نکلا تو اس کے پہلے نمبر میں یہ مضمون دیر چھپا۔

الہلال

اخ الجلیل الاغر

مدت ہوئی آپ کا دلا نامہ آیا تھا۔ اس کے جواب میں ایک بہت ہی مفصل
خط رجسٹرڈ بھیجا تھا اور اس کے آخر میں اشاعت اسلام کے متعلق آپ سے ایک
ضروری استفسار بھی تھا بلکہ

تجربہ ہے کہ جواب سے اب تک محروم ہوں۔
بر میں منگر بر کرم خویش منگر
وہ خط بہت مفصل تھا اور متعدد امور پر مشتمل۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، سنا ہے کہ آپ نے جبری شریعہ کروی ہی
دارالعلوم کے تازہ حالات سنے ہوں گے۔
غرضک
ابوالکلام

الہلال آنس

میکلوڈ اسٹریٹ۔ کلکتہ

۲۴ جنوری ۱۹۱۵ء

عجبت لمن یقول ذکرک التفی

وہل انسی فا ذکرک من ہویت

صدر تقی النریز لا جل

کئی صبح سفر سے واپس آیا اور خط پڑھا۔ یہ آپ نے پہلے شکایت ہی لکھی تو نہیں لکھی

لے اس کا کوئی سرخا نہ مل سکا۔

تاکہ میرے لئے شکایت کا موقع نہ رہے۔

بِئْسَ مَا لَكَ فِي الْمَعِيَّةِ لَسِيَّةٌ
مُسْتَوْدَعَةٌ مِّنْ أَهْلِ خُلُقٍ أَلْسَا لِم
نَحْنُ أَتَيْنَاكَ تَفَارِقْتَ أَدْرَاخَنَا
مَنْ قَبْلَ خَلْقِ اللَّهِ طِينَةَ آدَمَ

خط سے غالباً مقصود وہ خط ہو گا جو آپ نے بھوپال سے لکھا تھا اس کے جواب میں ایک نہایت مفصل خط جن میں مقدمہ ضروری امور تھے، اعظم گڑھ کے پتے سے لکھا اور آج تک اس کے جواب تک لے کر تباہ ہوئے۔ اب آپ نے خط لکھا تو جواب کی جگہ الٹی شکایتیں ہیں۔

بہر حال مجھے ہر حال میں اپنا رفیق و ہم عنان یقین کیجئے اور ہر دم خدمت گزاری کے لئے تیار و منسوب ہے کہ ملاقات کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ کاش اللہ یک جانی کا سامان پیدا کرتا۔ قریب جمعیت ہوتیں۔ تفرق اور عدم توجہ نے ان نتائج سے بھی غروم کر دیا ہے جو بایں ہمہ بے سرو سامانی حاصل ہو سکتے تھے۔

دارالمصنفین نہایت آسانی کے ساتھ ایک وسیع المنتلج چیز بن سکتا ہے اور نمدہ کا حقیقی بدل، بل قم البدل۔ اصلی کام وہی ہے ہاتھی سب کے سب فرنگی ہیں آپ کی زندگی کا اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ آدمی پیدا ہوں۔ اس لئے میں نے لکھا تھا کہ۔

ایک اچھے موقع کو ضائع کیا گیا اور بیگم صاحبہ کے سامنے
وسعت و اہمیت کے ساتھ اس چیز کو پیش نہیں کیا گیا جس نے بلوچ
سخت جو اپنے کے ارادہ کیا تھا کہ صرف اس کی خاطر خود طوں اور کپڑوں پہ

ملہ مطلب کہ نواب سلطان جہاں بیگم و امیر بھوپال کے ساتھ دارالمصنفین کی وسعت و اہمیت واضح کرنی
ضروری تھی اور صاف صرف میرا نتیجہ کی ترتیب کے سلسلے میں اس کا نام نہ دینا چاہئے تھا۔

اس کا مرکز قطعاً کھنڈ ہونا چاہئے یا اعظم گڑھ ہو مگر ایک وسیع شاخ کھنڈ میں ہو
 میں نے طریق عمل اور اصول کار کو اسی زمانے میں بصورت اسکیم قلم بند کر لیا تھا اور وہ موجود ہے
 میں اواخر جنوری میں پھر نکلوں گا اور کوشش کروں گا کہ فاتحہ کے لئے اعظم گڑھ
 حاضر ہوں۔ بہ صورت دیگر آپ کو اطلاع دوں گا کہ نسبت کسی قریب تر مقام پر ملاقات
 ہو سکے۔ مولانا عبدالسلام امید ہے بغیریت ہوں گے بحسب مہم شوق۔

ابوالکلام

خدا کھ کرجب پتہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ اعظم گڑھ میں نہیں نکل پڑے ہیں۔
 اب کچھ میں نہیں آتا کہ ملاقات کیوں کر ہو۔ بہر حال آپ جلد کیسویں اختیار کر لیں یہ بہت سب
 ایک ملاقات آپ سے بہت ضروری ہے، کوئی طریقہ بتلائیں۔

— (۶) —

۲۵ رپین لین۔ کلکتہ

صدیقی الاغر

اسلام علیکم۔ شرمندہ ہوں کہ اتنے عرصہ کے بعد آپ کے کارڈ کا جواب دیتا
 ہوں۔ میں وہاں نہ تھا، فریابیس کی شکایت نے ہانکل مجبور کر دیا ہے۔
 مولانا شبلی مرحوم و مغفور کے سکا تیب مشکل ہے کہ اب مل سکیں افسوس ہے
 کہ حج کرنے کا التزام نہیں رہا کچھ لئے تو پرائیمری معاملات یا غزوہ کے متعلق ہیں اور
 ان کی اشاعت غیر ضروری ہے۔

دارالمصنفین کے قواعد اعظم گڑھ سے آئے ہیں مولائے چند وفات کے سب
 بہتر و انسب ہیں۔ اب آپ جلد سے جلد رجسٹر و کرائیں اور عملی کام کی عہدیت نکالیں ایک دو
 سہ یعنی مولانا شبلی مرحوم کے فاتحہ کے لئے جن کا انتقال نومبر ۱۹۹۷ء میں ہوا تھا۔

مے مولانا عبدالسلام مرحوم ندوی۔

آدمی بھی ہوں تو کام شروع کرنے یا چاہئے۔ یہ دیکھا معاملہ تھا کہ اس کے متعلق بالمشافہ
مجتہدین ضروری تھیں۔

ادھر فرستے میں آپ شیخ کو خوش ہوں گے کہ ترجمان القرآن اور تفسیر کا بہت
ساز و سامان ہو گیا۔ نیز شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے سوانح کے کاغذات نکال کر مرتب کر لیے۔ ترجمہ
چھپ رہا ہے اور ترجمہ کا ایک مختصر مقدمہ لکھ رہا ہوں جو گویا مقدمہ تفسیر ہو گا اور
اسلام بہت سی نئی باتوں پر مشتمل ہے۔

ندوہ کی نائب نظامت پر مولوی شروانی کے خدیو میں نے کئی آدمیوں کو استوار
کیا تھا پھر معلوم نہیں ہوا کہ ندوہ کا کیا حال ہے اور آپ کا کیا منشا ہے مولوی شروانی نے
کھانا کھا کہ وہ دارالاحناف میں ہیں۔ میں نے لکھا کہ دارالاحناف میں اسکے لئے مانع نہیں ہے
مجھے خوف ہے کہ آپ پوٹیاں نہیں بلکہ وطن میں ہوں گے۔ لہذا ذرا ہی لکھا نہیں
جی چاہتا ہے کہ دستہ کے تہ سے رجوع ہوں۔

ابوالکلام کان ملندہ

— (۷) —

مکرمی! السلام علیکم
دارالاحناف میں آپ کے اس سلسلہ میں جو کچھ بنانا چاہیں منظور
ہے اس خط پر تادیق نہ ہے، لیکن ظاہر ہے علامہؒ ہی کلمہ فرستے مراد یہ ہے کہ تادیق
بند تھا اور ابلاغ ابھی نہ تھا۔

مطلب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کے سوانح کے متعلق جو کاغذات موجود تھے وہ سب نکال کر جمع کئے
تھے ترجمہ کی پہلی جلد ۱۳۰۵ میں شائع ہوئی اس کے ساتھ جو مقدمہ ہے وہ اگرچہ بہت مختصر تھا
پریشانی کی وجہ سے مختصر ہے۔ اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ مولانا سید سلیمان کو نائب ناظم
مقرر کرنے کا خیال تھا ہے جس پر دیکھا کہ مولانا سید سلیمان کا وطن مالوہ

آنریزری فیلڈ تو ایک عمدہ بات ہے اگر اس میں کوئی جگہ غلطی کی ہو جب بھی میں منظور کروں گا بشرطیکہ کام ہوا اور مجمع صحیح و خالص ۔

مولوی عبد السلام کہاں ہیں ؟ ان سے کہئے کہ خط لکھیں ۔

ابوالکلام

(۸)

صدقہ بقی البقیل الاغفر . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

والا نامہ گرامی پہنچا ۔ مجھے تو خوف تھا کہ کہیں آپ پونا سے روانہ نہ ہو گئے ہوں ۔
” امثال القرآن “ کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے بالکل درست ہی یعنی حالات وقت نزول و طریقہ تشریح و بیانی عربیہ جاہلیہ ۔ یہ دو چیزیں نہ صرف امثال القرآن بلکہ تمام قرآن کے فہم و دہش کے لئے بمنزلہ اساس و اصل کے ہیں اول امثال و اقسام و انواع بیان و مخاطب و تذکیر کے لئے تو اویسی نظر نہیں پر ہونی چاہئے ۔

عمرہ کے بعد مولوی عبدالبہاری کا تذکرہ سننے میں آیا ۔ وہ کشمیر میں تھے اور انگریزی کی فکر میں ۔ معلوم نہیں اس کی تکمیل کا انہیں موقع کہاں تک ملا ۔

دارالمصنفین کے دائرہ کو جس قدر تنگ رکھئے گا اسی قدر وہ حقیقی اور عملی ہوگا دو چار آدمی اچھے کام کر سکتے ہیں ، لیکن مجمع جہلا بے کاسبے بڑی چیز ہے کہ آئندہ ایسے نمونے قائم کئے جائیں جن میں حقیقت ہوا و رحم و ہمدردی سے احتراز کیا جائے آپ دارالمصنفین کو اس کا پہلا نمونہ بنائیے ۔ مولانا عبد السلام کو سلام شوق ۔

فقیر ابوالکلام کان اللہ

معلوم ادیہ ہے کہ قرآن مجید میں جو خالص بیان ہوئے ہیں ان پر غور کے سلسلے میں اول حالات وقت نزول ، دوم طریقہ تشریح و بیان و مخاطب و تذکیر کے چاہئیں ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں محض امثال ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے قرآن کے فہم و دہش کے لئے بہ حترل اساس و اصل ہیں ۔

نمبر ۴۵ پرنس کلکتہ

۲۵ اگست ۱۹۱۵ء

اخ الاغوالجل

الحمد لله على بقاءكم والسلام عليكم

والانامہ پہنچا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں آپ پونا سے چلے نہ گئے ہوں یہ آپ نے
کیونکہ کہا کہ میں آپ کو بھول جاتا ہوں؟ غالباً تو اترو تسلسل طرسلات علان قلبیہ
لئے شرط نہیں ہے آپ یقین کریں کہ جو وہ عہد کے جہل عام اور فساد محیط میں انکا و شر
و فکر کا رشتہ ایسا قوی ہے کہ ہم میں سے کوئی کسی کو بھولنا بھی چاہے تو نہیں بھول سکتا۔

اس ریویو فسی ذکر ہا نکا نکا

تشلی بیسی بک سبیل

ترجمہ القرآن کے متعلق اور امور توحشیں نظر تھے لیکن ہر پر اگر ایسی کیلئے عنوانات
کا قائم کرنا ایک نہایت ہی قیمتی اور مفید ترین چیز ہے، جو آپ نے مجھے شہاد دیا۔ مجھے اس
کا بالکل خیال نہ تھا البتہ رکوع وغیرہ پیشتر سے نظر انداز تھے اصلی رکوع وہی ہے جو
کسی مضمون تسلسل کا ایک مستقل ختم بہ علامت وقف نام نکشا ہو ہفتہ عشرہ میں سورت
بقرہ آجائے گی تو آپ کے پاس بھیجوں گا، لیکن یہ ہے کہ کام سے پہلے جن مشکلات کا علم
نہیں ہوتا وہ کہنے پر اس طرح سامنے آگئی ہیں کہ قدم قدم پر بڑک جانا پڑتا ہے۔

ایک چھوٹی سی بات عرض کرتا ہوں۔ مثلاً امثال القرآن ہی امدان کی
مختلف حالتیں ہیں قلب صورت یہ ہے کہ حرف مثال پر قناعت کی ہی اور دوسرے حکم
تلفک و تعقل کے اور کوئی چیز۔ اصل میں ایسی نہیں ہے جو مشبہ بہ کو دماغ کہے۔ اب اگر ترجمہ
میں بھی وہی شکل قائم رہتی ہے تو فصاحت و تفہیم کے اصل مقصد ہی فوت ہوتا ہے۔ اگر

وضاحت کی جاتی ہے تو اختصار میں زور و بلاغت نہیں اور اطناب میں اصل پر بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے بعض مقامات پر میں تھوڑا بہت نکھریا ہوا ہوں کہ ایسے لفظ جمع ہو گئے جن میں غمنا و ضحاکت ہو گئی اور متن سے بھی بہت زیادہ دور نہ نکل جانا پڑا لیکن بعض مقامات کی مشکلیں بہت سرگرداں کرتی رہیں۔

سورۃ بقرہ مشہور مثال ”مَثَلَهُمْ كَمِثْلٍ الدُّبَابِ اسْتَوْقَدْنَا نَارًا، فَلَمَّا اَوْقَدْنَا اَوْ كَفَّيْتُمْ مِنَ النَّعْمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَبَرْقٌ“ میرا خیال ہے کہ قرآن کریم کی پہلی سورت میں یہ مثال بلاوجہ عظیم نہیں ہے اور دراصل اس کے اندر بہت ہی بڑی تفصیل پوشیدہ ہے اسے محض بعض یہود و منافقین میسر ہے سے تعلق نہیں، بلکہ اپنے عزم و طرات میں نفع انسانی اور ہدایت افزا دوام کی ایک ایسی اصولی تقسیم ہے جس سے باہر کوئی گروہ بانی نہیں رہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ قدما و میں ابن قیم نے اسے غموس کیا اور ”اجتماع جیوش“ کے آٹھ صفحات میں اس پر بحث کی ہے، گو پھر بھی حسب دل خواہ نہیں ہے۔

اب فرمائیے کہ اگر اس مثال کو اردو میں لکھ کر چھوڑ دیا جائے تو کیا اثر ہوگا؟ لیکن اگر مسطور مثال سے ربط باقی رکھ کر مطلب کو بڑھایا جائے اور کھولا جائے تو کس قدر زیادہ اضافہ اصل پر ہو جائے گا؟ علی الخصوص ”اَوْ كَفَّيْتُمْ مِنَ النَّعْمَاءِ“ الخ بہر حال کہ نہ کسی طرح کام کو جاری رکھا۔ یہ کام دراصل یوں تھے کہ باہم کئی ہوتی ہے اور دیر تک محبتیں اس باب سے ہیں کی جاتیں لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تو جس حال میں جو کچھ ہو جائے اور توفیق مساعد ہو اسی پر شکر کرنا چاہیے۔

لہذا ”اجتماع جیوش“ اس سیریلو اور تفسیر کے صفحہ ۱۷۷ پر بحث شروع ہوتی ہے اور بلاشبہ ایسے نکتے بیان فرماتے ہیں جو کہ کوئی مثال پیشتر یا بعد میں نہیں ملتی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سوانح موجودہ ٹونک کی خبر سے کہ آپ نے مجھے بے چین کر دیا۔ لیکن ہے کہ اس میں کچھ حالات ہوں۔ تعانیف میں خاندان دغیرہ کی تعمیل ملتی ہے لیکن سلطنت منلیہ کے آخری عہد میں ان کے ساہا سال کیونکر بسر ہوئے اور ایک شخص جسے ہم عہد شاہ عبدالغفور میں دیکھتے ہیں، علانیہ زندگی بسر کر گیا؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مولانا شبلی کی بدولت مجھے ایک عمدہ شے ملی اور میں نے نقل لے لی، یعنی ذخیرہ دائرہ الہ آباد۔ شاہ صاحب کے لئے اس سے زیادہ نہیں ملے گا۔

لیکن خدا رکستی قدر مفصل لکھے کہ ٹونک کی نسبت کس نے کہا؟ کس کے پاس ہو؟ ٹونک میں اپنے بہت سے خصوص و احباب میں نیز حکیم برکات احمد صاحب سے باوجود تو بہت خط و کتابت ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تم ایک اچھی قسم کے گوارا دہالی ہو۔ لیکن ہوان کے ذریعہ کام نکلے۔ یہ ہر حال اپنی معلومات نسبت رسالہ ٹونک مفصل لکھیں۔

”اہللال“ کا وہی حال ہے جو میں نے آپ سے کہا تھا، گو آپ لوگوں نے کبھی میرے اس وعدہ کو صحیح نہیں سمجھا کہ میں دوبارہ جاری کروں گا ”البعثۃ البلاغیہ“ بلکہ ترجمان ”اتے پریس جب میں چاہوں قانوناً قائم کر سکتا ہوں اور جب چاہوں ان میں اہللال چھاپ سکتا ہوں۔ ان میں ضرورت ایک کو اختیار کیا ہے اور اب تک کی بات ہے تفسیر القرآن باسم ”البيان فی مقاصد القرآن“ ماہوار رسالے کی شکل میں نکلے گی یہ

لے اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کے سوانح کے لئے بہت پہلے سے تیاری کر رکھی تھی۔ ان بارہ کے دائرہ شاہ اجل کے ذخیرہ میں شاہ صاحب کے متعلق جو کچھ محفوظ تھا، فرماتے ہیں اس سے زیادہ اور کس کیلئے گا؟ لکھ اس مکتوب سے ظاہر ہے کہ ”البعثۃ“ کے اجرا کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ نومبر ۱۹۰۹ء میں یہ جاری ہوا ساتھ ہی بیان ”فی تفسیر القرآن“ کا اشتہار بھی کیا۔ مولانا امجد علیؒ نے اس کے بعد مدتوں کی بنیادوں کو حکم نہیں کر پائے تھے کہ آخر کار حکم جاری ہو گیا اور سب کچھ چھوڑ کر انہیں لٹنی چھوڑنا پڑا۔

مگر میں یہ کہوں تو کیا آپ اسے سچ سمجھیں گے کہ میرا جی آپ سے ملنے کی بہت چاہتا ہے اور آپ کی یاد ہمیشہ اسی طرح آتی ہے گویا میں اپنے حقیقی بھائی کی نسبت سوچ رہا ہوں؟
 قضاہا الغیری وابستلا فی بحبھا

آپ نے کھا ہے کہ آپ اکتوبر سے فارغ ہیں، لیکن پوناسے کہاں جائیں گے؟
 اعظم گڑھ یا وطن؟ اگر دس دن کا قصد ہو تو اس سے کلکتہ دوڑ نہیں اور ویسے تو پونہ اور
 اعظم گڑھ سے بھی ایک ٹو بجت میں بندہ قرب ہو سکتا ہے۔

دارالمصنفین کے لئے بہت ضروری ہے کہ اسے حقیقت اور اہلیت کا نمونہ
 بنایا جائے اور اس کے دائرہ کو اتنا وسیع نہ کیا جائے کہ میٹر، اہل قلم اور غیر مضمون نگار
 مصنف ہو، ورنہ سب کچھ بے سود۔ وہ وقت ابھی ہے پیرا کرنا چاہیے کہ اس کا نام سند
 اور ساریفکٹ کا کام دے۔

فقیر ابو الکلام کالی اللہ

— (۱۰) —

اخ الجلیل الاغر، انعم اللہ علیٰ بقائک
 خط پہنچا۔ ایسی حالت میں کہ آپ کے عدم تعین مکان و عالم اطلاق مقام سے
 محنت پریشان تھا اور حیران تھا کہ کیونکر خط و کتابت کروں۔
 بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ میری فرصت موجودہ اب قریب الاختتام کی کیفیت
 ابھی جس طرح ہلکت دے کر اپنا کام کرانا چاہتی تھی، اسی طرح آخری وابستلا رکھ
 بیچ کر کوئی عظیم الشان مقصد پورا کرنا چاہتی ہے۔ آنا رکھ گیا ہیں اور علامہ قطعی

لے دس کتب میں سال ۱۳۵۷ء تھا۔ چنانچہ اہل شہادت کی بنا پر مدح کر دیا اور یہ
 بالکل درست ہے۔

اخبار موقوف اور اطلاعات معتدلیہ تاہم سب کچھ جس کے ہاتھ میں ہے اور میں نے اس دور حیات میں بڑے بڑے کرشمے دیکھے ہیں پس کچھ نہیں کہنا جا سکتا کہ کل ٹھیک ٹھیک کیا ہو گا اور وہی ہو جس کی مرضی ہے اسی حالت میں بہت سوچتا ہوں، لیکن آپ کے سوا کس کو نہیں پاتا، جو سے امید رکھوں۔

مدت ہوئی جب آپ کلکتہ میں تھے اور ایسے ہی ایک اطلاع ملی تھی شب کو میں نے آپ کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور آپ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا خدا را سے سامنے لیجئے اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے وقعت دیجئے لیے میں نہیں چاہتا کہ آپ اسی وقت اپنے کاموں میں کوئی تبدیلی کیجئے۔ البتہ اگر آپ بذریعہ تحریر مجھ سے وعدہ کریں کہ جب وقت آئے گا تو آپ سب کچھ چھوڑ چھار کر صرف ایک کام کے ہو رہیں گے تو میں بڑی ہی تسکین پاؤں اور اطمینان کے ساتھ آنیوالی حالت کو قبول کر لوں۔ وہ تسکین جو بدبختی سے اور کسی کے پاس نہیں۔

آپ مجھ سے بلا تاخیر بذریعہ تحریر وعدہ کریں کہ اگر میری نسبت آپ کو کوئی نئی خبر ملے تو آپ کو پہلا کام یہ ہو گا کہ فوراً کلکتہ آئیں اور ”البلاغ“ کو جو نگل چکا ہے (اور انشا اللہ محفوظ رہے)

اسے یہ مکتوب نظر نما میرے ۱۹۱۵ء کے آخر یا ۱۹۱۶ء کے اوائل کا ہے جب ”البلاغ“ نکل چکا تھا اور دارالارشاد جاری ہو چکا ہے معلوم ہوتا ہے مولانا کو معتبر ذرائع سے اطلاع ملی گئی تھی اور ان کے لئے بنگال سے اخراج کا حکم جاری ہو نہیالہے اور انہیں پریشانی تھی تو یہ کہ کسی طرح کاموں کے خصل جلدی بہنے کا بندہ بہت ہو جائے۔

اسے یہ غالباً اس زمانے کی بات ہے جب حیدر سلیمان مدویؒ البھول کے شافی میں شامل تھے اور میرؒ انھان کے مطابق یہ زمانہ چند مہینے سے زیادہ کا نہ تھا۔ غالباً وہ ٹکی یا جون ۱۹۱۶ء میں شریک ہوئے اور اکتوبر یا نومبر میں الگ ہوئے۔

اپنی ایڈٹری میں لے لیں اور ایک خالص دینی و اسلامی مسئلے کی شکل میں سے اس کے
 خصائص کے اسی کو جاری رکھیں۔ کسی پر خطرہ راہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، جنگ
 پر ملے نئی کی ضرورت ہے۔ صرف قرآن و سنت کے معارف و دعوت کو باندھنا
 و اصولی مخصوص "ابلاغ" جاری رکھنا چاہئے اور جب تک اس طرح کیا جائے گا۔
 اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

یہاں تمام لوگ آپ کے استقبال کے لئے منتظر ہیں گے اور وہ آپ کا اسی طرح
 ساتھ دیں گے، جس طرح میرا ہے رہے ہیں اور اسی طرح حکم مانیں گے اور اٹھتے رہیں گے
 جیسے میرے رہتے ہیں۔

دوسرا اس سے بھی اہم مسئلہ "وارالاشاد" کا ہے۔ افسوس کہ یہ بہت دیر میں
 شروع ہوا اور اس کی نامی کا داغ بڑا ہی داغ ہو گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہو گا تاہم
 اگر قرآن حکیم اور علوم اسلامیہ کا درس ان اصولوں پر جو آپ سے پوشیدہ نہیں، آپ جاری
 رکھ سکیں اور لکھ دیں تو وہ بھی بہ صحت موجودہ آپ کے تعارف میں آجائے گا اور پہلے
 کام سے بھی بڑھ کر کام ہو گا۔ اگر آپ نے اسے بند نہ ہونے دیا تو جو لوگ یہاں مقیم ہیں
 ان کے تمام ضروریات سب بدستور ہیا رہیں گے۔

ضرورت صرف اس کی ہے کہ قرآن حکیم پر تفسیر بالرائے و عقلیت سے مل جائے
 کہ احادیث ناقابل انکار کا ساتھ دے کر، لغت و ادب کی بالکل نئی تحقیقات و کاوش
 سے مدد لے کر (جس سے نصف مشکلات حل ہو جاتی ہیں) قرآن کے حقائق اجتماعی کے
 انکشاف پر زور دیکر اور اس کے دس کو تمام مسائل و عقائد و اعمال ہمہ اقوام و اہم و ہلات مسئلہ

طہ داماد شاہد کی بنیاد رمضان ۱۳۳۳ھ (جولائی ۱۹۱۵ء) میں رکھی تھی اور ذی حرج ۱۳۳۳ھ
 داکتوبر ۱۹۱۵ء سے اس شروع ہو گیا تھا۔

اصلاح و تبلیغ، اہل اسلام پر محیط مکر کے درمیان قرآن کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور مسائل اصلاح و تبلیغ، نیز تمام علوم اسلامیہ پر محنتدانہ لیکچر دیئے جائیں۔
 اگر آپ ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں تو "دارالاشادہ" بھی مع کتب خانے کے آپ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ تاکہ آپ اس کو قائم رکھیں اور جب تک خدا مجھے دوبارہ ہمت نہ دے آپ میرے بعد کاموں کو انتظام سے چالیں۔

زندگی چند روزہ ہے۔ ہم سب کو خدا کے حضور میں جان بے جا اپنے فرائض کے متعلق جواب دہی کرنی ہے۔ کام نہ میرا ہے، نہ آپ کا۔ اگر آپ نے اس خط کے پڑھنے کے ساتھ ہی تحریری وعدہ بھیج دیا تو میں مطمئن ہو جاؤں گا "وہ نہ انشاء اللہ دعوت حق رکھنے والی نہیں۔ وہ غیب سے کسی نہ کسی آدمی کو اس کے لئے بھیج دیگا اور اس نے ہمیشہ بھیجا ہے۔"

"ابلاغ کے علاوہ بالکل علیحدہ ایک مستقل سلسلہ کا روزانہ اخبار "اقلام" بھی جاری ہوا ہے۔ وہ بھی آپ کے تحت ہو جائے گا اور ایک بڑا اسٹاف اپنے ماتحت آپ پائیں گے۔ امید ہے کہ دارالافتابین وغیرہ اس میں ماننے نہ ہوں گے کیوں کہ اس کو تو ہر حال میں قائم رکھ سکتے ہیں۔"

فقیر ابوالکلام کان اللہ

لے اس سے اعجاز کیا جاسکتا ہے کہ مولانا کے نزدیک تفسیر قرآن کے اصول و مباحث کیلئے۔
 علیہ یہ رفقاء اخبار مولوی محمد امجد علی احمد صاحب نے لکھتے سے جاری کیا تھا۔ انہوں نے کہتے ہیں کہ
 کچھ لکھنا غرض نہیں میں چند چھوٹا اور مولوی محمد امجد علی احمد صاحب کے وطن آفس پر آمدم جو
 گئے۔ یہاں انہیں نظر بند کر دیا گیا۔

ڈاک بنگلہ۔ رانچی

۸ مارچ ۱۹۲۶ء

برادر م السلام علیکم

میں سر دست رانچی آ گیا ہوں۔ "ابلاغ" جاری رہے گا۔ آپ اور تو کچھ نہیں کر سکتے کم سے کم اتنا کیجئے کہ ہر دو ہفتے میں ایک مضمون بقدر آٹھ کالم کے بھیج دیا کیجئے اور مولوی عبد السلام سے کہئے کہ ہر دو ہفتے میں وہ بھی ایک مضمون آتی ہی مقدار کا لکھ گن بھیجیں۔ اس طرح دو قالم کا انتظام ہو جائے گا۔ باقی تین قالم خود لکھوں گا یا مولوی عبد السلام صاحب سے کہئے کہ یا تو علی ذوق سے لکھیں یا سادہ منہ لیں۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔ کم سے کم چند نمبر تک تو ایسا کیجئے۔ اس کی نسبت میں کچھ نہیں لکھتا کہ ایسا کرنا کہاں تک ضروری ہے یہ اس پر آپ خود غور کر سکتے ہیں۔

"ابلاغ" کے ابواب آپ کو معلوم ہیں، اختلافات ماحول حسنہ، مذکرہ طبع، انتقاد، تاریخ و غیرہ۔ ان کے مقابلہ میں آپ کو معلوم ہیں۔ باب التفسیر میں خود لکھا کروں گا۔ براہ عنایت جلد جواب دیجئے۔ زیادہ وقت و فرصت نہیں۔

افسوس کہ بارہ روز میں قلم شروع و غل کے کاموں کو جاری و باقی رکھنے والا کوئی نہ نکلا۔ اور تمام چیزوں کے لئے بجز اللہ لوگ مستعد ہو گئے، اس کے لئے کوئی نہیں۔

خیر ابوالکلام

یہ بنگال سے اخراج کے بعد رانچی پہنچنے کے بعد یہاں مقرب ہے اس وقت تک خان کا کوئی انتظام ہوا تھا۔ مولوی ڈاک بنگلہ میں شہرناہ تھا۔ بعد ازاں مکان کا انتظام کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح خانہ کے جلدی پہنچنے کا کیا مکان تھا؟ چنانچہ مولوی ڈاک کے بعد کوئی بھی نہیں رہا۔

راچی (بہار)

۱۷۔ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

(۲۶۔ جون ۱۹۱۵ء)

صدر اعلیٰ العزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 "انقلاب الامم کے لئے شکر ہے۔ ایسی ہی مصلیٰ اور گرل ہمش کتبوں کا سلسلہ جاری رہا تو آپ کا مجھے وہ کام کرے گا جو انجمن سازوں سے آج تک نہ ہو سکا۔
 "انقلاب الامم" کو جو نہیں کھولا تو دریا چمکے صفحہ ۱۱ پر فریڈریشی اور ایک سخت طبعی نظر آئی۔ مولوی عبدالسلام صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے: **وَالنَّاسُ بَشَرٌ لَّنَا فِیْھُمْ فِرْحُونٌ** اور پھر اس سے ایک خاص استدلال کرتے ہیں اور کتاب کے بیان کردہ اصول سے قرآن کو تطبیق دیتے ہیں۔ میں حافظ نہیں ہوں لیکن جہاں تک حافظہ کام دیتا ہے قرآن اسی جملہ سے بری ہے۔ مولوی صاحب کے حافظہ نے دھوکا کھا لیا۔ آیت **لَّنَا فِیْھُمْ فِرْحُونٌ** کا ترجمہ ہے: **بَشَرٌ لَّنَا فِیْھُمْ فِرْحُونٌ** یہ دو جگہ ہے۔ سورہ مؤمنون میں اور سورہ یس میں۔ والناس ہاں لہم فیرحون کہیں بھی نہیں ہے بہتر تھا کہ وہ تحریر کے وقت قرآن کی طرف رجوع کرتے تھیں کہ آپ نے بھی اس مصلیٰ کو محسوس نہیں کیا۔

پھر ان کا استدلال اسی طرح نہیں، بحث یہ ہے کہ ہر قوم کا غلط و امیال اور رجحان و امیال کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور اس کی تمام حیات اجتماعیہ اس کے مطابق ہوتی ہے۔ یہاں وہ غیر اس کو کام کی فطرت و تقابلی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس اصول کو اہل آیت کریم سے کوئی تعلق نہیں، نفیاً و اثباتاً، کیونکہ اس میں تو انسان کو اس کی فضائل و اخلاق و قدر و فرق و تشکیلات و تخریب پر ملامت کی گئی ہے، جس کو جابجا قرآن **بَشَرٌ لَّنَا فِیْھُمْ فِرْحُونٌ** سے تعبیر کرتا ہے اور یہ مصلیٰ قرآنی یہ ہے کہ اللہ کی شریعت نے لوگوں کو ایک ہی ذمہ مساوت

کی طرف بلایا اور وحدت و تالیف و جمعیت کی دعوت دی، لیکن یہ ہیں ہم وہ ایک ہو کر کچھ تفرق و تشتت بر گئے اور اسی طرح ہدایت کے بعد ضلالت اختیار کی۔ پھر کیا ہی اقام کی فطرت اجتماعی اور اس کے خصائص و امتیازات کی بحث جس کا وجود ناگزیر اور اس کو موجب تکمیل ہے اور کہاں غافلین شرائع کی ضلالت تشتت و تفرق جس پر قرآن تم کڑا ہے سورہ مومن میں اس آیت کا سیاق و سباق ہے ۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ
 أَمَةً وَأَوْثَمْنَا إِلَىٰ رِبَاطَةِ ذَاتِ قُلُوبٍ رَّوْمَعِينَ يَا أَيُّهَا الرِّسَالُ
 كَلَامُكَ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاجْتَنِبُوا مَآلِحَ الْإِنِّ بِمَا تَعْمَلُونَ عِلْمٌ، وَاق
 لَهْذِهِ امْتَكُمُ امْتَدَّ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا رِبَكُمُ فَاتَّقُونَ فَتَقْطَعُوا الْعَرَمُ
 بَيْنَهُمْ نَبْرًا كُلَّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ فَذَرْنُهُمْ فِي غَمَرِهِمْ
 حَتَّىٰ حِينٌ ۚ

سورہ روم میں یوں ہے ۔

وَاتَّقُوا وَاقْبُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ

فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شُعَبًا كُلَّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝۱۰

آپ ان دونوں موقعوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو کر اقام
 گذشتہ کا ہدایت الی صراط مستقیم کے بعد اتباع سبل متعدده و تفرق و تشتت پر مائل ہونا
 بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اصل دین و تعلیم الہی وحدت و تالیف تھی، مگر انسانوں نے
 اپنی ضلالت کی وجہ سے راہ تود و اختیار کی۔ کل حزب بما لَدَيْهِمْ فَرِحُوا یہاں کی
 کسی فطری حالت کی خبر نہیں دی گئی بلکہ سیاق و سباق و نظم بیان بتلا رہے کہ ان کے تفرق
 ہو جانے اور ہر گز وہ کے اپنے کو برہر حق سمجھنے اور اس پر قانع و مسرور رہنے کو برہر ہمت
 بیان کیا ہے عادیہ صراحت کی واضح ہے ۔

”عارف“ میں جو مضامین چھپتے ہیں ان میں بھی بعض اوقات ایسی غلطیاں رہ رہ جاتی ہیں جن پر مخالفین اعتراض کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود تمام مضامین کو نہیں دیکھتے۔ کچھ دنوں مولوی عبد القادر لوطی کا ایک مضمون ابو حمزہ صہبائی صاحب تاریخ ملوک الارض پر چھپا تھا اور کسی پارسی کے انگریزی مضمون کا ترجمہ تھا اس میں حاجی سامانی کی کتاب الانساب کا حوالہ دیا ہے حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ کتاب الانساب سمرانی کی ہے نہ کہ سامانی کی۔ انگریزی میں الفاضلین کا فرق شکل ہے، اس لئے یا تو مضمون نگار نے یا مترجم نے سمرانی کو سامانی سمجھ لیا، لیکن آپ کو درست کر دینا تھا بات بالکل واضح تھی۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

فیقر ابوالکلام کان اللہ

— (۱۳) —

راجی

صدر نقی الغریز الاجل !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ پہنچا۔ آپ لکھتے ہیں کہ مجھے علم نہ تھا کہ یہ سلسلہ مراسلت جاری رہتا ہے آپ ایسے باخبر کی یہ مایوسی تعجب انگیز ہے مجھ سے پہلے اور لوگ نظر بند ہو چکے ہیں اور انکی نسبت آپ کو ضرور معلوم ہے کہ نہ یہ احتساب خط و کتابت کر سکتے ہیں اور کیوں جناب اگر واقعی ایسی حالت ہو جائے سلسلہ مراسلت کا اجزاء و مضموع ہو تو جب تو آپ قطعاً مجھے خط نہیں لکھیں گے جیسا کہ بنیال سید اینا مراسلت قیض اب تک نہیں لکھا؟ یہ آخری بات مخلص مرزا لکھی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ میں خود اس بارے میں احتیاط کرتا ہوں۔ زمانے کی حالت دوسری ہے لوگ اپنے مسائل سے بھر سکتے ہیں اور یا ان کیلئے اگرچہ قیمن و اثبات کے طالب ہیں

گمراہ رہنے کے وہم و خیال کو کافی سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں بیکار کسی ایسے شخص کو خط لکھنا، جس نے خود نہ لکھا ہو، اس پر ناقابل محسوس ہو جھوٹا انا ہے نظر بند ہی کے بعد میں نے خود اپنی طرف سے پیش قدمی چھوڑ دی ہے جو لکھتا ہے، جواب دیتا ہوں جو خاموش ہے اس کو بولنے پر مجبور نہیں کرتا۔

آپ کو بھی میں نے کوئی خط نہیں لکھا۔ معارف کے ایک پرچہ کی ضرورت ہوئی تو دفتر کے نام کاروباری قسم کا خط لکھ دیا۔ اب جب کہ آپ نے کتاب میں بھیجیں اور ایک فروگزاشت نظر آئی تو ضروری معلوم ہوا کہ کتاب کی اشاعت سے پہلے عرض کر دوں۔ یہ آپ نے خوب کیا کہ چٹ چھو کر تصحیح کر دی، لیکن اصل تنبیہ لال کی تصحیح کا اب کوئی علاج نہیں اور وہ کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔ قرآن سے اس طرح کا استنباط کرنا قطعاً تحریف معنوی میں داخل ہے۔ کجا آیت کا سیاق و سباق و معنوں اور کجا یسبان کا اصول! اصل سوال یہ ہے کہ اس آیت میں بیان واقعہ و خبر محض ہے یا اس پر ملامت کی گئی ہے؟ کل حزب الم نصف لکم ابے فقط و امرھم بینھم زیبا کا اور اس میں اس عنوانات اختلاف و تفریق پر ملامت کی ہے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہے اور جس کو دور کرنے کے لئے نبیلے کرام آئے ہیں۔ پھر کیا انبیاء اس لئے آئے ہیں کہ اقام کی فطرت کو مٹائیں؟ ہما لدیہم اختلاف مزاج و رجحان و امیال و غیرہ نہیں بلکہ الذین فترتہم بینہم و کانوا اشیعاً لست عنہم فی شئی ام۔

اب میں نے پورے مقدمہ کو دیکھا۔ افسوس کہ صرف یہی استدلال نہیں بلکہ قرآن و

اس سطور میں تفصیل ملاحظہ ہو۔ ۳۶ جون ۱۹۷۷ء کے مکتوب میں۔ حوالہ تا یہ میلان نے غالباً لکھا تھا کہ قرآن کی آیت کی تصحیح کر دی گئی مگر تا فرطے ہیں کہ اصل معاملہ استدلال کا ہے۔ قرآن سے اس طرح کا استنباط تحریف معنوی ہے۔ اس کی تصحیح کیوں کر ہو؟

حدیث سے لیباں کے اجتماعی اصولوں کے استنتاج و تطبیق کی تہن کو شیش کی ہر سب
عمل نظر ہی اور قریب قریب زبردستی کی تاویل۔ مگر وہ چاہتے تو اس سے زیادہ مؤثر و متاثر
لکھ سکتے تھے۔ یا تو ان مباحث کو عملی نظر سے لکھ کر چھوڑ دینا چاہئے یا لکھنا چاہئے تو اسی طرح کہ
قرآن ان مباحث کے مقابلے میں اگر بھیکا اور بے اثر نہ نظر آئے۔ اگر تیری خوانوں
پراس کا اٹا اٹا پڑتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اتنا ہی ہی تو کچھ بھی نہیں۔ مولوی
عبد السلام صاحب نے اصل کتاب کا ترجمہ اتنا پر زور و مؤثر، بلیغ اور دل چسپ
کیا ہے کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ یہ کافی تھا اور مقدمہ میں قرآن کو لیباں سے
نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس ابن خلدون وغیرہ بہت مناسب اور بہتر تھا۔ بہر حال
خوشی اس کی ہے کہ ایک عمدہ اور علمی کتاب اردو میں شائع ہو گئی۔

اسی احمد فقی زغلول نے ایک اور کتاب کا ترجمہ کیا ہے، سو تقدم الانکلیز
السکسونین۔ کتاب اس درجہ علمی نہیں لیکن تربیت و تعلیم و ارتقاء اہم کے مسئلہ پر
بہت ہی مفید اور ضروری ہے اگر اس کا ترجمہ بھی آپ شائع کر دیں تو بہت بہتر ہے اگر
آپ کے پاس نہ ہو تو میں بھیج دوں۔

ابوالکلام

— (۱۴) —

راغی (بہار)
۱۲ مئی ۱۹۱۹ء

صدیقی عزیز السلام علیکم

آج بعض مسائل کی نسبت سخت غمراہی پھیل رہی ہے اور اگر اس کا سبب اب نہ
ہو تو ایک نہایت مفید و رواۃ کھل کر بند ہو جائے گا۔ اس کے متعلق میں نے ایک مختصر
تحریر اخبارات میں شائع کرانی چاہی تھی، لیکن لکھنا شروع کیا تو بہت بڑھ گئی اور اب اجازت

کے لئے حد تحمل و اندراج سے باہر ہو گئی۔ مجبوراً آپ کو بھیجتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ حتی الوسع جلد اور بہ عنوان مناسب اس کی اشاعت کا انتظام ہو جائے گا۔

صورتیں اس کی دو ہیں، ایک یہ کہ معارف میں نکل جائے، اگر آپ پسند کریں لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ اس ماہ کا نمبر عنقریب شائع ہو نبوال ہو گا۔ اس میں گنجائش نہ ہو گی اور آئندہ ماہ پر دکھا جائے تو بہت زیادہ تاخیر ہو جائے گی اور مقصود بہ وجوہ مضارع تعمیل ہے بلکہ جتنی دیر باوجود تکمیل تحریر بھیجنے میں بہ وجہ قیود و حد ہو گئی، اسکو بھی نہ ہونا تھا۔ میں اگر اس ماہ کے نمبر میں اس کا اندراج ممکن ہو، اقل نصف اول قاس کی کوشش کیجئے۔ نصف ثانی آئندہ نمبر میں نکل جائے گا۔ اگر اس کا موقع باقی نہیں رہا ہے تو پھر ایک صورت اور ہے یعنی اس تحریر کو نسبتاً خفی قلم اور زیادتی سطور و سطر کے ساتھ لکھوا چھپوا کر بہ صورت ضمیمہ زائد کے اسی نمبر سے ساتھ نکال دیا جائے اور چند دنوں کے لئے اس نمبر کی اشاعت ملتوی ہے۔ اس صورت میں میرا دوسرا مقصد بھی حل ہو جائیگا یعنی مستقلاً بہ شکل رسالہ بھی اس کی کچھ کاپیاں چاہتا ہوں۔ پس وہی ضمیمہ تین سو الگ بھی معمولی کاغذ پر چھپوا لیا جائے۔ علیحدہ ٹائٹل اس پر لگا دیا جائے گا۔

اس صورت میں معارف کے زائد اوراق اور علیحدہ رسالہ کے لئے، خوشیکہ حقیقہ یہ نمکڑا چھپے، اس کی اجرت و خرچ میرے ذمہ ہے، کیونکہ ”معارف“ پر اس کی معین ضحاک سے زیادہ بوجھ نہیں پڑنا چاہئے اور بہ ہر حال مجھ کو چھپوانا ہی ہے۔ رقم مطلوب ہو آپ مجھے مطلع کریں تاکہ بھیج دی جائے۔ اگر ایسا ہو تو موجب کمال تشکر ہو گا۔

لیکن اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نکل نہ ہوں تو پھر ازراہ غایت جہل تک جلد ممکن ہو اس کو بہ صورت رسالہ چھپوا دینے کا انتظام فرما دیجئے۔ پانچ سو نسخے کافی ہوں گے مطبع ثعالبی میں چھپے اور اگر کسی وجہ سے وقت ہو تو لکھنؤ یا کانپور میں چھپوا دیجئے۔ مطبع ثعالبی میں چھپنا تو بیع کی طرف سے آپ کی موجودگی اطمینان دلاتی کیونکہ جو سودہ بیچ رہا ہوں وہیں

کاٹ چھانٹا جا جائے۔ اسی صورت میں بھی فوراً اجرت طاعت سے مطلع کیجئے تاکہ روپیہ بھیج دیا جائے۔

مقصود اصلی اشاعت اور جلد اشاعت ہے۔ اگر الگ چھپے تو تقطیع "معارف" سے چھوٹی رکھی جائے یعنی "خزن" کی تقطیع کا غرض معمولی ہونا چاہئے اور خط زیادہ چلی نہ ہو۔ ایک اور ضروری بات ہے ابتدا میں چوں کہ خیال نہ تھا کہ تحریر بڑھ جائے گی اس لئے بلا فصل و عنوانات محض نمبروں کی ترتیب سے لکھنا شروع کیا گیا، لیکن اب دیکھتا ہوں تو تحریر بہت بڑھ گئی اور بیچ میں کہیں موڑ نہیں۔ چرچنے والے اکتا جائیں۔ پس اب عنوانات کا قائم کرنا تو خالی از اشکال نہیں، البتہ جب کاتب لکھنا شروع کرے تو اتنی ہدایت کر دی جائے کہ تحریر میں جہاں جہاں سے نیا نمبر شروع ہوتا ہے، وہاں میں اسطورہ وسط میں صرف لفظ فصل علی قلم سے لکھ دیا جائے اور نمبروں کو نکال دیا جائے۔ معسودہ ہی یہ، ایسا بنا دیا جائے۔ اس طرح کل بائیس جگہ لفظ فصل آئے گا کیونکہ کل بائیس نمبر ہیں۔ امید ہے کہ اس بارے میں پوری توجہ کام میں لائیں گے۔

ابوالکلام

— (۱۵) —

رانچی (بہار)

مئی ۱۹۱۹ء

صدر نقی العزیز الاسلام علیکم

قلبی یحیٰ شفیق جانہ مستحق — ایک ہفتہ سے زیادہ زمانہ گزرا کہ ایک رسالہ جریدہ بھیجا گیا۔ اب تک جواب در سید سے عروم ہوں چرانی ہے کہ کیا معاملہ ہی شاید آپ لکھنؤ کے محلہ کے معارف میں بہ دستہ باقی ہے امید یقیناً افسوس کے طالب میں بہتر ہوتے تھے یہ اس معنوی کا ذکر ہے جو غرضاً اور غیر مسلم کے غرضاً ہے نصف معارف کے ملحق نمبر میں اور نصف جوہر میں شائع ہوا تھا۔ یہ یقیناً مساجد اور غیر مسلم کا ذکر ہے۔

عظیم گندہ میں نہ ہوں، رمضان المبارک کی وجہ سے وطن گئے ہوں لیکن اتنی مدت گندہ چکی ہے کہ خطا عظم گندہ سے آپ تک پہنچ سکتا تھا اور وہاں سے جواب نہ سکتا تھا۔ بہر حال حقیقت حال سے جلد مطلع کریں۔ اگر کسی وجہ سے رسالہ مذکور کی اشاعت کا سامان نہ ہو سکے تو بلا تاخیر بیرنگ دار و ذخیرہ الطاف حسین صاحب سکریٹری انجمن مدرسہ اسلامیہ اپر بازار رانچی کے نام بھیج دیں۔ یہ وجہ جلد از جلد اس کی اشاعت مقصود تھی مگر مشیت الہی کیلئے بود دیگر سے تاخیر ہوئی گئی۔ پہلے یہاں حصول اجازت وغیرہ میں، پھر آپ کی طرف سے بھی جواب نہیں ملتا۔ بہر حال طالب جواب ہوں اور خاموشی سخت موجب اضطراب۔

ایک اور ضروری معاملہ کے لئے لکھتا ہوں۔ مولوی فضل حق صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ کاندھلہ سے قطع تعلق ہو گیا ہے وہ ڈھاکہ اور کلکتہ جانے کے لئے مستعد تھے۔ مگر خیال ہوا کہ اگر دارالعلوم ندوہ میں قیام ہو تو بہتر ہوگا۔ دارالعلوم میں پرنسپل و صدر مدرس کی جگہ خالی ہے ایک زمانہ میں مولانا شبلی مرحوم ان کو بلا ہے تھے اور کلکتہ میں میرے مکان پر گفتگو ہوئی تھی۔ علوم دینیہ و معقولات میں آج ممتاز سمجھے جاتے ہیں اور تجربہ کاد و غیر متعصب و خوش تقریر و مدبر ہیں باقی علوم دینیہ میں جو حال اکثر مدرسین وقت کا ہے وہی ان کا ہے اصلاح تعلیمات و تغیرات کی ضرورت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں مولوی سید عبدالحی صاحب کو خاص طور پر بتا کر تاکید لکھیں کہ وہ جلد بلا لئے جائیں۔ بہر طرح بہتر و موزوں ہوگا۔

رسالہ وغیرہ کے تعلق جو کچھ لکھنا ہو دار و ذخیرہ الطاف حسین صاحب کو لکھئے مولوی سلطان رحمت پر بھوپال چلے گئے اور وہ معاملہ دار و ذخیرہ صاحب ہی سے اب متعلق ہے۔

صدقہ تقی العزیز۔ السلام علیکم

موانی خواہ ہوں۔ جو اب میں بیت تاخیر ہوئی لیکن بلا عذر نہ تھی مولوی مسعود علی صاحب نے ازراہ عنایت میرت وغیرہ بھیج دیں جس کے لئے شکر گزار ہوں۔ دارالافتاء سے تحائف تو ہمیشہ پہنچتے ہیں لیکن کبھی کوئی بل نہیں آیا۔ آخر آپ کے کوئی سالانہ یا سہ ماہیہ نہیں بھیج رہی جلسہ کے موقع پر ملاقات کی امید تھی مگر پوری نہ ہوئی۔ تہذیبہ الامام بھی دکھایا آپ کے عہد و غم کا حال پڑھ کر بہت افسوس ہوتا۔ مجھے یہ تفصیل معلوم نہ تھی لیکن آپ کی شاہوانہ مایوسیوں سے شغف نہیں ہوں۔ اداس و احوال میں ایسے ہی احساسات ہوتے ہیں لیکن فاقہ معائنہ بن قدم کے بعد خود بخود طبیعت سکون پذیر ہو جاتی ہے آپ نے لکھا کہ معنوی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر یہ قول آپ کے معنوی زندگی کے لئے مادی مرقع سامان و محرکات ناگزیر ہیں بعد از یہ قول آپ کے چاک دامن کے لئے ایام گل کا اشارہ، تو بدتر تک خود ہی طبیعت اس کا انتظام کرے گی۔ آپ گھبراہٹ میں نہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ہنگامہ آرائیوں کی شرکت چھوڑی۔ پنج یہ ہے کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ سوقت مزاج متلائے بحر ان بے ترک علاج ہی شاید علاج ہو آپ کا عمل ابو ثعلبہ والی وصیت ہے۔ حتیٰ اذا ساء ما یقیم شحاتاً طاماً و صوفتہا و اعجاب کل ذی رای برایہ، فعلیک بنفسک و دہجہ منک امر لغوام اعجاب کل ذی رای برایہ کا فتنہ موجودہ فتنہ سے بڑھ کر ادا کیا ہو سکتا ہے۔ پہلے فتنہ استبداد تھا۔ اب فتنہ حریت ہے۔ علم، اخلاق، مذہب، تقویٰ، جہاد نفس کوئی شے بھی زمانہ کو مطلوب نہیں صرف چند افغانا مجبور کی ضرورت ہے۔ جو شخص ان فتنوں کو بلند نہ کرے بلکہ اسے چلانے پر

لے غالباً اسی کی حالت کا ذکر ہے۔

امام العصرؑ ہے۔ مقامات مقدسہ ”نظر بندین اسلام“ قربانی کا وقت آگیا صرف ان لفظوں کی بغیر مزج معافی پرستش ہو رہی ہے۔ شاید ایسا ہونا بھی ضروری تھا، اس لئے زیادہ شکایت بھی نہیں کرنی چاہئے۔

افسوس و تعجب ہے کہ گنگو اللتہ وغیرہ خطاب کے قصے میں آپ نے بھی شکرست کی اندرونی مصانع کا حال مجھ کو نہیں معلوم، یہ اس ہمہ اگر کوئی بات مفید مصانع ہو تو اس کو بہ عنوان مناسب و معتدل بھی طے کیا جاسکتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ شیطان اور فرشتہ کے درمیان اور کوئی متوسط درجہ نہ ہو۔

”معارف“ کے متعلق یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ صرف یہی ایک پرچہ ہو اور تو ہر طرف سنا ہے۔ بحمد اللہ کہ مولانا شبلی مرحوم کی تمنائیں رائیگاں نہ گئیں اور صرف آپ کی بدولت ایک جگہ ایسی بن گئی، جو صرف خدمتِ علم و تصنیف و تالیف کیلئے وقف ہے آپ نے تاریخ وفات کی نسبت لکھا ہے: ”یہ ہے کہ اس کا کوئی صاف حل نہیں۔ ربیع کی کوئی بھی تاریخ قرار دیجئے۔ حجتہ الوداع سے حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا الایہ کہ اس سال کے لگاتار تینوں مہینے ۳۰ - ۳۰ یا ۲۹ - ۲۹ کے مانے جاتیں۔ صورت میں ۱۶ اور ۱۳ کو دو مشابہ پڑتا ہے غالباً واقعہ وفات بارہویں گزروا کو علی الصبح ہوا ہے۔ دوسرا دن تیرھویں کا تھا اور لوگوں نے بارہویں ہی تعبیر کر دیا۔“

فقیر ابو الکلام

یہ میرٹھائی خان نظام کو خطاب دینے کا سلسلہ ہے مولانا نظر بندینتھے۔ عمار کے مختلف گروہوں نے قحہ ہو کر مئی ۱۹۱۵ء میں والدین کا خطاب تحریر کیا تھا۔ غالباً یہ سب کچھ اسی طرف سے ہوا تھا کہ ترکوں کے ساتھ جنگ شروع تھی اور انگریز چاہتے تھے کہ مسلمان بن ہند کی قوجہ کا مرکز کسی دوسری جگہ قائم کریں۔ یہ مئی تاریخ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، میرٹھ، انیس معلوم میں رویت ہلال کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام معتدروں اور کونینا پر یکم اپریل ۱۹۱۵ء کو ۱۶ جون ۱۹۱۵ء تک کا فاتحہ تاجی لکھی۔ وہ لکھی تو اپنی جگہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں جائیں۔



حمدی، العزیز، السلام علیکم درجۃ الملوک وبرکاتہ،
 آپ کے دل چپ خطے پوری ملاقات کا لطف دیا، آپ کو منفرد و عظیم
 گدھے کے گوشہ عافیت سے برداشتہ خاطر نہیں ہونا چاہئے ساری باتیں ایک جگہ نشی
 نہیں ہو سکتیں۔ جہاں دل چیمپوں کی شورش ہے وہاں امن و جمعیت خاطر کہاں۔
 اسباب خواہ کچھ ہوں مگر ”مملکت“ خطاب والا معاملہ بہت بُرا ہوا۔ باقی رہا،
 ”الناظر“ کا شور و شغب، تو اس میں بھی وہی غلو تھا جو مؤدین خطاب کی تحریرات میں تھا،
 اس کا رد و نفی سے بچر چند اشخاص کے ذاتی فوائد یا چند انجمنوں کے وظائف کی اور کوئی توجہ نہیں
 لیکن یہ بات بہ عنوان مناسب بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ انصاف کیجئے یہ کسی بدعت ہی کی جہاں
 کسی دلی ریاست نے چند علماء یا چند انجمنوں کو روپیہ دے دیا حکم دیا کہ پرانے قرآن
 جمع کر لو ”مملکت و الدین“ ہو گیا، مولوی جمیب الرحمن صاحب کو صدر العہد و رکرونا
 بہت عمدہ بات ہے مگر جو ایسے ملت و دیں نہیں ہے قصود اگر یہ تھا کہ امر اسے کام کا لائے
 اور جرات و ہمت افزائی کی جائے تو اہر بہت سے نسبت کم ناموزوں انقلاب ہو سکتے تھے
 اتنے بڑے نفا کو خراب کرنا اور وہ بھی مجمع علماء کا بہت ہی افسوسناک ہی۔ فرض کیجئے اب
 حضور نظام واقعی کوئی کام احیاء ملت کا کریں یا کوئی اور رئیس کہے تو اس کے لئے
 اب کوئی خطاب باقی ہے کیا؟ نفع الملت پھر غنیمت تھا لیکن مخالفت کی گئی اور
 کہا گیا کہ نہیں وہی ”دکیل“ والی بات ہونی چاہئے بلکہ
 خیر، اب دیکھئے خود ندوہ کو بھی کچھ حصہ ملتا ہے یا نہیں فرنگی محل اور دیوبند کی

ملے یہ خطا جیسا کہ کم خور وہ ہو گیا ہے۔ اس لئے بعض الفاظ پر سے بچا کے۔

ملے مطلب یہ کہ ”دکیل“ خزانے جو تجویز پیش کر دی ہے، وہ پوری ہونی چاہئے۔

شرکت کا آپ نے ذکر کیا ہے، لیکن یہ تو کچھ تعجب انگیز نہیں۔ دونوں جگہوں کو وظائف
 مل رہے ہیں اگرچہ پہلے بے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی تو انکی بہت
 تعریف کرنی چاہئے۔ بلاشبہ یہ کلرد والی شرفاً جائز نہ تھی۔ اذاسر ایتھم المذاہین فاصلاً
 فی وجہ ہمد و التراب کا معاذ بہت سخت ہے۔ اور غالباً بخاری میں ہے من کان
 منکم ماحداً لعمالة فلیقل بحسب فلاخاؤ اللہ حصیبہ ان کان میری انمکنہا
 ولا یزکی علی اللہ احدآ۔ اور یہاں تو لامحالہ کی بھی گنجائش نہیں۔ فقہانے تو خطبہ بنی
 بجز دملے خیر کے سلطان وقت کے لئے اور تمام باتوں سے۔ وکلمہ وادامہ ص ۱۳۱
 غضب اللہ تعالیٰ واهتز لہ العرش۔

آپ نے ارض القرآن میں صائین کی نسبت کتاب الرد علی المنطقیین ابن تمیمیہ
 کی عبارت نقل کی ہے۔ اس کے متعلق فرمائیے کہ یہ عبارت آپ نے کس صفحہ سے نقل کی ہے؟
 یعنی وہ کتاب آپ کے پاس موجود ہے؟ تفسیر فتح البیان میں نواب صاحب نے
 ان الذین امنوا والذین هادوا والصابغین الخ کی تفسیر میں پوری عبارت نقل کی ہے
 اور بعض اہل کتابوں میں بھی ہے۔ اگر آپ کے پاس کتاب مذکورہ موجود ہے تو میں خواتم کار
 ہوں کہ ایک ہفتہ کے لئے مجھے عنایت فرمائیے۔ بہ حفاظت واپس کر دوں گا سید علی بلگرامی
 کا نسخہ مولانا شبلی مرحوم کے پاس تھا۔ دوسرے نسخہ حکیم نور الدین صاحب قادیان کا شاہ جو
 دیوبند آیا، مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس ملا، پھر غائب ہو گیا۔ ممکن ہے مولانا
 مرحوم والا نسخہ عظم گڑھ میں ہو۔ بہر حال مجھ کو اس کی سخت ضرورت ہے اور ایک کام اس کی
 وجہ سے ناتمام رہ گیا ہے امید ہے کہ بہ صورت موجودگی آپ کو ترسیل میں کوئی فخر نہ ہو گا۔
 موجب کمال امتنان و تشکر ہو گا۔ صرف ایک ہفتہ بلکہ اس سے بھی کم کے لئے مطلوب ہے۔

ارض القرآن جلد دوم صفحات ۱۳۱ - ۱۳۲ کتاب الرد علی المنطقیین کئی سال پہلے خود مولانا

ہی کے ارشاد کے مطابق بیٹی میں چھپ چکا ہے۔

آپ نے دارالمصنفین کی موجودہ مالی حالت کا ذکر کیا ہے نہایت دلچسپی سے
 ہوئی۔ یہ سب آپ کے قیام وسیعی کا نتیجہ ہے بجز اللہ کہ مولانا شبلی مرحوم کی اخراجات کی
 سیس پیاں بار آور ہوئیں لیکن یہ بڑی مصیبت ہے کہ آپ وہاں کے قیام سے کتنا گئی ہو گی مگر
 آپ نے وہاں رہنا چھوڑ دیا تو پھر سارا کارخانہ رہیم برہم ہو جائے گا۔ کوئی یہاں انتظار کیجئے کہ
 ”سباہے خورد نہ ماہ پار ساسی باش“ کی اسکیم پر عمل نہ آدہ ہو سکے۔ مستقل قیام وہاں رکھنی چاہی جگہ
 ابو الکلام کا ان شاء اللہ

—(۱۸)—

صدیقی العزیز

مضمون جلدی میں لکھ کر بھیج دیا، مگر ایک بات کھٹکتی تھی۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ نپولین
 کے قیام مصر کے زمانے میں یہی مسئلہ چھڑا اور شیخ اسماعیل زرقانی نے فتویٰ دیا اس وقت
 ”تحفۃ الناظرین“ پاس نہ تھی، کھٹکتی کی کتابوں میں تھی۔ مگر فضل دین نے اب ڈھونڈ کر بھیج
 دی تو معلوم ہوا کہ قاطع نے ایک سخت غلطی کی ہے یعنی فتویٰ شیخ جبرتی صاحب تاسیخ نے
 دیا تھا اور اس فتویٰ کی بنا زرقانی کا ایک فتویٰ تھا۔ پس براہ عنایت مضمون میں تصحیح کر
 دیجئے۔ اسماعیل زرقانی شامی موطا و مواہب کی جگہ شیخ عبدالرحمن جبرتی صاحب تاریخ
 عجائب الآثار بنا دیجئے۔ نپولین کے داخلہ مصر سے کئی سال پہلے زرقانی کا انتقال ہو چکا
 تھا بلکہ کہیں لوگ پڑھ کر ابن مبارک والی بات نہ کہہ سکیں، ان سببہ ما عفا و ذر
 قحطہم فیہا احنا ق المظنی۔

ابو الکلام

لے مطلب یہ کہ سال کا قہور احمد باہر گزرتے زیادہ حصہ دارالمصنفین میں قیام کیجئے۔
 لے یہ تصحیح مضمون میں ہو گئی تھی۔

راچی (بہار)

۲۶ رمضان ۱۳۳۷ھ

(۲۵ مئی ۱۹۱۹ء)

صدیقی العزیز السلام علیکم

یہ تو اپنے کمال معنوں میں کشف ہے۔ خود مجھے خیال ہوا کہ تین سو کی تعداد کافی نہیں، زیادہ ہو، لیکن اس لئے نہیں کھا کہ شاید کتابت رسالہ معارف و رسالہ کی ایک ہی رکھی گئی ہو۔ اور مئی نمبر کا حصہ ہر شکل رسالہ بھی چھپ چکا ہو۔ بہر حال یہ خوب کیا کہ تعداد پانچ سو کر دی۔ علاوہ عبارت ہدایہ کے معمولی غلطیاں کتابت کی بھی بہت تھیں، امید ہے درست ہو گئی ہوگی۔

ٹائٹل کے متعلق استصواب کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے خود کچھ لکھ دیا ہوتا۔ بہر حال اختصار کے خیال سے میں نے صرف اولہ شرعیہ بنا دیا۔ بیکر بڑی انجمن کے اہتمام کی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن وقت پہلے کہ آپ وطن جا رہے ہیں۔ اگر یہ خط آپ کی عدم موجودگی میں پہنچا تو کیا غم گدھ میں کوئی صاحب کھول کر ٹائٹل لکھنے کے لئے دیدیں گے؟ غالباً یہ آپ کو دینے میں ملے گا۔

امید ہے کہ علاوہ رسالہ کے "معارف" میں تصحیح کر دی گئی ہوگی۔

مولوی فضل حق صاحب رامپوری کی نسبت معلوم نہیں ہوا کہ وہ والوں کا کیا قصہ ہے اور مولوی عبدالحی نے کیا جواب دیا؟ اور ان کا خط آیا تھا۔ امید ہے کہ آپ نے مکرر لکھا ہو گا جہاں تک مجھے معلوم ہے موجودہ مدسین دارالعلوم میں سے کسی کو پرنسپل پر مقرر کرنا بہتر نہ ہو گا۔ کوئی مدرس ایسا نہیں ہے۔ بالکل غیر معروف

آدمی کے ہونے سے مدرسہ کی شہرت و وقعت پر بھی مضر اثر پڑتا ہے۔
الہامی کلام

— (۲۰) —

صدقہ فی الامور اسلام علیکم

آپ کا خیال درست ہے۔ آج بھوپال سے مولوی سلطان نے آپ کا خط لیا ہے اور آپ کا کا ڈبھی ملا۔ تعہیل اشاعت کے لئے ممنون ہوں، علی الخصوص ایسی حالت میں کہ "معارف" کی اشاعت کی تاخیر تک گوارا کر لی گئی۔ امید ہے کہ نہروں کی جگہ فصل بنا دیا گیا ہوگا۔ واقعی بہ شکل رسالہ کوئی دوسرا نام ہونا چاہئے۔ آپ ہی کوئی تجویز کر کے رکھیں۔ آپ نے جو نام لکھا ہے اس کا صحیح ثانی بہت خوب ہے، یہی ہونا چاہئے۔ مگر رد المجاہدین مانعین و مخالفین پر چوٹ پائی جاتی ہے اور نسبت مجہود، اس لئے رسالہ حدود مناظرہ و جدول میں داخل ہو جائے گا اور یہ مقصود نہیں پس اس کو کسی دوسرے قافیہ سے بدل دیجئے۔ مثلاً "الشاہدۃ" یا "الشواہد" یا "الفوائد" یا "جامع الشواہد"۔ آخری نام بہت پامال ہو چکا ہے، حتیٰ کہ "جامع الشواہد" فی اخراج الوہابین عن المساجد تک موجود ہے یہ خوب ہوگا کہ وہاں اخراج وہابین تک کی کوشش دیدہاں و خول شکرین تک کی توسیع

فصحی بواد و العذول بواد

بہر حال کوئی اور قافیہ تجویز کریں اور وہی لوح پر درج ہو۔
پہلے خیال تھا کہ ساز جوازہ غائب ولے جھے کو بیچ دوں گا کہ رسالہ کے آخر میں دس کر دیا جائے، لیکن جب شریک صفحات پہنچ چکے تو اب مزید اضافہ خوب نہیں اس کے اختتام کے بعد "معارف" میں نکل جائے گا۔

لے آخر "جامع الشواہد" ہی نام رہا۔

اجرت طبابت وغیرہ کے متعلق آپ نے کچھ نہیں لکھا یقیناً آپ کا یہ معاملہ اب اس حد سے گنہگار ہے کہ اجرت و فحاشی کے معاملہ کی نسبت کوئی تردید و جواز اس پاسے میں یقیناً کال دیکھا جائے گا مگر یہ ظاہر ہے کہ رسالہ چھپے گا اور پریس کا وقت و مال خرچ ہوگا۔ پریس آپ کی ذاتی ملکیت نہیں۔ بلکہ دارالمصنفین کا ہے پس روپیہ کی ضرورت ناگزیر ہے ازراہ عنایت مقدار کچھ دیں تاکہ مرسل خدمت ہو۔

”معارف“ کا پچھلا نمبر سلطان صاحب کے پاس دیکھا تھا میرے پاس نہیں آیا ہے

ابوالکلام

— (۲۱) —

السلام علیکم

صدیقی العزیز الامل
(جون ۱۹۱۹ء)

”معارف“ پہنچا۔ آپ کے پریس کے خوشنویس کا خط نسخ بہت اچھا ہوا دیکھا جائے، البتہ کتابت کی غلطیاں جا بجا رہ گئی ہیں۔ علی الخصوص عربی عبارتوں میں ادبیہ نقص دراصل میرے خط کی خرابی کا ہے کہ کاتب باسانی پڑھ نہیں سکتا۔ ہمیشہ تجربہ ہو چکا ہے آپ کے اور مولوی عبدالسلام کے مضامین میں کتابت کی غلطیاں بالکل نہیں ہوتیں، اس لئے کہ مسودہ واضح اور خوشخط ہوتا ہے۔

البتہ ایک غلطی اہم ہے، اس کی تصحیح ناگزیر ہے کاتب نے ص ۸۲ نمبر ۹ میں کئی طریق درمیان سے چھوڑ دی ہیں اور چونکہ پورا حصہ متعلق عبادت کا ہے اس لئے بغاہر عبارت میں کوئی بے ربطی نظر نہیں آتی۔ اس لئے تصحیح کی نظر نہیں پڑی۔

نمبر ۹ میں پہلے ”اشباہ والنظائر“ کی عبادت نقل کی تھی پھر برائے کیا اور دہرایہ

کی عبارت کے ترجمے کے بعد تکراراً فقہانہ تصریح کا منہ زادہ کی۔ لیکن کاتب نے "اشاہ" اور "نظار" کی عبارت کے بعد اس کا ترجمہ اور ہدایہ کا حوالہ اور پھر عبارت "ہدایہ" کا ابتدائی حصہ بالکل چھوڑ دیا ہے اور عبارت "ہدایہ" کے ایک ٹکڑے کو "اشاہ" ماننا نہایت سے مل کر نقل کر دیا ہے۔ اس لئے بعد کی جس قدر بحث متعلق "ہدایہ" تھی وہ "اشاہ" سے متعلق ہو گئی لوگ حیران ہو گئے کہ ہدایہ کا نام بھی نہیں آیا، اس کی عبارت کی شرح و اشکال کی کیا بحث ہے اور قاضی زادہ نے اس کی شرح کب لکھی؟ پس براہ عنایت اصل مسودہ کا وہ متن ملاحظہ کریں۔ غالباً اصل میں یہی کہ عبارت "اشاہ" کی "و لو کان المسجد الحرام" پر ختم ہو جاتی ہو اس کے بعد "اشاہ" کے صفحہ و کتاب کا حوالہ ہوگا اور غالباً ترجمہ بھی پھر کوئی اور حوالہ ہوگا یا صرف یہ ہو گا کہ ہدایہ میں ہے :

"و لا یجاس بان یدخل اهل الذمۃ المسجد الحرام وقال

الشافعی یکسر کذا الف :

اس کے بعد تھا " (انی ان قال) ولنا ما روی : ان کاتب نے درمیان کلام حصہ چھوڑ کر اسی ان قال) ولنا ان کو عبارت "اشاہ" سے مل کر نقل کر دیا اور اس طرح بعد کا ترجمہ و بحث "اشاہ" سے متعلق ہو گیا۔

۱۔ ہر حال آئندہ نمبر متعارف ہیں اس کی تصحیح کر دیں اور حوالہ صفحہ و سطر و دیگر چھوٹی ہوئی عبارت نقل کر دیں اور اگر رسالہ کی شکل میں یہ قلم مزید چھپ چکے ہیں تو کس پرچہ پر لگا کر اتنا حصہ چھاپ کر نمبر ۹ والے صفحہ کے ساتھ رکھ دیا جائے۔

۲۔ پوری تفصیل اس مضمون کے متعلق ہی جو مساجد اور غیر مسلم کے مضمون سے متعارف تھے وہ نمبروں میں شامل ہو (۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء) یہ مضمون مرہ نامے ہر رجب شمسہ کو کل کیا تھا۔

(۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء) یہاں مضمون کے آخر میں قریب سے پیر صابح اشواہ کے نام سے کیا ہے اور یہی شامل ہو گیا تھا جس قصے کے لئے مکتوب میں تذکرہ کیا گیا یہ مضمون کے آخر میں جو ۱۹۱۷ء کی شام میں لکھا گیا تھا

کیوں جناب یہ فاضل وہی مولوی غلام محمد صاحب ہوشیاپوری کی تشریحات کا شائق تو نہیں؟ ان کی تحقیقات یہ ہے کہ "فاضل" فضول سے مشتق ہے۔ آپ ہمارے مولوی عبدالسلام صاحب کے من اخذ و ترتیب و ترمیمین مطابقت کا سلیقہ دیکھتے ہیں؟ صرف بخدوی کی ایک کتاب "انفرق" سے ایک اچھا خاصا پورا مضمون لکھ لیا جو کہ اس میں بعض تفصیلات نئی ملی ہیں اس لئے ہمیشہ یہ خیال ہوتا تھا کہ اس پر ریویو لکھا جائے لیکن مولوی عبدالسلام صاحب نے ایک مستقل مضمون تیار کر لیا۔ سخت اسٹنوس ہوتا ہے کہ وہ اس ہمہ استعداد ابلوں نے اپنی آپ کو کیوں گمراہ کر دیا۔ مولوی عبدالباری صاحب کی سرکلے اور اس کا فلسفہ چھپ گئی بد تو سمجھو دیکھئے۔
ابوالکلام

————— (۲۲) —————

راہی (دیہار)
۱۰ جولائی ۱۹۱۹ء
صدیقی الاعز

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
معلوم نہیں آپ اعظم گڑھ میں ہیں یا وطن میں۔ رسالہ کی نسبت بھی معلوم نہیں ہو کہ اس کی اشاعت میں کیوں تاخیر ہوئی۔
امید ہے کہ بغیر وعافیت ہوں گے۔

ابوالکلام

ملاحظہ فرمائیے مولانا محمد اسلم مرحوم غازی کے اس مضمون کی جو "اسلام" میں مختلف فرقوں کی نقد نامی کے ذریعہ منظرِ اعلیٰ کے سامنے پیش کی گئی تھی۔

رائی (بیار)

گستہ ستمبر ۱۹۱۹ء

صدیقی عزیز السلام علیکم

وصے سے آپ خاموش ہیں۔ معارف کا جدید اہتمام دیکھ کر قی نہایت خوش ہوتا ہے آپ کے پریس سے مجاہد الشواہد کا باب تک نہیں ملے۔ براہ انتظار ہوں۔ براہ قیادت بھیج دیجئے۔

بالفضل خردی ہاتھ پہنے کفن اسلامہ رائی کا دوسرا سالانہ جلسہ ۲۲-۲۵ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو قرار پایا ہے۔ اس سال آپ کی شرکت نہایت خردی ہے خواہ کچھ ہو مگر آپ کو آنا ہی پڑے گا۔ اگر آپ شریک نہ ہوئے تو بڑا قلق ہوگا۔ بہار کا جو حال ہی پوشیدہ نہیں۔ رنگون تک سے لوگ آئے، مگر خود اس صوبے میں کسی کو توفیق نہ ملی آپ ہی اس فرض کفایہ کو فرض عین بنائیے۔ کیا اچھا ہوتا، اگر آپ صوبہ بہار کی گذشتہ علمی زندگی و تعلیمی حالت پر ایک ایسا پھر دیجئے، الفاظ طوطی گئے ہیں۔ - - - - -

مولوی ابوالحسنات صاحب کو بھی ساتھ لائیے گواہوں کی کہ عمادی حیدر آباد میں ہیں اور بلائے نہیں جاسکتے اور حادثہ کانپور پر بھی بڑا زمانہ گزر چکا۔ ایک دن کا جلسہ صرف صوبے کے تعلیمی و علمی نمائندہ کیلئے مخصوص کر دیا ہو تو

نہ ہوتا، رائی پیچ کر ایک نمبر رسالہ کی بنیاد رکھ دیا تاکہ نہ خود مجھ بنایا کہ تہذیب میں شمشیر ہوتا وصل کیا جاتا تھا۔ پھر سوچا کہ ہر گز اس کے تہذیب کی تکمیل نہ ہو، چھ سو سو سال کا کام چھ سال میں ہی ہو، ہر دفعہ طاعت حسین میں کے پیکر پڑی تے۔ ہر دو تانے پڑنے میں رائی کے نمبر کے لئے کر دیا

بولیائے صاحب سچ کوئی تحریر تیار کریں تو بڑی خوشی ہو۔
 محصورہ کیجیے کہ صوبہ بہار کے کامیوں کو کون قابل دعوت اور متقی مسمیٰ خاص ہیں؟
 آپ لکھیں گے کوئی نہیں، لیکن یہ جواب تو تمام ملک بھر کے لئے بھی دیا جاسکتا ہے۔
 مولوی فضل حق صاحب کو ندوہ کے لئے دوبارہ لکچکا ہوں۔ اب معلوم ہو اگر انہوں
 نے حکیم صاحب کو کوئی تحریر بھیج دی ہے اور جانے کے لئے متعہد ہیں مہل مدرسہ عالیہ
 کی تنخواہیں ان کے پیش نظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ رام پور سے زیادہ توقعات ہوں تو اب
 نکلیں۔ میرے خیال میں تو ضرور پرنسپل کی تنخواہ بڑھا دینی چاہئے۔
 ابوالکلام

(۲۴)

صدیقی العزیز

اسلام علیکم
 آپ نے شرکت کی امید تو دلائی، لیکن فیضان۔ صرف اتنا ہی کافی نہیں۔ آپ کو
 ۲۴ تک مزدور تشریف لانا چاہئے۔ کوئی غدر سموع نہ ہوگا۔ مسئلہ ترویج کی اہمیت کو کس
 فرد و بشر کو انکار ہو سکتا ہے لیکن تاریخوں کا رد و بدل تو آپ کے اختیار میں ہے یا تو پیٹے
 فراغت ہو جائے اور جلسہ میں تقریر کریں، تو قلب و دماغ باطل مطلق و فاسد ہوں یا پھر
 راجی سے واپسی پر رکھیے کہ یہاں کا قیام آتش شوق کے تیز ہونے میں بسر ہوگا۔ دیکھو
 اللہ العزیز! آپ حضرات لم جیدہ کے نکاح والی سنت پر کیوں نہ عمل کریں؟
 بہر حال آپ ۲۴ تک راجی ضرور پہنچیں، بلکہ چیترا اور مولوی ابوالمنات صاحب
 کو بھی ضرور لائیں۔ ان کی عزالت کا حال سن کر سخت دہشت ہوا

ابوالکلام

لے یعنی نکاح نہ ہو سکے

راچی (پہار)

۲ جنوری ۱۹۵۷ء

صدیقی العزیز!

آپ کا خط نيزل الغيث من بعد ما قنظوا کا مصداق تھا۔

اذ کتبکم لم تدر منی تشوقا

بفتش لکھ کتبی بشوقی الیکموا

جب بہت عرصہ گزر گیا تو مولوی ابوالحنات کو لکھا۔ معلوم ہوا وطن میں ہیں اور
ہلا بکرا تلا جہاد و تلا عبد کی تعمیل میں مشغول۔ اس مشغولیت میں نقل ہونا مناسب
نہ سمجھا۔ اگر آپ کو قیام راچی میں میری کوتاہیاں محسوس نہ ہوں تو اس سے ان کا حکم نہیں
بلکہ آپ کی محبت کا استغراق ثابت ہوتا ہے اس بات نے دل کی ملامت و اعتراف
کو اور زیادہ کر دیا۔

میرت حضرت عمرؓ کا شکریہ۔ یہ بڑی کمی تھی جو پوری ہو گئی۔ یہ آپ بہت ہی خوب کو
ہے ہیں کہ دارالمصنفین کے سلسلہ میں مقدم و اہم کتابیں شائع کرنے میں عنوانات کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالسلام صاحب نے اختصار بہت کیا۔ فقہ واجتہاد
ادھر ایں عمرؓ بن عبدالعزیز و غیرہ کے مباحث نہایت اہم تھے۔ ائمہ کی بعض عمارتیں
انہی کی بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہیں۔ علی الخصوص امام شافعیؒ۔ ان چیزوں کو غالباً
چھوڑ دیا ہے، ائمہ فقہ و حدیث نے ان کی فقہ کو بہت اہمیت دی ہے۔

۱۔ یہ غالباً یہ سلیمان مرحوم کی دوسری شادی کا ذکر ہے، جو پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی میرت جو مولانا عبدالسلام ندوی کی تھیں تھی۔

”حقیقت کی نسبت آپ نے لکھا ہے، لیکن لوگوں کے مذاق کی شہر گرتی جاگیا علاج؟ وہی ہمدرد کا حال ہو گیا ہے۔ حاجی بغلول اور تجاہل عامیانہ اور کیا کیا جا رہی ہے۔ یہ حالات دیکھ کر طبیعت بالکل کد رہ جاتی ہے۔ اس اخبار کا شان نزول کیا ہی ہو گیا۔“ انسان نے نکالا ہے؟ آج کل آپ علم اسباب النزول کے مسئلہ ماہر ہیں، مخصوصاً لکھنؤ کی تنزیلات کے لئے۔

ڈاکٹر اقبال کا شکوہ بجا نہیں۔ یہ نہایت ہی لغو اور سبک بات میری گفلاں نے فلاں بات فلاں کے اثر سے لکھی اور فلاں کے خیال میں یوں تبدیلی ہوئی لیکن لوگوں کا پیمانہ نظر یہی باتیں ہیں تو کیا کیا جائے۔ دراصل اس کج فہم ”تذکرہ“ کی ساری باتیں میرے لئے تکلیف دہ ہوئیں۔ مگر فضل دین نے یہ مقدمہ لکھ کر نظر ثانی کے لئے بھیجا تھا میں نے وہیں نہیں بھیجا، اس لئے کہ وہ موجودہ حالت میں کتاب کو پہلا حصہ کہہ کے شائع کرنا چاہتے تھے اور میں مہر تھا کہ ایک ہی مرتبہ میں پوری کتاب شائع کر دیجائے۔ صرف اتنا ٹکڑا عدد جو ضمنی مظلومات و عدم انضباط کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گا۔ خیال کیا کہ مقدمہ کا وہیں نہ کرنا اشاعت میں روک ہو گا، لیکن انھوں نے مجھے چھاپ کر جلد باندھ کر یکا یک ایک نسخہ بھیج دیا اور ان ساری باتوں کو وہ مزاح سمجھتے رہے۔ علاوہ ڈاکٹر اقبال وغیرہ والے ٹکڑے کے پورا مقدمہ طرز تحریر و استدلال و فیصلے کے لحاظ سے بھی بالکل مغویہ و لطفیہ کہ اس مرتبہ جب وہ جملہ کے موقع پر آئے اور میں نے پوچھا کہ اقبال کی نسبت آپ نے کیونکر تبدیلی معلوم کی، تو خود میرے ہی ایک قول کا حوالہ دیا، جو کبھی کہا تھا۔ حالانکہ میں نے جو بات کہی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اقبال پہلے آج کل کے عامہ انسان کے تصور میں مبتلا تھے اب ان کے خیالات اس طرف سے ہٹ گئے اور دونوں شہنویوں میں جو بات ظاہر کرنی چاہتے ہیں وہ وہی ہے جو ہمیشہ لکھتا رہا ہوں۔

”معارف“ کے لئے میرت ابن تمییمہ کا ایک ٹکڑا جو عقل و نقل کی نسبت ہے، بھیج دیا جاتا

ہوں۔ مولوی یوسف نقل کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا تھا، غیب مفسد و مفوق فیض کی تائید صرف حق پر ہے تو نہیں۔ آپ کی یہ بات میرے لئے نہایت تعجب انگیز تھی بہر حال یہ ٹکڑا دیکھئے گا۔

آج باتوں باتوں میں معلوم ہو کہ جامع الشواہد کا خرچہ طبع اب تک انجن سے نہیں گیا۔ گو یہ معاملہ آپ سے متعلق نہیں، لیکن اس تاخیر کے لئے اپنا افسوس اور لاعلمی ظاہر کرتا ہوں۔ ان سے کہہ دیا ہے کہ فوراً بھیج دیں۔

ہاں سید احمد جو پالی تعلیم ہی کی غرض سے لکھنؤ چلے گئے ہیں اس میں طلب و شوق واقعی ہے، لیکن آپ کی اصلاح میں وہ بھی اصلاح عالم کفے میں امیر ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تعلیم کے سوا اور ساری باتوں کو اپنے اوپر حرام قطعی کر لو۔ اور مولوی سید عبدالحی صاحب کو لکھا کہ کوئی انتظام کر دیں۔ انھوں نے بڑی جہربانی کی اور خارج از مد سے تعلیم کا انتظام کر دیا۔

الترد علی المخلوق کا جو مکمل نسخہ حیدر آباد میں مولانا حمید الدین کو ملا تھا، اسی کا ٹھیک پتہ بتلا دیجئے۔ کیا کتب خانہ آصفیہ میں ہے؟ امید ہے کہ مولانا موصوف سے دریافت کر کے مطلع فرمائیں گے۔

آپ امر تشر نہیں گئے؟ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجامع الکلام

لے اس سال انگریں کا جو س نہایت خفنگ حالات میں یہ مقام ہر تشریف ہوا تھا۔ جیسا تو باغ کا وہ ناک واقعہ پیش آیا تھا۔ چنانچہ اس کے وقت یہ نظم لکھ کر جگہ نام کی صفحہ بھی ہوئی تھی۔ یہی نظم مولانا علی احمد کو ناشنکت ملی وہاں کے بعد یہ سہ اس کا جس میں پیچھے تھے اور رئیس احمد کی تقریروں نے جو شوق کا رنگ دکھائی روح پیدا کر دی تھی۔ یہیں غالباً سب سے پہلے رتبہ مجلس خلافت قائم کر دیا گیا اور یہی سب سے پہلا جلسہ مولانا ابو الکلام کا یکم جنوری ۱۹۰۵ء کو ہوا۔ اس کے دن ہی سے تشریف لے گئے۔

کلکتہ

۲۰ مئی ۱۹۲۳ء

صدر نقی العزیز! السلام علیکم

آج مولوی عبدالرزاق صاحب نے آپ کا خط اور الجانمہ کا وہ نسخہ دکھایا جس میں آپ نے فہرست سے اشارات کے بعض اغلاط واضح کئے ہیں۔ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ آپ کو اس کام کی صحت و خوبی کا اس درجہ خیال ہوئی، الحقیقت یہی سب سے بڑی مدد ہے جو ہم ایک دوسرے کی کر سکتے ہیں اور میں باہم ایسی ہی توقع رکھتی چاہئے۔ آپ بے خبر نہ ہوں گے کہ "الجانمہ" کے دونوں نمبر پیری صدم موجودگی میں لکھے ہیں پہلے نمبر کے لئے میں صرف "فاتوہ الجانمہ" اور "حرکتہ الفوائد" و مطالبہاں دے گیا تھا۔ خیال تھا کہ جلد کھنڈ سے واپس آجائے گا اور تمام مضامین میری موجودگی میں ترتیب پائیں گے لیکن مجھے آگے وہ پنجاب کا سفر پیش آ گیا اور مولوی عبدالرزاق صاحب نے اپنے شوق میں بلا انتظار پرچہ مرتب کر کے شائع کر دیا۔ لاہور میں جب مجھے پہچان تو شامت کی ضحیٰ ہوئی تھی۔ اغلاط پر انوس می ہوا۔ تاہم مولوی عبدالرزاق صاحب کو سختی سلامت نہیں سمجھا وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ بھی بہت ہے۔ ان کے شوق و مناسبت میں کلام نہیں صرف ضرورتِ شوق کہ ہے چندہ فوں تک شوق جاری رہی تو قلم مضبوط ہو جائیگا۔ آپ نے فاتوہ الجانمہ پر بھی تین نشان کیے ہیں۔ پہلی غلطی مرتبہ کمپوزنگ کی ہے۔ کتابت کی غلطی نہیں ہے۔ یعنی انشاء الدعوة الی بلعامۃ الشریعہ میں نمبر ۱۷ کی ہے باقی ۱۸ قبیہ دو مقام تو ہی میں ایک کی نسبت بلاشبہ آپ کی اصلاح بالکل صحیح ہے یعنی تیسرا ملحقہ انصوری کی جگہ مرقاۃ صالح ہو چکا ہے۔ دوسری خصوصیت کیلئے ان کا وہ منہ نہیں ہے، صلح منہ دی ہے، لیکن دوسری اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ نے لکھا ہے

”سنوید المقاتل“ کی جگہ ”سنطیہ“ ہرنا چاہئے لیکن میں خیال کرتا ہوں
سترہ صحیح ہے۔

بقیہ مضامین میں جو غلطیاں دکھلائی ہیں، ان میں زیادہ تر کمپوزر تصحیح کی غلطیاں
ہیں۔ مثلاً ”وینید“ وغیرہ۔ جمع میں ایک ہی کی کمی۔ جہاں ”ت“ کی جگہ فطر رسم الخط جہاں ”ت“
تقلان کی جگہ متقلانی وغیرہ ذلک۔ آپ کو کمپوزر یوں کا حال معلوم ہو جو اردو صحیح کمپوزر
ہو کر سکتے وہ عربی میں جہاں ”ت“ بابت مضامین ہوں کم ہے۔ بڑی وقت تصحیح کی ہو بروی
بدلتی رتق بمثل تصحیح میں بہت کچھ ہیں۔ غلطیاں رہ جاتی ہیں اور وہ تصحیح کی بھی فارغ ہو جاتے ہیں
لیکن چند غلطیاں واقعی کتابت اور تراکیب کی ہیں اور آپ کے اشارات
بالکل صحیح ہیں مثلاً ”الذی کا استعمال“، ”انقضاء عقد کی جگہ“، ”انقضائے نفقہ کی جگہ“
”من الترتیب“ ”انفسہم“ میں مفعول کا حذف وغیرہ۔

لیکن ایک دو مقام پر آپ سے بھی تسامح ہو گیا ہے۔ مثلاً ”یہنہ“ ہو کی جگہ
”یہنہ“ آیا کا آپ نے کھلا ہے، حالانکہ ”یہنہ“ ہو بھی صحیح نہیں ہے اور ”یہنہ“ آیا کا بھی
نہیں ہونا چاہئے۔ صرف ”یہنہ“ وہاں کافی واضح ہے۔ اسی طرح بہ ”اہتمام“ نام کی جگہ آپ نے
”الغ بنا ویا ہی“ مالا کو نام بھی لکھا ہے اور مثال موجود ہیں۔ ایک جگہ ”مکومین“ میں ”من“ نفس
”لک الدولہ“ کی جگہ بنفس ہے لیکن یہ ظاہر تو دہاں ”من“ ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال غلط ضرور ہیں، خصوصاً بعض تراکیب کی۔ آپ نے خط میں لکھا ہے کہ ”مکومین“
نہر غلط سے محض غلط ہے لیکن شاید ابھی اچھی طرح دیکھا نہیں اس میں بھی نہ صرف کمپوزر
بلکہ کثرت غلطیاں ہیں بلکہ الفاظ وغیرہ کی بھی۔ ”الحركة“ ”الہندسیہ“ میں ایک جگہ
”کالو“ ”مصرف“ ”قوام“ ”کھ گئے“ ”میں“ ”مصرف“ ”مصرف“ ”یاد“ ”کا“ ”مما“ ”وہ“ ”ہی“ اور
”وہ“ ”میں“ ”کھ گئے“ ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر غلطی یہ کہ ”سید شہید“ ضلک مضمون بلا مناسبہ کو ”شہید“ لکھا

بہتر یہ تھا کہ شائع ہی نہ کرتے یا میرے دیکھ لینے کے بعد شائع کرتے۔ یہ بات اس وجہ
بامناسب ہوئی کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔

آپ آئندہ بھی جو غلط دیکھیں، مولوی عبدالرزاق صاحب کو ضرور دیکھ دیں یا
مجھے مطلع کریں۔ اس کی بڑی ضرورت ہے، اس میں مضائقہ و تغافل نہ کیجئے گا۔
مولوی مسعود علی صاحب اور مولوی عبدالسلام صاحب کو سلام کا شوق
ابوالکلام

— (۱۲۶) —

دریا گنج - دہلی

۷ جنوری ۱۳۳۷ھ

صدر نقی العزیز

”ترجمان القرآن“ کی پہلی جلد کسی نہ کسی طرح چھپ کر نکل گئی۔ آپ کو اس لئے
نہیں بھی گئی کہ خیال تھا کلکتہ سے جلد نسخے آجائیں تو ہجراؤں۔ لیکن آج ایک تار سے
معلوم ہوا کہ دو جفتے کی مزید دیر ہوگی۔ اور ہر پوشکل حالات نے ایسی صورت اختیار
کر لی ہے کہ نہیں کب جا سکتا کتنے دنوں بلکہ گھنٹوں تک جیل سے باہر رہ سکوں گا، اس
لیے طبیعت نے تقاضا کیا کہ غیر جلد ہی ہجرا دوں۔

نسخہ شوق بہ شیرازہ نہ گنج نہ نہار

گزارید کہ اس نسخہ مجزا ماند

امید ہے مع الخیر و عافیت ہوں گے۔ مولوی عبدالسلام صاحب کو مشاغل کا
کیا حال ہے؟ ملتے ہوں تو سلام شوق پہنچا دیجئے۔ مولوی مسعود صاحب نہیں معلوم
فہم ہیں یا نہیں۔ اگر ہوتے تو آپ کے ذریعہ کہلاتا کہ ٹوپیوں کا اب تک انتظام ہے۔
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
ابوالکلام

دہلی

۲۸ جنوری ۱۹۱۹ء

صدیقی انگریز! چند دنوں کے لئے کلکتہ چل گیا تھا۔ وہاں سے واپس آیا تو لکھنؤ جانا پڑا۔ اب ہلت ملی تو سب سے پہلے آپ کے خط پر نظر پڑی۔ سحری کا وقت ہے چائے کا دور چل رہا ہے اور آپ کو کھانکھ رہا ہوں۔ آپ بھولے نہ ہوں گے کہ رمضان میں یہی دور میرے بھائی کا بھی کام دیتا ہے اور سفر و افطار کا بھی۔

مجلت نگر کہ در حنا تم یسا نقش دنیا
جز روزہ در دست بہ صہبنا کشیدہ

آپ نے میں بات کی شکایت کی ہے، یقین کیجئے میں خود سے بطور واقعہ کے محسوس کر رہا ہوں۔ میں نے نو سو ارادہ کر لیا تھا کہ اب تمام کاموں سے الگ ہو کر محض تعریف و تالیف کے لئے وقف ہو جاؤں گا اور اگر موجودہ صورت حال اس طرح پیش نہ آگئی ہوتی۔ جس طرح پیش آئی ہے تو میں قطعاً یکسوئی کر لیتا۔ لیکن کیا کیا جائے رفتار زمانہ ہماری خواہشوں کی پابند نہیں۔

تجوری الراجہ سالہ نقشاہی اسٹونی

آپ نے "ترجمان القرآن" جلد دوم کی اشاعت کے لئے جو آمادگی ظاہر کی ہے یقین کیجئے اس سے میرا دل نہایت درجہ متاثر ہوا۔ یہ محبت و خلاص کا ثبوت ہے بڑا ثبوت ہے، جس کا میں آپ سے متوقع ہو سکتا تھا۔ خلاصہ بات ظہور میں آسکے یا نہ آسکے، لیکن میرے دل پر آپ کی محبت کا نقش ثبت ہو گیا۔

مجھے معلوم نہیں سہارن پور میں کیا حال ہے؟ کیا آپ بہ سمانی لپی کتابیں پھاڑ سکتے ہیں جو رادہ قدر میں چھپی ہیں؟ اگر آپ نے انجیل کا لہا پھر تو آپ بڑی سے بڑی

تعدو و جھاپ سکتے ہیں۔

جی چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو۔ دیکھئے اب کب ہوتی ہے؟

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

—(۲۹)—

۳۔ اسٹور روڈ۔ کلکتہ۔

۸ جون ۱۹۳۲ء

مدد یقی الاخر

امید ہے بخیر و عافیت ہوں گے۔ مدت ہوئی آپ نے کھا تھا، ابن تیمیہ کی الرد علی المنطق نقل کرائی ہے۔ اگر نقل قابل اشاعت ہو اور کسی اور وجہ سے شائع نہ کر سکتے ہوں تو بہتر ہوگا۔ شیخ محمد زبیر انصاری کے حوالہ کردی جاے وہ ابن تیمیہ کی تمام بقیہ معنفات شائع کرنا چاہتے ہیں اور الرد علی المنطق کے خواہش مند ہیں۔ میں نے انہیں قاضی شوکانی کی تفسیر ”فتح القدیر“ کی نسبت لکھا تھا وہ انہوں نے شائع کر دی براہ عنایت کتاب کی صورت حال سے مطلع کیجئے۔ مجھے جیل میں دوران سر کی شکایت ہو گئی تھی جس کی وجہ سے طبیعت بید مضحمل رہی۔ اب گو نہ اتفاق ہے مولوی مسعود صاحب ہوں تو سلام پہنچا دیجئے۔ معلوم نہیں مولوی عبدالسلام صاحب آج کل کہاں ہیں اور کس عالم میں ہیں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

۳۔ استور روڈ۔ کلکتہ

۲۸۔ جولائی ۱۹۳۲ء

صدر نقی العزیز

خط پہنچا۔ تفسیر فتح القدر کا نسخہ خود مصنف کا لکھا ہوا صنعا میں موجود تھا
اسی کی نقل چھاپی گئی ہے۔ مدت ہوئی میں نے اس کی پہلی جلد نواب علی حسن خاں کی یہاں
دیکھی تھی۔ مگر بالاستیعاب دیکھنے کا اب موقع ملا اور بہت مایوسی ہوئی۔ کوئی خصوصیت
ایسی نہیں ملی، جس کی بنا پر اسے ممتاز تصور کیا جائے۔

آپ نے خط میں کسی خاص کے مضمون کا ذکر کیا ہے مگر اشارہ اس درجہ مبہم ہو کہ میں
کچھ نہ سکا کس اخبار کی طرف اشارہ ہے۔ علاوہ بریں عبارت میں بعض الفاظ بھی غالباً
چھوٹ گئے ہیں۔ "عارف" کا آخری پرچہ میں نے دیکھا، اس میں کسی اخبار کا ذکر نہیں
ملا براہ عنایت لکھیے، کون مضمون اور کس اخبار میں شائع ہوا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ابو الکلام

۳۔ استور روڈ۔ کلکتہ

۱۳۔ اگست ۱۹۳۲ء

صدر نقی العزیز

ایک کارڈ اعظم گڑھ سے ہو کر دفتر میں پہنچا ہے، جس میں "ترجمان القرآن" کی
درخواست "عارف" کے حوالے سے صحیح ہی کیا آپ نے عارف میں کچھ لکھا
ہے؟ میری نظر سے وہ پرچہ نہیں گزرا۔ اگر ممکن ہو تو بھجوا دیں۔
جلد دوم بقول آپ کے "معروف استراحت ہے، لیکن منہ تصنیف پر نہیں

آخری کتاب و طباعت میں۔ کچھ کچھ میں پہلے اس مرحلہ کی معیبتیں کیوں کر حل کی جائیں۔

میں نے تو اب فیصلہ کر لیا ہے کہ زندگی کا بقیہ انفاس صرف اسی کام کے لئے وقف کر دوں۔ دیکھئے ہمت ملتی ہے یا نہیں؟

انشاء اللہ کوشش کر دوں گا کہ معارف کے لئے وقت نکالوں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

— (۳۲) —

۳۔ اسٹور روڈ۔ کلکتہ

۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

صدر نقی العزیز۔ چونکہ ایک درخواست میں "معارف" کا حوالہ دیا گیا تھا اس لئے خیال ہوا کہ شاید کوئی تحریر نکلی۔ اب معلوم ہوا وہ اشتہار تھا آپ نے اشتہار کی مزید شاعت کے لئے جو آمادگی ظاہر کی ہے، اس کے لئے شکریہ گزار رہوں۔ خیام پر اگر کچھ آپ نے لکھا ہے تو یہ بے کار کام کیوں ہوا؟ خیام کے بعض رسائل کا مجموعہ روس سے شائع ہو چکا ہے، کیا ان کے علاوہ نئے رسائل دستیاب ہوئے ہیں؟ اگر غیر مطبوعہ رسائل ہیں تو یقیناً یہ ایک قیمتی اضافہ ہوگا، انہیں ضرور شائع کیجئے یا دوش بخیر، مولوی عبدالسلام صاحب آج کل کہاں ہیں اور کس عالم میں ہیں؟ اگر اعظم گڑھ میں ہوں تو سلام پہنچا دیں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

سکنت
۲۷ اگست ۱۹۳۷ء

صدر قیامی العزیز

مدت ہوئی میں نے ایک مجموعہ رسائل دیکھا تھا جس میں خیام کے بھی دو رسائل تھے اور نچے اچھی طرح یاد ہے کہ روس کا چھپا ہوا تھا۔ غالباً روسی مستشرق کی ساگرہ کی تقریب پر مرتب کیا گیا تھا۔ قیمت زیادہ تھی، اس لئے میں نے اس وقت نہیں لیا۔ کچھ دنوں کے بعد دریافت کیا تو معلوم ہوا موجود نہیں ہے۔

یہ مجموعہ مولوی شرف الدین مرحوم نے بمبئی میں منگوا پایا تھا۔ اس کے علاوہ بھی جرمن یا ہالینڈ کا ایک مجموعہ رسائل ہے، جس میں بوٹلی سینا کے رسائل ہیں۔ اس مجموعہ میں غالباً اٹھارہ تکلیف چھپ گیلے ہیں۔ یہ مجموعہ میرے پاس ہے لیکن دہلی میں ہو اور مکان بند ہے میں ہفتہ عشرہ میں جا رہا ہوں، جاتے ہی دیکھوں گا، وہ آپ کو اطلاع دیں گا۔ ممکن ہے میرا نقطہ نظر غلطی کر رہا ہو، لیکن آپ کے ناموں میں اٹھارہ تکلیف اور کلیات الوجود مجھے آشنا معلوم ہوتے ہیں۔

مگر کہنے سے یہ بات بھی یاد آتی ہے کہ اٹھارہ تکلیف بہت مختصر ہے، زیادہ سے زیادہ چار پانچ صفحات ہوں گے اور غالباً کسی سائل کے جواب میں ہے۔ یہ تاثر بھی یاد ہے کہ اس میں کوئی قابل، عناصر بات نظر نہیں آتی تھی۔

آپ کے پاس اقتدار و تقویٰ کا نیا ایڈیشن ہے یا نہیں موجود؟ اگر ٹوٹنے کی جگہوں میں از سر نو مرتب کر کے شائع کیا ہے؟ اگر ہو تو اس میں دیکھئے، مگر یہ تو شرف الدین نے جس نسخہ میں، بھٹی ہاؤس کے پاس موجود ہے منگوا لیجئے مطبوعات عربیہ کے نسبت حدیث اب کمال بہت ہو گئی ہے خصوصاً مطبوعات یورپ کا پورا استقصا کیا ہے و السلام
بہر اہتمام

— (۳۴) —

۱۰ اگست ۱۳۵۷ھ

جی فی اللہ

اسلام علیکم

انجمن اصلاح المسلمین کان پورہ کی سال سے ذکر سیرت کا اجتماع منعقد کیا کرتی ہے گزشتہ سال تمام اہل کان انجمن اس کے خواہش مند تھے کہ آپ وقت نکالیں اور جلسہ میں تقریر کریں، لیکن آپ وقت نہ نکال سکے۔ سال پھر ربیع الاول میں جلسہ ہو گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی ہو سکے آپ وقت غرور نکالیں اور اہل کان انجمن کو ناامید نہ کریں یہ لوگ اخلاص و مستعدی کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں اور ضروری ہو گا کہ جی بہت افزائی کی جائے۔ امید ہے خیر و عافیت ہوں گے۔

ابوالکلام کان اللہ

— (۳۵) —

کلکتہ

صدیقی الغزیز

مہری وفد کی بڑی لمبی داستان ہے۔۔۔ نے سب کچھ وقف بنانا چاہا، لیکن چونکہ مسلمانوں میں بے وقف بننے کی استعداد زیادہ ہے اس لیے سب سے زیادہ یہی ہے۔ سب سے پہلے بمبئی کے چند فرصت طلبوں نے ڈاکٹر امجد کے اعلان اور مولانا امجد علی گاندھی کے معاملے کو ہر طرح کے مبالغوں سے آراستہ کر کے پھیلایا۔ پھر عبد اللہ فوزن بھی اس چکر میں آگئے اور جمعیت ثبات قاہرہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی کہ ہندوستان کے تمام اچھوت مسلمان ہونے کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔ علمائے ازہر کا ایک تبلیغی وفد فرسٹ کلاس چاہئے۔ اہل بار کے ایک طالب علم عبد القادر نے جی بہت سی غلط سلاہ باتیں لکھ دیں اور غالباً لاہور کے علامہ گلاباٹے بھی اس میں کافی حصہ لیا۔ وہ قاہرہ میں ڈاکٹر عبد الحمید سے

مل چکے ہیں۔ ڈاکٹر نے ان سے خط و کتابت کی تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے جب ترسیل وفاتے انتظامات مکمل ہو گئے تو شیخ ازہر اور ارکان جمعیت نے یکایک محسوس کیا کہ صورتحال قابل اعتناء نہیں ہے مزید معلومات حاصل کرنی چاہئے۔ چنانچہ اکتوبر میں شیخ عراقی کا ایک خط مجھے وصول ہوا تھا اور بعد کو بمبئی سے عبداللہ فروزان کا بھی ایک خط ملا تھا۔ دونوں نے متفقہ کیا تھا کہ کسی تبلیغی وفد کی ترسیل سود مند ہوگی یا نہیں؟ میں نے انہیں لکھا تھا کہ اچھوتوں کے لئے مصر کا وفد یہاں آکر کچھ نہیں کر سکتا۔ اس غرض سے وفد کا بھیجنا نہ صرف بے سود ہوگا، بلکہ کئی اعتبار سے مضر ثابت ہوگا۔ لیکن اگر آپ وفد کا اتمام کر چکے ہیں تو اسے ایک صحیح اور ضروری مقصد کے لئے کیوں نہ کام میں لائیں؟ یعنی معر اور ہندستان کے علمی اور اسلامی روابط کے استحکام و ترقی کے لئے بھیجیں۔ یہ وہ کام ہے جو برسوں پہلے ہونا تھا، کم از کم اب شروع کیا جائے۔

معلوم نہیں پھر کیا ہوا؟ مہروری میں یہ بات قرار پائی تھی یا بمبئی پہنچ کر اور محدث حل دیکھ کر قرار دی گئی؟ مگر پھر مال وفد نے محض تعلیمی نوعیت اختیار کر لی اور یہ بہت اچھا ہوا۔ علمائے وفد بہر حال ازہری ہی ہیں، اس لئے کوئی نیا وفد قوت نہ تو کی نہیں جاسکتی، لیکن یہ ضرور ہے کہ اب ازہر وہ ازہر نہیں رہا جو چار برس پہلے تھا اور جس سے شیخ محمد عبدالہ کو بالکل بالوس ہو جانا پڑا تھا۔ اب ازہری مولوی بہر حال وقت کی عام مولیانہ سطح سے بلند تر ذہنیت رکھتا ہے اور شیخ عراقی کی اصلاحات نے تو اسے اسے بالکل ایک نئے عالم میں پہنچا دیا ہے۔

میں نے آپ کی موجودگی کا حال جس غرض سے دریافت کیا تھا، اس سے غرض یہ مطلع کروں گا۔ ضروری کے دوسرے ہفتہ تک تو آپ اعظم گڑھ تک نہیں ہیں۔

یادش بخیر مولانا عبدالسلام صاحب کلکی اہل ہی؟ اگر اعظم گڑھ میں ہیں تو سلام پہنچا دیجئے۔ افسوس ہی مولوی سعود علی صاحب فی ثبیراں نہیں ہیں۔ وہ سلام بھیج کر دعا کرتے رہتے ہیں۔
ابوالکلام

لے لیے تاملہ لکھنا میں سکایا اسانہ ہے کہ

دور اکتوبر ۱۳۳۳ھ

جی فی عشرہ اسلام علیکم

معاف کیجئے گا، جواب میں تاخیر ہوئی۔ میں کلکتہ میں نہیں تھا۔ ڈاک میںیں جمع ہوئی گئی۔ آپ کا خط بھی اسی میں رہا۔ دوسری کے بعد علالت نے دو ہفتہ تک بہلت نہیں دی۔ اب جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بلاشبہ آپ کی شکایت بجلے۔ ہمیشہ خیال رہا کہ عظم گڑھ کے لئے وقت نکالوں اور ہمیشہ یہی ہوا کہ قدم نہ اٹھا سکا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے میرے لئے کون بلانا چاہتا ہے؟ جوابلاتا ہے کسی جلسے کے لئے، مدد سے ملے اور عطا و تقریر کے لئے اور میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ کوئی بات بھی طبیعت پر اس درجہ گراں نہیں گزرتی، جس قدر جلسوں کی شرکت اور فراموشی تقریریں مگر میں عظم گڑھ آؤں تو وہاں بھی یہی مصیبت ہوگی۔ آپ تک اس کے خواہش مند ہوں گے کہ ایک جلسہ اور تقریر ضرور ہونی چاہئے۔

اس بارے میں اپنی طبیعت کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ بیان کروں تو میں نہیں کہاجاں اسی بچنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس بارے میں تمام دنیا کو شاکہ پانا ہوں مگر میں بھی صورت حال پر قابو ہو گیا ہوں۔

اوس مدرسہ مدرسہ میر کے لئے مولوی رشید الدین صاحب نے امرالیکھا پھر لکھنؤ آئے اور امرار کو انتہائی حد تک پہنچا دیا۔ میر کے لئے بہت ہی دشوار تھا کہ ان کے امرار کے مقابلے میں اپنی غرور خرابی پر قائم رہ سکوں۔ مدرسہ کے متعلق میر نے تاثرات پیش کی یہ ایک صریح معنوں میں غلط فہمی کا نام نہ دیا گیا ہے۔ میں مدرسہ کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کر دینگا، لیکن وہاں جو کچھ امرار سے جلسہ اور دعوت گئی یہ میر کے لئے زیادہ سے زیادہ دشوار و نا قابل برداشت کام ان کے لئے یہی سب سے زیادہ ضروری۔ اب اس کے سوا بھارہ لئے برصغیر مولوی حمید الدین مرحوم۔ اب ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے

نہیں کہ قیل کړو۔ انشاء اللہ کرتا ہی نہیں کریں گا۔ بڑی بات یہ بھی ہوگی کہ عظیم گڑھ آنے اور آپ لوگوں سے دارالہنوفین میں ملنے کا قدیم ارادہ پورا ہو جائیگا۔ کاش سرسبز میں چلبہ کا حوالہ نہ ہوتا۔ میں جاتا، مدرسہ کو دیکھتا، اور کارکنوں سے ملنے کی خوشحالی حاصل کرتا۔

ابوالکلام

————— (۱۳۶) —————

کلکتہ -

۳ فروری ۱۹۳۷ء

صدر نقی العزیز

یوپی میں پولنگ تو ۸ فروری ۱۹۳۷ء تک ختم ہو جائے گی۔ اور پھر جو کچھ بھی ہو آپ سے اور دارالہنوفین سے اس کا رشتہ سمجھ میں نہیں آیا۔ زیادہ سے زیادہ آپ کی خدمت ہوگا۔ جو آدھ گھنٹے میں آپ دے آئیں گے یا کسی دوست کے لئے سامعی ہونگے تو جہد و سعی کا زمانہ اب ختم ہو رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں، ۸ فروری کے بعد موسم اچھا ہو جائیگا اچھا کیا خاک ہوگا؟ گری شروع ہو جائے گی۔ آپ کے ہاں مقدمہ سے مجھے قطعاً اختلاف ہے کہ موسم کی موجودہ حالت اچھی نہیں تو راجا موسم اس وقت ہوگا جب اچھا موسم ختم ہو جائے گا۔ براہ عنایت مجھے بلاتا آخر مطلع کیجئے کہ کلکتہ سے کب واپسی ہوگی یا لکھنؤ سے جس دن چلے، مجھے تار دہریجئے کہ عظیم گڑھ جارہا ہوں۔

کیا آپ سمجھتے ہیں میں نے مولوی عبدالرزاق صاحبؒ کو نہیں سمجھایا ہوگا؟ یا کہ میں نے غموس کیا کہ ان کی طبیعت نے دد مرزا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اب صحت قریب بے فائدہ ہے۔ ادھر غم سے وہ ملے بھی نہیں۔ ان کا اخبار بھی حیرت انگیز ہے نہیں گزرتا، کیا ادھر انہوں نے اس قسم کا کوئی مضمون شائع کیا ہے؟ والسلام علیکم

ابوالکلام

مولانا عبدالرزاق علی آبادی فرحان

مدینتی العزیز السلام علیکم
 آپ نے کہا تھا، الرد علی المنطقیین ابن تیمیہ کا نا کمل نسخہ آپ کے
 پاس منقول حیدرآباد موجود ہے۔ کیا آپ اس کی مجھے ایک نقل دے سکتے ہیں؟
 نقل کی اجرت کی دہائی چلائے گی۔ یا ممکن ہے کہ ایک ماہ کے لئے آپ وہ نسخہ میرے
 پاس بھیج دیں؟

ابوالکلام

میں اس کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ لہذا اسے تمام نسخوں کے آخر میں جگہ دے دی ہے۔

مکاتیب کا چوتھا مجموعہ

یہ مجموعہ متفرق مکاتیب پر مشتمل ہے جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے ۔

۱۔ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم ۱

۲۔ محمد اکبر صاحب بہ جواب دعوت شمول نکاح ۱

۳۔ جناب عبدالرحمن صاحب ممبر پارلیمنٹ ۱

۴۔ حکیم سعید اللہ صاحب گیاروی ۳

(اولیٰ سلسلہ "ترجمانی" باقی دو سلسلہ احمدیت)

۵۔ مولانا انشاء اللہ خاں ایڈیٹر "وطن" لاہور ۱

۶۔ مکتوب الیہ غیر معلوم ۱

۷۔ مولانا تاج الدین مرحوم و مغفور امرتسری

۸۔ جناب عبداللہ صاحب بٹ ۱

۹۔ حکیم عبدالقادر صاحب دامانی ۳

۱۰۔ مسیح الملک حکیم اجل خاں مرحوم ۱

(سلسلہ تعلیم حکیم عبدالقادر)

ان میں سے بیشتر مکاتیب کے ساتھ تشریح کے لئے حواشی موجود ہیں ۔

(۱)

خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے نام

خواہی کہ بہ تو بیش شود شوق لطیفی

از پیش خودش گماہ براں گماہ نگہدار

یا جناب الجلیل الرحمن، انصاف اللہ علی بقائکم

دفتر سے معلوم ہوا کہ "الہلال" کے جوپچہ خدمت حالی میں جاتے ہیں، بخیر

واپس آجاتے ہیں۔ ایک پرچہ میں نے بھی دیکھا۔ اس پر لکھا تھا کہ مکتوب ایسہ کو لینے

سے انکار ہے۔

میرے دل عقیدت کیش کے لئے قوافی نسبت بھی بہت ہے کہ آستانہ مبارک

تک "الہلال" پہنچے اور محروم واپس نہ لے۔ تاہم اس بے اتفاقی کا سبب معلوم کرنے

کے لئے بے قراوہ چلی۔

میں نے پیشتری عرض کر دیا تھا کہ حاضری سے اراوت کیشوں کو نہ روکیے،

رہی کی ڈگری میں تو آخر جگہ مل ہی سکتی ہے۔

جب کبھی کلکتہ سے نکلتا ہوں تو ارادہ کرتا ہوں کہ آستانہ مبارک پر قدم بوسی کے

لئے حاضر ہوں لیکن عرومی پیچھے نہیں دیتی۔ شاید ادا خدہ سمجھ میں پانی پت حاضر ہوں،

گوذرتا ہوں کہ "الہلال" کی طرح میری دلی عقیدت کی قبولیت سے بھی انکار ہوگا۔

اے مولانا نے "الہلال" کی خدمت میں اعزازی جاری کیا تھا۔ خواجہ الطاف حسین حالی، مرحوم، ہر

پرچہ پر یہ لکھ کر واپس فرمادیتے کہ مکتوب ایسہ لینے سے انکار ہے اس لئے کہ وہ خود نہیں پڑھ سکتے

تھے اور یہ گمان تھا کہ پرچہ بھیجے والے کا خواہ مخواہ قصداں ہو۔ مولانا نے اسے امر لکھا تو پھر مولانا کو

خواجہ صاحب نے قہر فرمایا اور دوسروں سے پڑھ کر سن لیا کہتے تھے۔ یہ مکتوب ان کے ہاتھ

(۲۰)

۱۹۔ اے بانی گنج سرگھر روزِ بکلتہ

۵ جنوری ۱۹۶۲ء

غزیزی۔ تمہارا خط پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اب تمہیں زندگی کی وہ منزل پیش آگئی ہے جہاں انسان کی شخصی زندگی کی ذمہ داریوں کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، یعنی تمہاری شادی ہو رہی ہے میرے لئے ملکی نہیں کہ میں اس موقع پر شریک ہو سکوں۔ لیکن یقین رکھو میرے دل کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ میں اپنی جگہ اپنی دعائیں تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔

زندہ باشی و کاراں باشی

اللہ تعالیٰ اس قریب کو برکت و سعادت کا موجب بنائے اور تمہاری یہ نئی زندگی ہر اعتبار سے کامیاب ہو۔

میں اس موقع پر تمہیں یاد دلاؤں گا کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے تمہیں چاہئے ازدواجی زندگی یعنی شادی کی زندگی کا وہ تصور اپنے سامنے رکھو جو قرآن حکیم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے و من ایقباہن خلق کم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہن و جعل بینکم مودة ورحمة ان فی ذالک لآیات لقوم یفکرون۔

خلق کی زندگی دنیا میں ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لئے مرد، لیکن خدا نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ تمہاری زندگی میں تین چیزیں پیدا ہو جائیں جو تین چیزوں کے بغیر نہ اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنادیے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ جن سے ہو کہ ان کے پاس اور رکھا تمہارے پنج میں پیارا اور مہربانی۔ البتہ اس میں بہت پتہ کی باتیں ہیں ان کے لئے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (سورہ روم)

تم ایک مومن اور خوشحال زندگی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ سکون

۲۔ مودت

۳۔ رحمت

لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَلَّ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةٌ وَرَحْمَةٌ

سکون عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہو کہ انسان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو جائے کہ زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں اسے ہلاک نہ کریں۔ مودت سے مقصود محبت ہے۔ قرآن کہتا ہے ازدواجی زندگی کی تمام تر بنیاد محبت پر ہے شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے اس لئے رشتہ جوڑتی ہے تاکہ ان کی ملی جلی زندگی کی ساری تاریکیاں محبت کی روشنی سے منور ہو جائیں۔

لیکن محبت کا یہ رشتہ پایدار نہیں ہو سکتا، اگر رحمت کا سورج دلوں پر نہ چمکے رحمت سے مقصود یہ ہے کہ شوہر اور بیوی نہ صرف ایک دوسرے سے محبت کریں بلکہ ایک دوسرے کی غلطیاں اور خطائیں بخش دینے اور ایک دوسرے کی کمزوریاں نظر انداز کر دینے کے لئے اپنے دلوں کو تیار رکھیں۔ رحمت کا جذبہ خود غرضانہ محبت کو فیاض بنا دیتا ہے، لیکن رحیمانہ محبت کمزوریاں اپنی سستی کو بھول جاتا ہے اور دوسرے کی سستی کو مقدم رکھتا ہے۔ رحمت ہمیشہ اس سے تقاضا کرے گی کہ دوسری کمزوریوں پر رحم کرے، غلطیاں اور خطائیں بخش دے، غصہ غصب اور انتقام کی پرچھائیں بھی اپنے دل پر نہ پڑنے دے میری دلی آرزو ہے کہ خدا تم دونوں کو توفیق دے کہ اپنی ازدواجی زندگی کو اول دن سے اسی رنگ میں شروع کرو جس رنگ میں قرآن کی مقدس تعلیم نے اس معاملہ کو دیکھا ہے اور نوع انسانی سے آگے رکھا ہے یہ نوازش کا ٹھکانہ ہے۔

والسلام اعلیٰکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
الواجل کلام

(۳)

بند حبیب چل، مرزا پور

۲۲ نومبر ۱۹۴۵ء

عزیزی۔ جہاں تک میرا حلقہ کام دیتا ہے، مجھے یاد نہیں کہ کشمیر میں آپ کا خط مجھے ملا ہو۔ صحت کی کمزوری اور اشغال کا، جو ہم بسا اوقات مجبور کر دیتا ہے تاہم خطوں کے جواب میں عہد آ تسابل میری عادت کے خلاف ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ معاملہ آپ کے لئے تشویش خاطر کا موجب ہوا۔

۱۔ یہ مکتوب مولانا نے اپنے ایک نیاز مند محمد اکبر صاحب مدد اسی کو دعوت شمول کے جواب میں بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی مقدس تعلیم کا خاکہ بھی مختصر مگر جامع الفاظ میں پیش کر دیا ہے یعنی شادی کا مقصود انسانی طبیعتوں کا ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ ہے جسے زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہلا دکیں۔ میل اور بیوی کے درمیانی مودت اور رحمت ہونی یعنی ایسی فیاضانہ محبت جو ایک دوسرے کی غیبتوں اور کمزوریوں کو بخش دینے کے لئے ہمد تن آمادہ ہو۔ قرآن مجید انواع انسانی کیلئے یقیناً پیغام رحمت تھا، لیکن یہ غرض ہی ہے کہ ہم اس کے صارف خود سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں۔ دنیا کا کون سا معاشرہ اس تعلیم کی حقانیت سے ایک لمحے کے لئے بھی اختلاف کر سکتا ہے؟

یہ مکتوب "الجمیۃ" دہلی کے آزاد نمبر سے لیا گیا۔

۲۔ اس کے مکتوب الیہ مولانا عبدالرحمن صاحب ہیں جن کا اصل وطن جوں ہے تقسیم کے دوران میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ آج کل کشمیر کی طرف سے ہندوستانی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ انھوں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ آپ مولانا کشمیر گئے تھے تو میں نے خط بھیجا تھا اور اس کا جواب نہ ملا۔

آپ نے اپنے افکار و عقائد کا جو کچھ حال لکھا ہے، اس سے نہایت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ علم و عمل کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

ابن جوزی و ابن تیمیہ وغیرہ ہا محدثین نے صوفیہ کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہو گا کہ یہ لوگ صوفیہ، کالمین کے مخالف تھے خود ابن تیمیہ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے اور ان کے شاگرد ابن قیم نے منازل السائرين کی شرح لکھی ہے لہ

آپ نے میرے شخصی تاثرات دریافت کئے ہیں۔ میں زندگی بھر کی کد کاوش کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس راہ میں طمانیت قلب کا مقام بغیر ذوق و حال کے میسر نہیں آتا ومن لم یندق، لم یدر

اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو داخل تہجد کی مداومت کرو۔ فرائض کے سوا تمام نازیں حتیٰ الوسع تنہائی میں پڑھی جائیں اور استغفار ب۔ قلب کی پوری پوری کوشش کی جائے۔ ”کمیت“ سے زیادہ ”کیفیت“ کا لحاظ رکھنا چاہئے اور اس

لہ سوال یہ تھا کہ ابن تیمیہ، ابن جوزی وغیرہ نے صوفیہ پر تنقید کی اور محدثین میں صوفیہ بھی گزرے ہیں جیسے شاہ ولی اللہ، مولانا سید عبداللہ غزنوی۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ صوفیہ کا طریقہ صحیح ہے یا محدثین کا یا سمجھا جائے کہ دونوں سے افراط و تفریط ہوئی۔ پھر اہل حق و اصحاب اقتصاد کس راہ پر چلیں؟ منازل السائرين تصوف کی کتاب ہے۔ مولانا کا مدعا یہ ہے کہ ابن قیم جیسے محدث نے اس کی شرح لکھی ہے۔ گویا محض مخالفت کا تصور صحیح نہیں۔

لہ فرائض تو بہر حال باجماعت ہی ادا کرنے چاہئیں۔ ان کے سوا جو سلیں و خواہش پڑے جائیں، وہ تنہائی میں اور حضور قلب کے ساتھ پڑے جائیں۔

بات سے افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہئے کہ فوراً کشود کار نہیں ہوتا۔ اگر استقامت کے ساتھ سعی جاری رہی تو بہ حکم والدین جاہل و افینا نہدیہم مبلنا کشود کار یقینی ہے۔ طلب و سعی کی زندگی بہ ذات خود اپنے اندر لذت و حلاوت رکھتی ہے۔ اس سے اپنے آپ کو محروم نہ رکھیں۔

میں یہاں سے (بندھیا چل سے) ۲ دسمبر کو کلکتہ جاؤں گا۔ خط کلکتہ کے پتے پر لکھا جائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
ابوالکلام کان لہد

۱۔ یہ دو نکتے ایسے فرمائے، جن کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے مثلاً لوگ نو داخل زیادہ تہذیبیں ادا کرنے کے لئے مضطرب رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تعداد زیادہ ہو تو زیادہ خیر و برکت کا باعث ہوتی ہے، حالانکہ اصل شے توجہ اور استحضار طلب ہے بالکل یہی حال تسبیح و ذکر کا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ کہ دوسرا سلسلہ شروع کیا اور دوسرا کشود کار کے منتظر بن گئے حالانکہ یہ معاملہ اللہ کی رحمت کے بعد طبیعت کی کیفیت پر موقوف ہے اور استقامت بہر حال لازم ہے۔ مولانا نے کتنی پتے کی بات کہہ دی کہ سعی و طلب خود بھی تو اپنے اندر ایک لذت و حلاوت رکھتی ہے۔

۲۔ نور جنوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کی نئی راہیں (مشکوٰۃ)

(۴)

یا سمجھو
(بنام یکم سعد اللہ گیا دی)

کلمتہ

۱۴ شہ

جی فی اللہ۔ السلام علیکم۔ خط پہنچا۔ اگر آپ نے "ترجمان القرآن" کا براہ راست مطالعہ نہ کیا ہوتا اور پھر آپ مجھ سے استفسار کرتے تو میں آپ کو معذرت وصول کرتا، لیکن آپ لکھتے ہیں کہ آپ نے کتاب منگوائی اور اس کا مطالعہ کیا اور پھر بھی اس مسئلے میں مضطرب ہیں کیونکہ اعتقاد کیا ہے! اسی حالت میں معاف کیجئے گا اگر میں یہ کہوں کہ یہ صورت حال میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔

کیا آپ مجھے تحریر کریں گے کہ "ترجمان القرآن" میں کہاں پہ لکھا ہے کہ قرآن کے نزدیک نجات کیلئے ایمان بالرسل ضروری نہیں؟ کم سے کم سورہ بقرہ آل عمران، نساء، ائمہ، انعام میں پچاس ساٹھ جگہ ایمان بالرسل کا حکم آیا ہوگا۔ کیا آپ کو کوئی مقام ایسا ملا ہے جہاں اس کی بشریح کی گئی ہو کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں؟ اتنا ہی نہیں بلکہ تفسیر سورہ فاتحہ میں تو خصوصیت کیساتھ یہ حقیقت بھی واضح کی گئی ہے کہ قرآن کے نزدیک "تفریق بین الرسل" کفر ہے یعنی سلسلہ نبوت کی کسی ایک کڑی کا انکار بھی سب کا انکار ہے اور مدوازہ نجات بند کر دیتا ہے۔ اگر ایمان بالرسل ضروری نہیں تو تفریق بین الرسل کیوں کفر ہے؟ میں نہیں سمجھتا آپ حضرات نے "ترجمان القرآن" کا واقعی مطالعہ بھی کیا ہے یا محض شانی باتوں پر بحث کر رہے ہیں۔

صرف ایمان بالرسل بلکہ ایمان بالملائکہ ایمان بالکتاب ایمان بالآخرۃ بھی ضروری ہے اور جس شخص کو اس سے انکار ہو وہ نجات کی راہ پر نہیں۔ یہ بات ترجمان القرآن میں اس جگہ واضح و آشکار ہے کہ جہیز میں نہیں، تا کیونکہ ایک بے غرض آدمی اس کے سوا کوئی اور مطلب نکال سکتا ہے باقی رہا ختم نبوت کا مسئلہ تو اس کی بحث کا محل تفسیر سورہ فاتحہ نہیں ہے، بلکہ سورہ اخزاب

تفسیر فاتح اس لئے نہیں لکھی گئی ہے کہ عقائد و فقہ کے تمام مسائل جمع کر دیئے جائیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ صرف فاتح کی تفسیر مرتب کی جائے کل کو آپ کہیں گے کہ میرے نزدیک فرض نہیں ہے کیونکہ میں نے تفسیر فاتح میں کہیں اس کی فرضیت پر زور نہیں دیا ہے۔ ہر حال آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ "ایمان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پر اللہ کے رسولوں پر یوم آخرت پر اور قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لائے اور عمل سے مقصود وہ اعمال ہیں جنہیں قرآن نے اعمال صالحہ قرار دیا ہے۔

البتہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ تمام گزشتہ رسولوں کی تعلیم بھی یہی رہی ہو اور یہی حق ایک سے زیادہ نہیں۔ اگر ایک یہودی حضرت موسیٰ کی سچی تعلیم پر عمل کرنا چاہے گا یا ایک سچی حضرت مسیح کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو گا تو اسے ٹھیک ٹھیک یہی راہ اختیار کرنی پڑے گی جو قرآن نے واضح کر دی ہے اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہو سکتی یہی حقیقت ہے جو ترجمان القرآن کے بعض مقامات میں واضح کی گئی ہے۔

آپ نے مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا جو خط نقل کیا ہے اس کی نسبت میں کچھ نہیں کہہ سکتا صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ میرے عقیدے کی نسبت اشکاخیاں صحیح نہیں ہیں غالباً گزشتہ فروری کے فاتح کی بات ہے کہ لاہور سے ایڈیٹر انقلاب نے مجھے اس بارے میں ایک خط لکھا تھا۔ میں نے انہیں وہی جواب دیا جو آپ کو دے رہا ہوں انہوں نے بھی مولوی صاحب کو منو کی کسی کتاب کا حوالہ دیا تھا۔ بعد کو انہوں نے میرا خط چھاپ دیا۔ اور مجھے لکھا کہ مولوی صاحب کو خط انہی کا احترام ہے نہ

لطف کی بات یہ ہے کہ اس اثنا میں دو مرتبہ مولوی صاحب مدد و حلاکتہ آئے اور گفتگوں مجھ سے کیجائی رہی، لیکن انہوں نے اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ابو الکلام علی جوہر کیے نکت کی ضرورت تھی جو اب دینا اسلامی خرائض میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ نکتہ مذکور

لہ ملاحظہ فرمائیے شائع کردہ کتاب نقش تہذیب میں یہ اور اضافہ ہے جو کلمہ اور کلمہ کے ساتھ فرمودی نکتہ مذکور ہے۔

۱۹۔ الف بالی گنج سرکھر روڈ۔ کلکتہ۔

۸ مارچ ۱۹۳۶ء (بنام حکیم سعد اللہ گیلوی)

جی فی اللہ! السلام علیکم۔ خط پہنچا۔ آپ دریافت کرتے ہیں، احمدی فرقہ کے دونوں گردہوں میں سے کون سا گروہ حق پر ہے؟ قادیانی یا لاہوری؟ میرے نزدیک دونوں حق و صواب پر نہیں ہیں۔ بلکہ قادیانی گروہ اپنے غلو میں دوڑ تک چلا گیا ہے، حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقائد تزلزل ہو گئے ہیں۔ مثلاً اس کا یہ اعتقاد کہ ابلیس کی نجات کیلئے اسلام کے معلوم و علم عقائد کافی نہیں، مرزا صاحب قادیانی پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن لاہوری گروہ کو اس غلو سے انکار ہے۔ وہ نہ تو مرزا صاحب کی نبوت کا اقرار کرتا ہے، نہ ایمان کی شرائط میں سے کسی نئے شرط کا اضافہ کرتا ہے۔ اسے جو کچھ ٹھوکر لگی ہے، اس بے عمل اعتقاد میں لگی ہے جو اس نے مرزا صاحب کے لئے پیدا کر لیا ہے۔

باقی رہے مرزا صاحب کے دعاوی تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جس نے اسلام کے اصول و مبادیات کو سمجھا ہے اور عقل سلیم سے بے بہرہ نہیں، یہ دعاوی ایک لوہے کے لئے بھی تسلیم کر سکتا ہے۔

آپ نے اپنی طبیعت کے اضطراب کا ذکر کیا ہے میں آپ کو ایک موٹی سی بات لکھتا ہوں۔ اگر غور کیجئے گا تو ہر طرح کے اضطراب و شکوک دور ہو جائیں گے۔

آپ دونوں باتوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟ ایک یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے دوسری یہ کہ انسان کی نجات کے لئے جن جن باتوں کے ماننے کی ضرورت تھی وہ سب اس نے صاف صاف بتلا دی، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اعتقاد شرعاً نجات ہو اور اس نے صاف اور صریح نہ بتلا دیا ہو۔

اگر یقین رکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ رکھتے ہیں تو غور کیجئے اگر ایک یا تین سالوں

کے لئے کسی نئے ظہور پر ایمان لانا ضروری تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ قرآن ہی کا صاف
دوسرے حکم دیتا ہے کہ اگر کم اتنی صراحت کیساتھ جتنی صراحت کیساتھ اُتیوہ الصلوٰۃ و
اُکوہ الزکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔

اچھا قرآن کی آیات ایک آیت دیکھ جائیے۔ کہیں آپ کو یہ حکم ملتا ہے کہ ایک
زلزلے میں کوئی نیا نبی یا مسیح یا مجتہد یا محدث (بالفتح) مبعوث ہو گا اور مسلمانوں کیلئے
ضروری ہو گا کہ اسے پہچانیں اور ایمان لائیں؟ اگر کوئی ایسا حکم نہیں ملتا تو پھر آپ کو کون
سی مصیبت پہنچی ہے کہ بیٹھے بٹھائے اس جھگڑے میں پڑیں اور ایک نئے ایمان اور
نئی شرائط نجات کے سرخ میں کھلیں۔

اس بارے میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، تیسری کوئی نہیں۔ یا تو نجات کے لئے
وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے صاف صاف بتلا دیئے ہیں یا پھر کافی نہیں۔ اگر کافی
ہیں تو قرآن نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ کسی نئے ظہور پر ایمان لاؤ اور اگر کافی نہیں
ہیں تو شرائط نجات کی گنجائش باقی ہے تو قرآن ناقص نکلا آتا ہی نہیں بلکہ اپنے
اعلان "ایوم اکملت لکم دینکم" میں صاف بتا رہا ہے۔

ہر مسلمان کے سامنے دونوں راہیں کھلی ہیں۔ جو راہ چاہے اختیار کرے۔
اگر قرآن پر ایمان ہے تو نئی شرائط نجات کی گنجائش نہیں۔ اگر نئی شرائط نجات مافی
ہوتی ہے تو قرآن اپنی جگہ نہیں رہا والا قبۃ المتقین لے۔

ابوالکلام

لے یہ مکتوب بھی رحمۃ اللہ علیہ کے نام تحریر فرمایا مجید۔ پہلے بھی ایک مجموعے میں شائع
ہو چکا ہے بعد میں مجی "میرا عقیدہ" میں شائع ہوا۔

(۶)

۱۹۔ الف بانی گنج سرسکر روڈ۔ کلکتہ۔

۵ جون ۱۹۳۶ء (بنام حکیم سعد اللہ گیاروی)

محی فی اللہ السلام علیکم۔ خط پہنچا۔ میں کچھ خط میں جو کچھ لکھا تھا وہاں اس پر غور کر لیجئے جو نئے سوالات آپ نے لکھے ہیں، ان سب کا جواب اس میں آچکا ہے کسی ایسے سوال کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ ہر صدی کے مجدد پر ایمان لائیں ان سے پوچھئے کہ یہ حکم کس قرآن میں نازل ہوا ہے؟ اگر قرآن سے مقصود وہ قرآن ہے جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوا ہے تو بتائیے کس پارہ کس سورہ کس آیت میں یہ بھی گئی ہو کہ ہر صدی میں ایک مجدد آئے گا اور مسلمانوں کیلئے ضروری ہے

کہ اس کی معرفت حاصل کریں۔۔۔ اور اس پر ایمان لائیں۔

اگر نہیں کہی گئی ہے تو ہمیں کوئی سی ضرورت ہو کہ اس لغویت میں پڑیں ہم نہیں جانتے مجدد کیا بلا ہوتا ہے؟ ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کی آخری اور کامل ہدایت پہنچی ہے جس کا نام قرآن ہے اور جس کے مبلغ محمد رسول اللہ تھے جو انسان اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتا ہے اس کے لئے نجات ہو اس سے نادمہ ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ ہم کو کچھ جاننے کی ضرورت ہے۔

جو شخص کہتا ہے کہ نجات و سعادت کے حصول کیلئے یہ کافی نہیں اللہ کی مجدد پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یا تو اسلام پر ہمتان لگاتا ہے یا اسلام کی جو بھی اس نے نہیں مانگی۔ باقی رہا نزولِ مسیح کا معاملہ تو یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے اور اگر کسی زمانے میں مسلمانوں کی نجات و سعادت اس پر متوقف رہنے والی تھی تو ضروری تھا کہ قرآن، صاف صاف اسے بیان کر دیتا، اسی طرح صاف صاف جس طرح اس نے تمام مہمات و عہدہ و عہدہ بیان کر دی ہیں

لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں کوئی تصریح موجود نہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے اعتقاد پر مجبور ہوں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اب نہ کوئی برداری مسیح آئیو لا ہے نہ حقیقی۔ قرآن آچکا ہے اور دین کامل ہو چکا ہے۔

اگر آپ طالب علم حقیقت ہیں تو ان جھگڑوں میں نہ پڑیے، وہ خرافات کے بارے میں سوالات کیجئے۔ ہمیں تلاشِ نجات کی ہے۔ اگر نجات کے لئے قرآن کامل ہے تو پھر وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے بتلا دیئے ہیں۔ زیادہ کاوش میں پڑیں ہی کیوں؟

ابوالکلام

کلمتہ

۱۳ جولائی ۱۹۳۶ء (بنام مولانا نثار اللہ مرحوم امرتسری)
 مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے ازراہ غایت الجہد پر لکھا جو
 پرچہ بھیجا تھا وہ وصول ہوا۔ جو تحریر اس میں شائع فرمائی ہے وہ نظر سے گزری۔ حیران ہوں کہ
 آخر ان خطوط میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ان دو دراز کا رستہ کی طرف آپکا ذہن متقل ہوا۔
 خطوط ایک خاص شخص کے غامی استفسار کے جواب میں لکھے گئے ہیں اور ضروری ہو کہ اسے پیش نظر
 رکھا جائے۔ مستفسر نے لکھا تھا کہ ایک عرصے سے بعض احمدی مبلغ قادیانی طریقے کی گت
 دے رہے ہیں۔ میں کئی مہاجروں سے استفسار کیا لیکن جواب یہ دو کہہ دیا کہ ایک لمبا چوڑا
 سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مول کا کاٹنا نکلتا نہیں۔ جو بات سب سے زیادہ مضطرب کر
 رہی ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ ایمان و نجات کلبے اگر واقعی کسی نے ظہور پر ایمان لانا ضروری
 ہوا اور میں انہی بحثوں میں رہ جاؤں تو کل کو میرا کیا حشر ہو گا۔
 میں نے اس کے جواب میں ایک ایسی موٹی سی بات لکھ دی، جو مخاطب کے اذعان و
 دفع اضطراب کے لئے قاطع اور مختتم ہو سکتی تھی اور جس کے فہم کے لئے نہ تو اصل و تقدس
 کی ضرورت تھی نہ علم و فن کے استغداد کی۔ ایک لمحہ میں ساری رد و حکم ختم ہو جاتی تھی میں نے
 لکھا کہ اتنی بات مانتے ہو یا نہیں کہ قرآن کلام الہی ہے اور جن باتوں پر ایمان لانا شرط اسلام
 و نجات ہے وہ اس نے بتلا دی ہیں۔ اچھا، کسی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کا کوئی
 ترجمہ اٹھا کر دیکھ لو، کہیں حکم پاتے ہو کہ "یٰٰنہ ایک نائن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر
 ایمان لانا بے سود ہو جائیگا اور ایک نے ظہور پر ایمان لانا پڑیگا؟ یا کسی نے انہی اسلام کی
 پچھلی شہادتیں بیکار ہو جائیں گی اور ایک تیسری شہادت کا اضافہ ہو جائیگا؟ مثلاً ایمان
 بالہجۃ۔ اگر نہیں پاتے ہو تو پھر کوئی ہی مصیبت آپری ہو کہ اس جھگڑے میں پڑتے ہو اور

ایمان و نجات کی طرف سے مضطرب ہوتے ہو۔

بلاشبہ اس مخاطب میں میں نے صرف قرآن کا ذکر کیا۔ احادیث کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ مخاطب کے لئے اتنا ہی کہنا قاطع و فیصلہ کن تھا ورنہ ظاہر یہ کہ احادیث میں بھی کہیں یہ بات نہیں آئی کہ آئندہ اسلام کے شرائط ایمان میں ایک نئی شرط بڑھ جائے گی اور ایک نئے رسول پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔

اب فرمائیے اگر ایسا کھدیا گیا تو اس میں کون سی بُرائی کی بات ہو گئی، جس درجہ ناگواری خاطر کا موجب ہو رہی ہے؟ کیا قرآن کا حوالہ دینا انکار حدیث کیلئے مستلزم ہے؟ کیا احادیث میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نئے نئے ظہور وں پر ایمان باللہ و ایمان بالرسول کی طرح ایمان لاتے رہنا۔

اس کے بعد مفسر نے اپنے مبلغ دوست کا قول نقل کیا کہ مسلمانوں کو ہر صدی کی تجدید پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت مسیح علی نبیاء و علی الصلاۃ و السلام بحیثیت رسول کو آئیں گے اور انہی کے ہاتھوں اس دین کی تکمیل ہوگی میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلامی عقائد میں کسی ایسے مجدد کی جگہ نہیں جس پر ایمان بالرسول کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہو۔ باقی رہا نزولِ مسیح کا معاملہ تو شرائط ایمان کی ترمیم و توسیع کا معاملہ نہایت اہم اور اساسی معاملہ ہے اگر مسلمانوں کی نجات کسی نئے ایمان پر منحرف رہنے والی ہوتی تو ضروری تھا کہ اس کا صاف صاف حکم دیدیا جاتا مگر صاف دیکھتے ہیں کہ ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا پس ہمارا عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ دین کامل ہو چکا آخری کتاب نازل ہو چکی (اور اب تکمیل دین کیلئے کسی برفردی مسیح کی گنجائش ہی حتمی کی)

لے صاف ظاہر ہے کہ مولانا ثناء اللہ مرحوم کا پہلا اعتراض یہ تھا، مولانا آواز اٹھاتے معاملہ جواب صرف قرآن مجید تک کہیں محدود رکھا اور احادیث کا ذکر کیوں نہ کیا؟ گویا مولانا ثناء اللہ کے دل میں احادیث سے انکاریا اعراف کا وسوسہ یہ لایا ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ اس عبارت میں جو نفی کی ہے، وہ کسی ایسے نزول کی گئی ہے، جو دین کی تکمیل کے لئے ہو گا اور بحیثیت رسول کے ہو گا نہ نفس نزول کی ہے

چنانچہ سیاق و سباق اس کی صاف شہادت دے رہا ہے اس سے اوپر مجدد کی نفی کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ وہاں بھی مقصود ایسی تجدید کی نفی ہے کہ جس پر لایا جانا مثل "ایمان بالرسول" کے ضروری ہو، ورنہ حدیث یکجا دہلا دیں ہمارا لہجہ موجود ہے اور مجدد لغوی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ایسے مجدد یعنی مصلحین حق پیدا ہو چکے ہیں پیدا ہوتے رہیں گے، حتیٰ یاتی امر التدریج غالبون۔

بلاشبہ روایات میں نزول سیح علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور صحیحین کی روایات اس باب میں معلوم و مشہور ہیں۔ اس سے کہے انکار ہے؟ لیکن اس معاملہ کا تعلق نبیؐ کے آثار و مقدمات سے ہے نہ کہ تکمیل دین کے حوالے سے۔ نیز انہی روایات میں تصریحات موجود ہیں کہ حضرت سیحؑ کا نزول بہ حیثیت رسول کے نہ ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس تیرہ سو برس میں ہماروں کا متفقہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ دین ناقص نہیں اور اپنی تکمیل کیلئے کسی نئے ظہور کا محتاج نہیں کیا آپؐ سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے؟

میں اس کا آپ کو کیا جواب دوں کہ آپ کو میرے عقیدہ کی خبر نہیں؟ کیا آپ کی نظر سے میری بے شمار تحریرات نہیں گزری ہیں؟ یہ سوال آپ اس شخص سے کہو ہے جس نے اپنی تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے بلکہ جس کو اہل فہم کی توفیق ملی ہے کہ تعلیم الکتاب الحکمت میں حکمت سے مقصود سنت ہے اور جس نے جا بجا مقدمہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ الا انی اوتیت الکتاب مثله معہ نیز روایت مشہورہ یوشاکے جل شعبان علیٰ اریکتہ یقول علیکم ہذا القرآن فما وجدتم من حلال فاحلوه وما وجدتم فیہ من حرام فحرّموه اتناہی نہیں بلکہ جس کی تمام عقلی حدود و حدود کسیر دعوت اتباع کتاب سنت پر مبنی

یہ یہ نکتہ خاص توجہ کا محتاج ہے۔

رہی ہر جس کے عقیدہ میں کتاب کا ہر وہ اتباع، اتباع نہیں جو سنت کے اتباع سے غالی ہو۔

ایں دو شمع اندک از یک دیگر فروختہ اند

یہ ظاہر ہے کہ میں ایک شخص کے استفسار کا جواب لکھ رہا تھا کوئی تصنیف نہیں کر رہا تھا۔ اس طرح کے سوالات روز لوگ کرتے ہیں اور کہ سے کم جملوں میں جواب دے سکتا ہوں، ویدیا کرتا ہوں۔ یہی استفسار کا جواب سینکڑوں آدمیوں کو دیا ہوگا۔ ہر بات کا ایک محل ہوتا ہے اور چاہئے ہی محل میں رہ کر اس پر غور کیا جائے پھر خصوصاً اگر تحریر کسی ایسے شخص کی ہو جس کے قلم و مسک ہی ہم ناواقف نہیں تو اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہی مطلب ٹھہرائیں، جو اس کے عقیدہ و مسک کے لحاظ سے ہونا چاہئے اہل حق و دانش کا طریقہ جو ہمیں بتلایا گیا ہے وہ تو یہ ہے کہ يستمعون القول فيتبعون احسنه و اولئك الذين هداهم الله و اولئك هم اولوا الالباب۔

یہاں تک تو آپ کے استفسار کا جواب تھا اب ایک دلیلی بھی سن لیجئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ایک ہفتے کو اندر مجھے اس کا جواب دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تک آپ نے رائے قائم نہیں کی ہے۔ میرے جواب کے انتظار ہی، لیکن مضمون کی سرخی میں بتانے اندہ غایت تابزر بلا لالقاں کیسے میرا نام صحت کر دیا ہے تو یا جزم و قطع کے ساتھ فیصلہ کر لیا لیکن یہ ہے کہ۔

اگر فیصلہ ہو چکا تھا تو استفسار کیوں؟ اگر استفسار ہے

تو پھر یہ تنازعہ بالالقاں کیوں؟

دوسرا لطیف یہ ہے :

خطوط میرے تھے۔ استفسار مجھ سے کرنا ہی، لیکن مضمون اخبار میں شائع کئے تھے میں اور پھر اس کا پرچہ ڈاک کے ذریعے بھیج دیتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس ڈاک کو ذریعہ کا اخبار مجھے مل سکتا ہے، اسی ڈاک کے ذریعہ آپ کا خط مجھے مل جاتا ہے اخبار بد کہنے خیال کہ خط بھیجئے کا زیادہ مختصر خط دیر ہی

ہرچہ از دوست می رسد بیکوست

ابوالکلام

ہرچہ از دوست می رسد بیکوست
امید ہے کہ آپ سے الجیز ہوں گے

عزیزی - السلام علیکم .

آپ نے اجاد کا جو پرچہ بھیجا ہے میں نے دیکھا۔ جن صاحب نے میرے خطوط شائع کئے ہیں، اگر وہ ان کے ساتھ اپنے خطوط بھی شائع کر دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس طرح جواب کی نوعیت پوری طرح واضح ہو جاتی جس عبارت کی نسبت آپ دریافت کرتے ہیں وہ دراصل ان کے ایک سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ انھوں نے لکھا تھا کہ ۔

احمدی جماعت کے مبلغ کہتے ہیں، ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ ظہور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اور دین کی تکمیل انہی کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی۔

میں نے جواب لکھا، یہ صحیح نہیں۔ اگر کسی زمانے میں مسلمانوں کیلئے یہ بات ضروری ہونے والی تھی کہ کسی کے ظہور پر ایمان لائیں اور دو شہادتوں پر ایک تیسری شہادت کا اضافہ ہو جائے تو ضروری تھا کہ اس کا انہیں صاف حکم دیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ اب تکیل دین کے لئے نہ کسی بروز مسیح کی ضرورت ہے، نہ یسوع مسیح کی۔ قرآن آچکا اور دین کا معاملہ مکمل ہو چکا پس اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ روایات میں جن نزول مسیح کی خبر دی گئی ہے، اس کا تعلق قیامت کے آثار و مقدمات سے ہے۔ دین کی تکمیل سے نہیں ہے کہ حضرت مسیحؑ بحیثیت ایک بنی کے نازل ہوں گے اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہو گا کہ نبوت کے ایک نئے ظہور پر ایمان لائے ۔

نہ یہ مطلب ہے کہ سلسلہ آثار قیامت نزول مسیح کی جو خبر دی گئی ہے، اس کی نفی کی جائے چنانچہ عبارت مسئلہ عنہا کا لغو مطالعہ کیجئے۔ سارا نزول تکمیل دین

اور شرائط ایمان و نجات کے معاملے پر پڑ رہا ہے ۔
 اور جو کچھ نفعی کی گئی، اسی کی گئی ہے ۔ عبارت کے الفاظ یہ ہیں ۔
 اگر کسی زمانے میں مسلمانوں کی نجات و سعادت اس پر موقوف
 رہنے والی تھی تو ضروری تھا کہ قرآن صاف صاف اسے بیان
 کر دیتا، اسی طرح صاف صاف جس طرح تمام مہمات اعتقادیہ
 کر دی ہیں ۔

نبی نزل مسیح کی خبر محض آثار قیامت کے سلسلے میں دی گئی ہے ۔
 مسلمانوں کی نجات و سعادت کے معاملہ کا اس سے تعلق نہیں ہے ۔ اگر
 ہوتا تو ہمیں اس کا حکم دیا جاتا ۔ پس اب تکبیل دین کے لئے نہ کرنی بروزی
 مسیح آنے والا ہے ، نہ جینگی ۔

ابوالکلام

نمبر ۱۱۔ کوٹوالہ اسٹریٹ۔ کلکتہ

۱۲ دسمبر ۱۹۰۶ء

شفیق کرم

اُپنا نامت و معذرت کے لئے الفاظ نہیں ملنے کہ میری عدم اطلاع میں
آپ کا وی۔ پی واپس ہو گیا۔ قطعی الزام ہے کہ وسط جنوری سے مرحوم دارالسلطنت
کو زندہ کروں۔ غالباً آپ بھی اس کو پسند کرینگے کہ ایک مستقل اخبار میرے زیرِ قلم ہو۔
اب کچھ کام کی باتیں سنئے۔ آپ کو تاریخِ ہندستان فارسی سر جان ارجمین کلارک
محبوبہ قدیم کلکتہ، ارکانِ اربو، آشرعام گیری اور تاریخِ نادرہ کی ضرورت تھی چنانچہ
چنانچہ متعدد بار اس ضرورت کا آپ اظہار کرچکے ہیں ان چاروں کتابوں کے کافی نسخے
میرے پاس موجود ہیں مگر اب مبادلہ کتب نہیں ہو سکتا۔ نقدِ قیمت پر معاملہ کیجئے۔
آپ تاریخِ ہند اور آشرعام گیری کو چھ چھ روپے میں فروخت کرتے ہیں مجھ سے
۱۲ اور سیکڑے میں لیجئے۔ اول الذکر آپ تین میں بعینہ مبادلہ لے چکے ہیں اور بصورت
نقد آٹھ آنے کی تخفیف۔ ارکانِ اربو اور تاریخِ نادری ایک روپیہ اور دو روپے
سے کم ممکن نہیں۔ اُمید ہے کہ بہت جلد تفصیلی جواب دیں گے۔

کوئی کارآمد اور حتمی کتاب معاوضے میں دیجئے تو لینے کے لئے تیار ہوں
مثلاً تمدنِ عرب یا مطبوعاتِ مصر عربی۔

دارالسلطنت کی نسبت اب تک کوئی نوٹ وطن میں نہیں نکلا۔ دارالسلطنت
وطن کے مقاصد کا حامی اور اس کی اسلامی خدمت کا ہمیشہ معترف رہیگا اب
الجانکلام آزاد و مولوی

لے بنام مولوی انشا اللہ خاں مرحوم مالک و مدیرِ وطن لاہور

کلتہ

۵۵
۲۲

عزیزی

آپ کا خط مل گیا تھا مگر، مجھ، اشغال سے بروقت جواب نہ دے سکا۔
 آپ کے مسودات کا فائل رجسٹرڈ بھجوا رہا ہوں، جس تحریر کا میں
 نے وعدہ کیا تھا، چند دنوں کے بعد وہ بھی بھیج دیا گیا۔ موسم کی سختی اور قلب
 کی شکایت نے آج کل مجھے بالکل بے کس کر دیا ہے یہاں کے حالات کے
 تقاضے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے اور اگر کسی دوسرے سرومقام پر
 چلا بھی جاؤں تو چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

(۱۱)

یہ مکتوب مختصر سی تمہید کا مقتضی ہے۔ مولانا کے نہایت مختص فیضان میں سے ایک میرے عزیز دوست تسلیم مولوی عبد القادر صاحب اعوان دامانی لٹلنگ ڈیرہ اسماعیل خاں ہیں الی بک بندہ والہیت ایسا تھا کہ دور حاضر میں اس کی مثال نہیں مل سکتی چنانچہ ایک مرتبہ فیصلہ کر لیا گیا کہ زندگی کا کچھ حصہ مولانا کی خدمت میں گزاریں اور اسی نہدوم کا عریفہ خدمت والا میں بیچ دیا۔ مولانا نے جو جواب دیا وہ ذیل میں درج ہے۔

مکلفہ - ۱۵ اپریل ۱۹۲۲ء

وَقَدْ ثَابَرْتُ فِي سَجْدَةٍ وَابْتِغَاءِ لَمَّا يَجِدُ دِرْهَاهُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ - خدایا! اللہ تعالیٰ اپنا افضل و کرم آپ کے شامل حال فرمائے اور اپنی محبت و اطاعت کی توفیق دے۔ آپ نے یہاں آنے اور قیام کرنے کا جو شوق ظاہر کیا ہے تو انشاء اللہ اس طرف سے غفلت نہ ہوگی مگر ابھی توقف اور وقتاً فوقتاً خط و کتابت رہے۔ جاری رکھیں جوں ہی مناسب وقت آئے گا۔ اس کا انتظام ہو جائے گا۔ جس بنگہ ہوں اور جس حال میں ہوں، محبت، حق اور خدمت، خلق میں مشغول رہیں۔ یہی دوسرے چشمہ سعادت و وصول الی اللہ ہیں۔ محبت حق اس کے احکام کی اطاعت میں اور خدمت، خلق محتاج تشریح نہیں آپ کی محبت و اخلاص سے بے خبر نہیں ہوں۔ انشاء اللہ یہ اخلاص ضائع نہ پائے گا اور چوں کہ اللہ فی اللہ ہے، مقبول ہو گا۔ والعاقبة للمتقين۔

فقیر ابوالکلام کان اللہ

(۱۲)

حکیم عبدالقادر صاحب ایک مرتبہ کلکتہ پہنچ گئے اس زمانے میں
مولانا کلکتہ سے دہلی منتقل ہونے کی تیاری کر چکے تھے۔ سامان بندھا
پڑا تھا بلکہ کچھ بھیجا بھی جا چکا تھا۔ لہذا قعودی ہی ویر قیام کا
موقع بن سکا۔ حکیم صاحب روزانہ عطر کی ایک شیشی اور انگور کا ایک
خوشہ مولانا کی خدمت میں بھیجوا دیتے۔ ایک روز مولانا نے تحفہ
رکھ لیا۔ دوسرے روز بھی اسے قبول فرمایا، جب تیسرے دن تحفہ
پیش ہوا تو لکھو بھیجا۔

خیزری

یہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں کبھی کبھی بجائے انبساط خاطر کے
انقباض خاطر کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ اگر میری رضا اور خوشی مطلوب ہے
تو اس چیز کو انگور کے خوشوں اور عطر کی شیشیوں میں نہ۔ بلکہ
ڈامنڈ سے لگا۔

الواجبات

جس زمانہ میں "الہلال" دوسری مرتبہ جاری ہوا۔ یعنی ۱۹۲۷ء میں حکیم صاحب موصوف دوبارہ کلکتہ پہنچ گئے۔ مولانا نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا اور فرمایا کہ

غزیری

آپ جس غرض سے آئے ہیں اس کا حصول بغیر "میںا" کے ممکن نہیں اور یہ اطمینان ملاقاتوں کے لئے قیام ناگزیر ہے۔

میں آپ کی نسبت غور کرتا رہا۔ طبیعت نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے یہاں مشغول ہو جائیں۔ بالفعل آپ یہ کیجئے کہ :

- ۱۔ اخبار کے جس قدر پیچے روزانہ باہر جاتے ہیں، بدرالدین سے دریافت کر کے بندل تیار کیجئے اور ڈاک بھیج دیجئے۔ تین چار بجے کا اندر روانہ ہو جانے چاہئیں
- ۲۔ اس کے علاوہ اردو کی خط و کتابت کا کام کرتے رہئے عجب نہیں اور نوائے بہترین مہورت ہر اعتبار سے پیدا کر دے۔ میں کل جمع آپ سے بائیں کرونگا

الو الکلام

لے بدرالدین احمد مولانا کی بیگم، جب کے بسائی تھے، افسوس کہ مدت ہوئی ان کا انتقال ہو چکا تھا حکیم خیرت پور نے وطن کارکردگی میں تنخواہ قبول نہ کی۔ البتہ کئی ناموں کے بال کھاتے تھے رمضان شریف میں ایک مرتبہ مولانا کے خسر آفتاب الدین مرحوم نے پوچھا کہ کوئی تکلیف تو نہیں حکیم صاحب نے کہا کہ کوئی تکلیف نہیں۔ البتہ شام کا کھانا ذرا دیر سے آتا ہے اور میں جلد کھا لینے کا عادی ہوں۔ انہی الدین احمد صاحب نے مجھ کو شاید کھانا کم مقدار میں پہنچاتا تھا چنانچہ اس روز سے۔ نذر میں پار گنا کھانا لے لگا اور حکیم عبدالعزیز نے مولانا کی نسبت میں حقیقت حال عرض کر کے صورتحال تبدیل فرمائی۔

(۱۳)

حکیم صاحب مولانا ہی کے پاس گئے کہ گھر سے ایک صاحبزادی کے انتقال کی خبر ملی۔ مولانا کو معلوم ہوا تو تحریر فرمایا۔

عزیزی۔ آج ارادہ تھا، آپ سے باتیں کروں گا مگر کام ختم نہ ہوا، اب کل انشاء اللہ بالتفصیل باتیں ہوں گی، کل آپ نے جس حادثے کی خبر دی، یقیناً وہ آپ کے لئے سخت تھاق و رنج کا باعث ہوا ہوگا۔

انسان کی کمزوریوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی صبر نہیں لیکن انسان کی رومانی دایمانی تقویت کے لئے بھی اس سے بڑھ کر اور کسی حادثے میں آزمائش نہیں آپ نے مجھ سے صبر و تسکین کے کلمات چاہے ہیں، لیکن اس سے زیادہ میں نہیں کہہ سکتا جو خود آپ کہہ چکے ہیں۔ "فصیر جمیل" ! صبر جمیل کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی خواہش پر خدا کی مشیت کو اس طرح مقدم کر دے کہ اپنی خواہش کے خلاف جو کچھ ہو، اس پر رنج و الم کا احساس بھی پیدا نہ ہونے دے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور یہ بچی قیامت میں نور پر بخشش و شفاعت ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں تسبیح دلا یا گیا ہے

ابو کلام

(۱۵)

حکیم صاحب دہلی میں طب پڑھنے کے خواہاں تھے مولانا نے مندرجا
 مکتوب بھی الملک حکیم آہل ناں رحمہ کے نام غایت فرمایا۔
 حدیق محترم، حامل مکتوب عبدالقادر اسلاخ سرحد کے ایک سعید
 فاضل طالب العلم ہیں اور دہلی جا رہے ہیں کہ کچھ عرصہ طب میں مشغول رہ کر
 اپنے لئے وجہ معیشت کی راہ پیدا کر لیں۔ یہ خواہش مند ہیں کہ جناب کے
 خاندان گرامی کے کسی رکن سے فن کی تحصیل کریں۔ غالباً متقدم حضرات کے
 مطلب میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ میں شکر گزار ہوں گا
 اگر جناب اپنے خاندان کے کسی طبیب کے ہاں ان کی تحصیل کا انتظام فرمادیں
 انتظام سے صرف یہ مقصود ہے کہ آپ ہاں کی نسبت امر فرمادیں۔ اس
 صورت میں یقیناً یہ توجہ حاصل کر لیں گے یہ

الہ اکلام

یہ تمام مکتوب حکیم عبدالقادر صاحب کی ایک کتاب سے ماخوذ ہیں جو موصوف نے
 مولانا کے ساتھ معیت و نیاز کی سرگزشت کے طور پر مرتب فرمائی ہے۔

مضامین

ہجرت کا فتویٰ

مولانا علی محمد ۱۹۶۲ء میں ہندوستان سے ہجرت کے متعلق جو فتویٰ دیا تھا وہ باطل ناپید نہ ہوا۔ اذائقہ سے اخبار "اہل حدیث" امرتسر کی اشاعت ملاحظہ فرمائیے۔ جولائی ۱۹۱۰ء میں اس کا اصل متن شائع ہوا۔ ۱۰۰ وہیں سے نقل کر کے بطور یادگار محفوظ کیا جاتا ہے۔ دانت دہست کہ یہ فتویٰ ترک مولانا کے منسل پر ہو گیا کہ انڈیا سے پیشتر دیکھا تھا۔ جب ترک مولانا کا پیر و گرام منڈور ہو گیا اور جمعہ مرکز پر نہایت وجہیں مسلسل ہند کے علاوہ کانگریس نے بھی اسے منظر کر دیا تو پھر یہیں وسیع پیمانے پر قومی کام شروع ہو گیا اور باہر ہانے کی ضرورت نہ رہی۔ نتیجتاً یہ فتویٰ مولانا کی ضروری تحریرات میں محفوظ ہو جانا چاہئے جس مسئلے کا ذکر فتوے کے آخر میں فرمایا گیا ہے، میرے علم کے مطابق وہ شائع نہ ہوا۔ اہم از کم میر خان لکرت اس کا کوئی نسخہ آج تک نہیں گزرا۔

ابن تیمیہ ضروری سمجھتے ہیں۔

تمام دلائل شریعتیہ حالات حاضرہ مصائب مجتہ امت اور مقتضیات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد یہ یقیناً بدیہی بصیرت کے ساتھ اس اقتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانان ہند کے لئے ہجرت کے اور کوئی چارہ شرعی نہیں ہیں۔ ان تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں اور جو لوگ یکایک ہجرت نہیں کر سکتے وہ مستعد ہجرت کرنے کی غرضت و اعانت اس طرح انجام دیں گویا وہ خود ہجرت کر رہے ہیں یعنی اصل عمل جو اب شرعاً واجب ہے، ہجرت ہے، اس کے سوا کوئی نہیں ہندوستان سے ہجرت قبل از جنگ مستحسن تھی، اب یہ استخوان شرائط شریعت کے ماتحت وجود ہرگز نہ ہوگا۔

ابن تیمیہ اہل حدیث میں نقل ہی نہیں ہوئی تھی

پہنچتا ہے، البتہ جن لوگوں کی نسبت غن غالب ہو کہ مقصد کی جدوجہد اور کلمہ حق کے اعلان و تذکیر کے لئے ان کا نیا مہنتان میں بہ مقابلہ ہجرت کے زیادہ ضروری ہے یا جو لوگ دیگر عزائم مقبولہ شرعی بنی پر ہجرت نہ کر سکیں یا ایک اتنی بڑی وسیلہ آبادی کی نقص و حرکت میں قدرتی طور پر حوتاخیر ہونی چاہئے، اس کی وجہ سے تاخیر ہو، سو بلاشبہ وہ لوگ ٹھہر سکتے ہیں ان کو اپنی تمام قوتیں اتباع شرع کے لئے وقف کر دینی پابنیں۔ ایک منظم ہجرت کی شرعی ہیئت پیدا کر کے زندگی بسر کرنی چاہئے اور جہاں سے غم و نیست کا تعلق ہے ہجرت کے ولولہ و تہیہ سے خالی نہیں رہنا چاہئے۔ ہندستان کی ایک ایسی جماعت کا قائل ہو جانا موجودہ حالات کی بنا پر اصلی کام ہو گا۔

البتہ واضح رہے کہ ہجرت کی جو صورت اس وقت ہندستان میں ریش ہے شرفاً اس کی صورت نہیں ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص بہ طور خود ارادہ کرے اور نکل کھڑا ہو۔ ہجرت کے تمام اعلیٰ تنظیم و جماعت کے ساتھ انجام پانے پائیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا صاحب جماعت کا کام ہے کہ کس شخص کو فوراً ہجرت کرنا چاہئے اور کس شخص کی استعداد ایسی ہے کہ اس کا قیام اندونی خدمات کے لئے مطلوب و مفید ہے۔ نیز ہجرت کی جائے تو کس مقام پر اور کن حالات کے ساتھ کہ موجب ثمرات و برکات ہو، ہر شخص بہ طور خود ان امور کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

نہ ایک طالب علم کو ہجرت کا حکم دیدیا گیا تو اس کے لئے ہجرت کرنا واجب ہو جائے گا۔ اعمال ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنہ نبوت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے۔ بغیر بیعت کے ہجرت نہیں کرنی چاہئے۔ پس ضروری ہے جو لوگ ہجرت کریں، پہلے ہجرت پر بیعت کر لیں۔

مختلف اسباب کی بنا پر (جن کی تشریح رسالہ ہجرت میں ملے گی) یہ ظاہر ہے

کہ نہ ہندستان سے بیک وقت تمام لوگ ہجرت کر سکتے ہیں اور نہ شرعاً مطلوب ہجرت کا سلسلہ جاری رہے گا اور ہندستان میں بھی اسلامی آبادی باقی رہے گی۔ پس جو لوگ ہندستان میں ہیں وہ جب تک ہندستان میں رہیں، شرعاً ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اسلام کے فریقی محارب سے کسی طرح کا علاقہ، محبت و الفت، یا اعانت و غارت کار کریں۔ جو شخص رکھے گا، وہ حسب نص قرآنی اسلام کے دشمن میں محسوب ہوگا۔ ومن یتولہم صنکھ فانہ منہم۔

”علاقہ محبت و خدمت“ میں نئے موالات کا ترجمہ کیا ہے، جو قرآن میں واروہے۔ موالات میں وہ تمام باتیں داخل ہیں، جن سے خلافت کیٹی ”نان کو آپریشن“ کے نام سے روک رہی ہے۔ آج ہی نہیں بلکہ اعلان جنگ ترکی کے وقت سے مسلمانوں کے لئے وہ تمام باتیں از روئے شرع ممنوع ہو چکی ہیں۔ گزشتہ فردی کے جلسہ دہلی سے لے کر اراپریل کے جلسہ خلافت کیٹی عبئی تک میں نان کو آپریشن کو منظور و مقبول کرنے کی جس قدر کوشش کی تھی کہ وہ منظور کر لیا گیا، اس کی بنیاد ہی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ اسلامی مطالبات کے بعد یہ طور ایک ذیاعی اس کے اس تجویز پر عمل کیا جائے گا، کیوں کہ شرعاً نہ تو یہ دفاع و جہاد ہے، نہ کوئی مستقل عمل۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دفاع کے اقدامات میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو ترکی موالات اول روزی سے کرنا تھا۔ نہ کیا تو یہ اشد شدید معصیت اور افاق قطعی۔ اب جب بھی کریں اور جس قدر بھی کریں عین مطلوب و مقصود۔ چنانچہ دہلی کی سب سے پہلی نان کو آپریشن سب کیٹی کے بعد ہی میں نے بیرون خلافت کانفرنس میں تفصیل و افسح کر دیا تھا کہ ہمارا مقصود اس سے کیا ہے اور مسلمانوں کو یہ کام کیوں اور کس شکل میں انجام دینا چاہیے۔

یہ میری رائے ہے، میری بصیرت ہے، میرا یقین و ایمان ہے نہ کوئی قیاس رائے اور پولٹیکل حکمت عملی۔ تمام یورپ اسلامی حکومت سے نکل چکا، بعد از دو شام جا

چکے، لیکن ایمان باقی ہے۔ اب ہم کو قسطنطنیہ کا بچاؤ نہیں کرنا ہے بلکہ اپنے ایمان کا بچاؤ درمیش ہے اور مقصود بقاء ملک نہیں ہے بلکہ صرف بقاء ایمان۔ اگر قسطنطنیہ و لندز کو نہیں بچا سکتے تو کم از کم اپنا ایمان تو بچائے جائیں میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے اور پورے اطمینان و انشراح قلب کے ساتھ اس مسلک پر مستقیم ہوں جس طالب حق کو مجھ پر اعتماد ہو، اللہ کی راہ میں میرا سہوے فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدھم اللہ و اولئک ہم الاولواللباب۔ بالفعل طریق حل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے وہ فوراً مجھے اپنے غم سے مطلع کریں یا حسب ذیل اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کر لیں۔

- ۱۔ مولوی عبد القادر صاحب دکیل، قصور (ضلع لاہور)
 - ۲۔ مولوی محی الدین احمد صاحب بی۔ اے، قصور (ضلع لاہور)
 - ۳۔ مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی (امر تسر)
 - ۴۔ مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ایڈیٹر البیان (دکنو)
- رسالہ ہجرت زیر تحریر ہے، غفریب شائع ہوگا۔ جن حضرات کو دلائل شرعیہ کی نسبت تامل ہو، وہ اس کا انتظار کریں۔

فقیر احمد

فتنہ ارتداد اور مسلمان

اگر مکے آس پاس ایک گروہ راجپوتوں کا مقیم تھا جنہیں ملکائہ راجپوت کہتے تھے اور ان کی تعداد چار لاکھ کے قریب تھی۔ یہ لوگ خدا جانے کب مسلمان ہوئے ۱۹۲۳ء کے اوائل میں ہندوؤں نے انہیں از سر نو ہندو بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ آریا سماج نے یہ سلسلہ جاری کیا اور سوامی شرودھانند اصل تحریک کے لیڈر تھے۔ غالباً ابترائیں اسے بہت عقی رکھا گیا مگر اوائل مابچ میں راز منکشف ہو گیا۔ اس پر مسلمانوں میں بڑی سرسازگی پیدا ہوئی اور بہت سی تبلیغی جماعتیں اطراف ملک سے آگرہ پہنچ گئیں۔ یہ واقعہ بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی کا ایک بہت بڑا موجب بنا۔

تھوکنے کے موالات پر پہلی ضرب اس وقت لگی جب گاندھی جی نے چوری چور میں پولیس کی چوکی پر عوام کے حملے سے متاثر ہو کر اعلان کیا کہ ملک میں ابھی تک عدم تشدد کی فضا پیدا نہیں ہوئی۔ اس بنا پر مجوزہ سول نافرمانی غیر معین مدت کے لئے ملتوی کی جاتی ہے۔ اس سے مختلف حلقوں میں افسردگی و دل شکستگی پیدا ہوئی حکومت نے گاندھی جی کو گرفتار کر کے چھ سال کی قید کی سزا دیدی۔ تحریک پر دوسری ضرب فسادات سے لگی۔ ملکائہ راجپوتوں کو ہندو بنانے کی تحریک نے مسلمانوں کو یقین دلادیا کہ ہندو کسی بھی حالت میں مل جل کر کام کرے خواہ انہیں چاہے فضا اتنی بگڑی کہ پھر وہ ۱۹۴۷ء کے انداز پر نہ سکی۔

حوالہ آخود حالات دیکھنے کے لئے اگر وہ گئے تھے وہاں پہلا سہر میں انہوں نے
مندرجہ ذیل بیان جاری کیا جو ۱۵ اپریل ۱۹۶۳ء کے رینڈ میں شائع ہوا تھا۔
افسوساً اگر وہ کے لکازہ راجپوتوں کو ہندو بنانے کی جو تحریک شروع کی گئی تھی اس
کی نسبت حسب ذیل خیالات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں :

ہندوستان میں ہر شخص اور ہر جماعت کو حق حاصل ہے کہ جائز اور باہن طریقے سے اپنے
مذہب کی اشاعت و تبلیغ کرے۔ قدرتی طور پر ہر شخص اور ہر جماعت اپنی پسند اور مرضی
میں آزاد ہے۔ ہر انسان حق رکھتا ہے کہ اپنے اعتقاد کی طرف دوسروں کو دعوت دے اور جس
اعتقاد کو حق سمجھے اپنی پسند اور مرضی سے قبول کرنے۔ اعتقاد اور پسند کی آزادی انسان کا
قدرتی اور پیدا شدہ حق ہے انسان نے اپنے اور بہت سے حقوق کی طرف یہ حق بھی کھودیا تھا۔
تیسرے سو برس پہلے قرآن نے از سر نو اس کا اعلان کیا : **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ تَجَدَّدْنَا**
الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (البقرہ) **وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** (البقرہ)

حق کا مسئلہ

اگر ملکانہ راجپوتوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی پسند اور مرضی سے ہندو قوم میں شامل
ہونا چاہتے ہیں تو ضرور انہیں یہ حق حاصل ہے میں سمجھتا ہوں ان کے اس حق سے کسی کو بھی
انکار نہیں۔ اس وقت تک ہندو اس بات کے لئے تیار نہیں تھے اور نہ از روئے مذہب اسے
جائز سمجھتے تھے۔ اب اگر کچھ لوگ ہیں جو آریہ سماج کے ساتھ اس بارے میں متفق ہو گئے ہیں تو
لے دیں کہ اسے میں کسی طرح کا جبر نہیں رکھتا بلکہ وہ دل کے اعتقاد سے ملحق رکھتا ہے اور جو تشدد، اعتقاد پیرا
نہیں کیا جاسکتا، بلاشبہ برائیت کی نہ گزری سے اگلا دریا یاں ہوئی ہے اور اب دونوں مذاہب لوگوں کے
سامنے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں، پھر کوئی طاقت سے انکار کرے (یعنی سرکاری اور فساد کی قوت سے بیزار
ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح و سعادت) کی مضبوط شاہی پکڑ لی یہ شہنی ٹوٹنے
والی نہیں اور یاد رکھنا اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے، مسئلہ کیلئے کوئی وجہ نہیں کہ اس بات پر متعرض ہوں۔ ان کے لئے صرف ایک ہی بات صحیح اور برہیل ہو سکتی ہے۔ وہ بھی اپنا مذہبی فرض انجام دیں اور ملکانہ راجپوتوں کو اسلام میں مضبوط اور مستقل بنانے کی کوشش کریں۔ اپنے کام سے غفلت کرنا اور غفلت کے جب قدرتی نتائج پیدا ہوں تو غیروں کا گلہ کرنا نہ عقل و دانائی کی بات ہے نہ عزت و شرف کی۔

ملکانہ راجپوتوں کا معاملہ

لیکن موجودہ مسئلہ حق اور آزادی انتخاب کا سوال نہیں ہے۔ معاملہ کے جس پہلو نے عام جذبات پر اثر ڈالا ہے وہ دوسرا ہے ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یا کوئی جماعت اپنی پسند سے ایک مذہبی حلقہ چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس غرض سے ایک آرگنائزڈ منظم اور جماعتی کوشش بہ طور ایک موومنٹ (تحریک) کو شروع کی جائے۔ آریہ سماج کی جانب سے جو کوشش شروع ہوئی وہ دوسری قسم کی ہے، پہلی صورت نہیں ہے قدرتی طور پر اسی کے اثرات پہلی صورت سے مختلف شکل میں نمایاں ہونگے میں پورے وقتوں کے ساتھ رائے رکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے موجودہ وقت میں یہ تحریک شروع کی، انھوں نے ملک کا عام مفاد نظر انداز کر دیا۔ ان کا فرض تھا کہ اس بات کی غفلت نہ کرتے اور سمجھتے کہ اس وقت ان تمام باتوں سے احتراز کرنا چاہیے جو ملک کے جذبات اور توجہ کو ملکی اتفاق اور مشترک جدوجہد سے ہٹا کر کسی اشتغال انگیز مقصد کی طرف لے جائیں یہ بات کہ سیاسی اور ملکی اتفاق ایک دوسری چیز ہے اور اپنی اپنی مذہبی تبلیغ کی سرگرمی دوسری چیز، ایک کا اثر دوسرے پر نہ پڑنا چاہئے، کتنی ہی مقفول اور صاف ہو لیکن علی طور پر فہم اور حاعتوں کی سائیکولوجی (نفیسات) پر منطبق نہیں ہو سکتی۔ میں یہ کہنے سے باز نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے یہ تحریک شروع کی، انھوں نے ملک کی متفقہ فضا کو کھد کر لئے اور عام جذبات کو، بھجان میں لانے کی بہت بڑی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ یو امی شروماندہ کی یو

کہ ملکانہ راجپوت و اہل ہند ہی ہیں ہندوؤں نے اب تک چھوڑ رکھا تھا اے شہنشاہی کرنے سے یہ مقصد ہی کہہ طور ہندوؤں کا گناہ (تسلیم) کر لیا ہے۔ میں ان کی بات ٹھوڑی دیر کے لئے مان لوں گا اور کہوں گا کہ اگر یہ صحیح ہو تو ان کا پہلا کام یہ تھا کہ ان کو ذرا مل چھوٹ جہاں ملنے کی چیز لیتے جن کی غلطو مانہ حالت نہ صرف ہندستان بلکہ تمام نوع انسانی کے دامن پر وحشت و قساوت کا سب سے بڑا دھبہ لگایا وہ اس کا سفا رخ ہو گئی ہیں کہ اب ان کے لئے صرف ملکانہ راجپوتوں ہی کا ایک میدان عمل باقی رہ گیا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے فسادات

بلاشبہ معاملہ کا یہ پہلو ایسا ہی ہے ہم غمخسوس کیساتھ غمخسوس کرتے ہیں، لیکن صرف غمخسوس ہی کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ بہتر ہے کہ کرنا چاہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے سوچنے کی نہ تھی۔ ان لوگوں کے سمجھنے کی تھی جنہوں نے یہ کام شروع کیا ہو اب بھی صرف انہی کے سمجھنے کی ہے یا ملک کے ان ہندو لیڈروں کے غور کرنے کی ہے جن سے حقیقت حال پوشیدہ نہ ہونی چاہئے۔ مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ شکوہ و شکایت کریں یا اپنے لئے کوئی ایسا پوزیشن (معدیہ) اختیار کریں جس سے توقع اور خواہش نکلتی ہو۔ یہ کام شروع نہ کیا جاتا تو بہتر تھا لیکن جب شروع کر دیا گیا ہے تو مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی چارہ کار رہ گیا ہے، یعنی وہ بھی اپنا فرض سکون اور خاموشی کے ساتھ انجام دیں۔ دوسروں کے لئے یہ نیا قدم ہے لیکن ان کے نشان کا اصلی اور دائمی فرض ہے ان کو انھوں نے اپنا فرض ادا کیا ہوتا تو ان میں تنازعہ پیش نہ آتے۔

حالات کا نقشہ

دوسرے مسلمان حالات کا یہ جو اس تحریک کے سلسلے میں وہاں پیش آ رہے ہیں عام مسلمانوں کے دلوں پر جو چیز زیادہ اثر ڈال رہی ہے وہ صوفیہ خیال یہ ہے کہ ملکانہ راجپوتوں کا ایک پہلو اگر وہ اس بات کے لئے تیار کر لیا گیا تھا کہ شہنشاہی ہونا قبول کر لے، وہ ہو گیا اب باقی

جماعتیں اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں۔ ایک طرف شدھی بھلا اور وہ لوگ ہیں جو شدھی ہو گئے ہیں اور دوسری طرف اپنی قدیم حالت پر قائم بلکہ نہ راہبوتہ ہیں۔ پہلی جماعت کشش کر رہی ہے کہ، سب کے سب شدھی ہونا قبول کر لیں، دوسری اس بات پر تہی ہوئی ہے کہ اپنی قدیم حالت پر باقی رہے تیسری جانب وہاں کی قدیم ہندو باوی کی اور قدرتی طور پر وہ پہلی جماعت کے ساتھ ہے یہ بالکل واضح ہے کہ جب بھی ایسی صورت حال پیدا کی جائیگی تو ضرور کشش اور جبر واکراہ کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں گی۔ مذہب اور قومیت کے معاملہ میں بھی انسان حق و انصاف کے حدود کے اندر نہیں رہ سکتا۔ قدرتی بات یہی کہ جو لوگ شدھی کر چکے خواہش مند ہیں، وہ ہر طرح کے وسائل کام میں لائیں گے جو ہو گئے ہیں وہ ضرور چاہیں گے کسی نہ کسی طرح دوسروں کو بھی اس کے لئے مجبور کریں۔ اطراف کی ہم مذہب جماعتیں بھی، پوری طرح اپنا زور لگائیں گی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ طرح طرح کی حق تفیاض ہونگی بھرواکراہ سے کام لیا جائے گا، جائز و باؤڈا جائیگا، ناجائز تر عیس دی جائیں گی اور اس طرح ایک لپری آبادی امن و سکون اور معاشرتی عافیت کی جگہ بد امنی و کشاکش میں مبتلا ہو جائیگی۔ کسی جگہ ننانوے آدمی شدھی ہو جائیں گے، ایک ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس پر کیا گزیرے گی؟ شہر ہو جائیگا، بیوی نہ ہوگی۔ عجیب نہیں اسے مجبور کرنے کیلئے طرح طرح کی سختیاں کی جائیں شدھی بھلا سے سوال!

میں سوائی شردھانند اور شدھی بھلا کے ارکان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے ان خرابیوں کے دور کے کیا کیا؟ تنظام کیا ہے؟ اور کیا از روئے حق و انصاف اس کی ذمہ داری ان کے سر عائد نہیں ہوتی؟ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جب وہ ایک ایسا نازک اور مذہبی جذبات کو براہِ بغیر اختیار کر دینے والے کام کی دعوت لیکر اٹھے تو انھوں نے انسان کے حق و امن کو کھنڈ کیا ہے؟ اپنا کوئی خفیہ غرض محسوس کیا یا نہیں؟ اگر از خود نہیں کیا تو جب بھی کوئی ایسا واقعہ ان کے علم میں آیا، انھوں نے اس کے انصاف کیلئے کوئی کوشش کی۔

یہ معاملہ اس قدر واضح اور قدرتی ہے کہ واقعات کے ظہور سے پہلے ہی ہر ذی عقل اور انصاف پسند دماغ اسکی ضرورت تسلیم کر لے گا، لیکن اب میں تبنا ناچاہتا ہوں کہ محض قیاس ہی نہیں ہے، واقعات کی شکل میں ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ اخبارات میں متعدد اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ جبر و اکراہ اور ناچائز دباؤ اور غریب کی صورتیں پیش آئی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تمام واقعات صحیح ہیں یا نہیں؟ لیکن ان میں سے چند آدمی میرے سامنے بھی آکرہ میں آئے۔ انھوں نے اپنی اپنی سرگزشتیں سنائیں۔

دو جماعتوں کی زیادتی

ان لوگوں نے دو جماعتوں کی طرف سے زیادتی کی شکایت کی۔ ان کی طرف سے جو شہمی ہو گئے ہیں اور ان ہندوؤں کی جانب سے جو دہاں پیشتر سے آباد ہیں۔ ایک مسلمان درزی کو یس لے دیکھا جو اپنی دکان اور زمین چھوڑ کر آگرہ بھاگ آیا ہے۔ اس کے گاؤں میں تمام آدمی شہمی ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اوپر لے ہندوؤں نے مل کر اسے مجبور کیا کہ وہ بھی ہو جائے۔ جب اس نے انکار کیا تو اس کا بیان یہ کہ مارنے پینے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک اٹھ لکانہ لڑچوٹ ہے جو اپنی زمین اور مکان چھوڑ کر چلے آئے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے گاؤں میں اکثر غافلانہ شہمی ہو گئے۔ یہ نہیں ہوا اس لئے اس کے خلاف سب نے جتھا بندی کر لی۔ آخر مجبور ہو کر بھاگ آیا اب اس کی زمین پر دوسروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ایک عورت پیش کی گئی جس کا تمام گاؤں شہمی ہو گیا ہے چونکہ وہ اور اس کا لڑکا شہمی نہیں ہوئے۔ اس لئے وہاں کے آدمیوں نے ایک لکڑیا بے لاسکی زمین پر کوئی آدمی کام نہ کر سہ۔ ایک دوسری جگہ کی نسبت بیان کیا گیا کہ شوہر شہمی ہو گیا، بیوی نہیں ہوئی۔ وہ دوسرے گاؤں کی ہے۔ شوہر نے اسے مکان میں بند کر دیا ہے اور مجبور کر رہا ہے کہ شہمی ہونا منظور کر لے۔

کنور عبد الوہاب کا بیان

آخری واقعہ کنور عبد الوہاب نے سو ہی شرمناک اور بعض دیگر ارکان شہمی سمجھا کے

۱۰ شہر قری کار کی تھے جنہوں نے مختلف مسلمان گروہوں کو شہمی سے غمناک رکھنے کیلئے جبری مقرر سے کام کیا۔

سامنے بیان کیا۔ میں نے جب ان سے پوچھا تو انھوں نے تسلیم کیا کہ ایسا واقعہ ان کے سننے میں بھی آجائے، لیکن جو کچھ ہمارے لڑکی کے شوہر کی جانب سے ہوا ہے۔ سبھا کے آدمیوں کلاس سے کوئی تعلق نہیں۔ باقی واقعات کا یہ حل ہے کہ جن آدمیوں پر گزروے میں خود انھوں نے میرے سامنے بیان کیا مجھے اسکی ہمت نہ ملی کہ موقع پر جا کر تحقیقات کرتا۔ ان کا ملازم بیان، حالات کا تواقی اور میرے جرحی سوالات کی جوابات ایسے تھے کہ میں سمجھتا ہوں وہ اپنی شہادت میں جھوٹے نہیں ہیں ان کے علاوہ ناجائز ترغیب لہو و باؤ کے واقعات بھی بیان کئے جاتے ہیں، لیکن مجھے ذاتی طور پر ان کے سننے کا موقع نہیں ملا۔ میں ان کی نسبت بطور تحقیق و شہادت کے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

کانگریس کے نائب صدر کی شہادت

جس دن میں اگرہ پنچا اسی دن سوامی مزدھانند وہاں سے جا رہے تھے باوجود میرے اصرار کے وہ ٹھہر نہ سکے۔ میں نے مسٹر چاندل سے جو اگرہ کانگریس کمیٹی کے دائرہ پرزینٹ اور شدھی بھا کے خزانچی ہیں، پوچھا کہ ان کی بھلے نتج تک کوئی کوشش ایسے واقعات کے انسداد کی کی ہے؟ انھوں نے تسلیم کیا کہ نہیں کی، البتہ وہ معترف تھے کہ ایسا کرنا چاہیے اور آئندہ کیا جائے گا۔

بلاشبہ معاملہ کا یہ پہلو ملک کے ہندوہ نماؤں کے لئے خاص طور پر قابل توجہ ہے ان کا فرض ہے کہ اس کے انسداد کی کوشش کریں یہ فرض آریا سماج اور شدھی بھا کا تھا وہ اگر اس میں پوری نہ آتے تو ہندو پرس اور ہندو لیٹر دل کا فرض ہے کہ جہاں تک آزرے حتی و الفان مزدوری سمجھیں اپنا فرض انجام دیں مجھے یقین ہے کہ کوئی انصاف پسند ہندو اسے پسند نہ کرے گا کہ غریب اور بے زبان مکانہ لاجپوتوں میں سے کسی ایک آدمی پر بھی اس لئے سختی ہو کہ وہ اپنی پسند اور مرضی سے اپنا اعتقاد بدلنا نہیں چاہتا۔

مسئلہ خلافت اور جمہوریہ ترکیہ

النباۃ العظیم

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَهُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ .
یہ مقالہ النباۃ العظیم کے عنوان سے مولانا نے ۱۹۲۳ء میں مرتب فرمایا تھا اور مزید اس کی
ساتھ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد پاک ہند کی وسیع سرزمین
میں جس میں عوامی تحریک کا فہور ہوا، وہ اپنے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے یکجا نہ حیثیت
کی مالک تھی۔ اس تحریک کو تحریک ترک حوالات یا تحریک الاتحاد بھی کہا جاتا ہے۔ اس
کے تین مقاصد تھے سوراج یعنی ملک کے لئے خود مختار آزاد حکومت بحالی خلافت و
آزادی جزیرۃ العرب اور پنجاب میں حکومت کے کارندوں نے جو ظلم کئے تھے ان کی لٹائی
تحریک بحالی خلافت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ پہلی عالمی جنگ میں ترکوں نے جو قوت
خلافتِ عالمہ کے بھی حامل تھے، انگریزوں اور اتحادیوں کے خلاف حصہ لیا تھا، جرمنی
اور آسٹریا کی طرح ترکوں نے بھی مشرکین صدر جمہوریہ ترکی کے چودہ حکام تک پہنچا دیے
جنگِ ہند کی تھی صلح کے لئے گفت و شنید جاری ہوئی تو امریکی اپنی اتحادیوں خصوصاً
برطانیہ اور فرانس کے طرز عمل سے دل برداشتہ ہو کر مٹجورہ ہو گیا۔ برطانیہ اور فرانس جنگ
میں عرصوں کے ساتھ آزادی کا وعدہ کر کے اپنی ترکوں کی خلاف نواہی پر آمادہ کر چکے تھے
صلح کے وقت ان دونوں نے عربوں سے بھی وعدہ ہدی کی اور ان کے مختلف علاقے اپنی زیر
اثر لے لئے۔ اس طرح جزیرۃ العرب کی آزادی اور تقدیس قائم نہ رہی کہ ترکوں کی
بدعہدی کی اور ان کے قوی علاقے لبنان و شام کے درمیان بانٹ دیئے۔ قسطنطنیہ
(استنبول) پر قبضہ کر لیا۔ عثمانیوں نے خلافت کی بحالی اور جزیرۃ العرب کی تطہیر

کے لئے جدوجہد شروع کی۔ کانگریس نے مسلمانوں کی اس تحریک کو اپنا لیا۔ پہلے ہجرت کی تحریک جاری ہوئی۔ پھر قید و بند کا سہ گہرہ شروع ہو گیا۔ لاکھوں مسلمانوں اور چیمبرلوں نے اسیری کی معیتیں بہ طیب خاطر برداشت کر لیں۔ یہ پہلی کاری ضرب تھی، جو انگریزی اقتدار پر لگی۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی دو جماعتیں پوری قومی تحریک کی کفیل تھیں، اول جمعیت خلافت دوم جمیعۃ العلماء۔ ترکوں نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانیوں کو شکست کھا کر دیکر اناطولیہ سے نکال دیا۔ اٹلی نے لڑنے بھرنے بغیر صلح کر لی۔ فرانس کو بھی مصالحت ہی میں غایت نظر آئی۔ برطانیہ کے وزیر اعظم لارڈ رابنسن نے مجاہد ترکوں کی مزاحمت کا فیصلہ کیا۔ مگر انگریزی نوآبادیوں کی حکومتوں اور برطانیہ کے عوام نے ساتھ نہ دیا اور لارڈ رابنسن کو استعفیٰ دینا پڑا۔ ترک کامیاب ہوئے انھوں نے جمہوری حکومت قائم کر لی۔ انگورہ (موجودہ انقرہ) کو مرکز بنایا اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا صدر جمہوریت قرار پائے۔

جنگ تھکے آخری دور میں وحید الدین سلطان ترکی تھا، وہ انگریزوں کے زیرِ قہر مجاہد ترکوں کی کامیابی پر وقتِ سلطنت چھوڑ کر چلا گیا اس کی جگہ عبدالحمید خاں کو سلطان اور خلیفہ بنا دیا گیا۔ اہل بعیرت کے نزدیک مناصب کی تقسیم درست تھی جب مجاہد ترکوں پر اس فیصلہ کی خامیاں واضح ہوئیں تو انھوں نے خلافت کا منصب ختم کر دیا۔ سلطان عبدالحمید خاں لوشاہی خاندان کے دوسرے افراد کو تھاک سے نکال دیا۔ اس پر مسلمانانِ ہند میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، جس کی تفصیلات یہاں پیش کر نیکی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ مولانا نے اپنے طویل مقالے میں تمام ضروری چیزیں خود واضح فرما دی ہیں۔

انھوں نے کہ پسند نہ ہو سکا اور اس کے باقی پہلو زیر بحث نہ آسکے ہیں

نے مختلف مقالے کے مختلف حصوں کو نمبروں کی ترتیب میں یہاں مرتب کر دیا ہے ابتدائی دو نمبروں میں مولانا نے اپنے انٹرویو کی کیفیت بیان فرمائی ہے باقی پانچ نمبروں میں بعض ضروری پہلوؤں پر گفتگو کی ہے مطالعے سے خود بخود واضح ہو جائے گا کہ یہ مقالہ علمی نقطہ نگاہ سے کس درجہ اہم ہے۔

(۱)

نمبروں کی کیفیت | جمہوریت ترکیب کے جدید فیصلہ و خلافت کی سب سے پہلی خبر پہلے ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو شائع ہوئی۔ اخبار کے مطالعے کے دو گھنٹہ کے بعد مقامی اخبارات کے نامہ نگار میرے پاس آئے۔ میں نے جو کچھ اس وقت کہا تھا، پھر اس کے بعد ۳ اور ۴ مارچ کو کہا وہ ایک جا صورت میں حسب ذیل ہے۔

”موجودہ حالت میں کتنی قطعی رائے کا اظہار مشکل ہے مسئلہ اس قدر نازک اور غیر معمولی نوعیت کا ہے کہ محض رائٹر کیجیسی کی ترجمانی اس کی وضاحت کیلئے کافی نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس قدر کہہ دینے میں مجھے تامل نہیں کہ جن الفاظ اور جس شکل میں یہ خبر بھیجی گئی ہے اور جو انٹر اس کا پڑھنے والے پر پڑتا ہے، اصلیت ضرور اس سے مختلف ہی خبریں متعدد تعبیرات کا ذکر کیا گیا ہے، خلیفہ کا عزل، حکومت کی موقفی، عثمانی شاہی خاندان کی حکمرانی اور وطنی وزارت اوقاف، وزارت امور دینیہ اور چیف آف جنرل شاف کی موقفی اور قدیم دینی مدارس کے بند کر دینے کا فیصلہ۔ میں پہلے آخری تعزیرات کی نسبت کہوں گا۔ رائٹر کیجیسی میں صرف اس قدر نا کر خاموش ہو جاتی ہے کہ صدر صدر وزارتیں موقوف کر دی گئی ہیں، لیکن یہ نہیں بتلائی کہ جن امور کا ان وزارتوں سے تعلق تھا، آئندہ ان کا انصرام کیوں کر ہوگا؟ قدرتی طور پر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترکی حکومت آئندہ دین اور مذہب کا اہتمام کرنا نہیں چاہتی اور اسی لئے اس نے دینی مدارس کے بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن میں پورے دوق اور بعیرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ تغیرات صحیح طور پر ہوئے ہوں یا غلط طور پر، احکامیہ مطلب یہ نہیں ہے۔“

اور دینیہ، اوقاف اور تعلیم | یہ صحیح ہے کہ نیشنل اسمبلی میں ایک بل منظور ہو گیا ہے جس کا کلی مقصد سے ترکی اخبارات میں چھپا تھا اور اب آئینہ سے دینی معاملات اور اوقاف کی وزارتیں موقوف کردی گئی ہیں مگر اس لئے نہیں کہ آئینہ سے حکومت ان امور کا اہتمام کرنا نہیں چاہتی، بلکہ اس لئے کہ ایک نئے طریقے پر انتظام مقصود ہے دراصل موقوفہ نہیں بلکہ (جیسا کہ عصمت پاشا نے گزشتہ ماہ ظاہر کیا تھا) ایک طرح کی اداری (ڈپارٹمنٹ) تبدیل ہے۔ اس وقت تک ترکی میں دینی و تعلیمی انتظامات کیلئے ایک طرح کی غیر منطقی تقسیم قائم تھی، یعنی ایک طرف تو ملک کے تمام قانونی، داخلی اور مالی انتظامات کیلئے مستقل وزارتیں اور صیغہ قائم تھے، دوسری طرف دینی امور کے انصرام کے لئے ایک الگ صیغہ اور بعد کو ایک علیحدہ وزارت قائم ہو گئی تھی۔ حالانکہ جب حکومت کا سرکاری دین اسلام تھا اور تمام قانونی اور انتظامی معاملات ایک ملمان حکومت کی حیثیت سے انجام دیے جاتے تھے تو پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ ایک وزارت اور دینیہ کے نام سے قائم رکھی جائے اور ایک طرح کی دو علی انتظامات میں پیدا کی جائے؟ اسی طرح جب ملک کی عام تعلیم کیلئے جس میں دینی تعلیم بھی داخل ہے، ایک وزارت موجود تھی تو پھر دینی تعلیم کے لئے ایک خاص الگ صیغہ قائم رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اب حکومت نے اس جدید تجویز کے ذریعہ اس دو علی انتظام کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اوقاف کا صیغہ وزارت مال کے ماتحت کر دیا ہے دینی امور کا تعلق علی طور پر جسے جن صیغوں سے تھا ان کی نگرانی انہی صیغوں اور وزارتوں سے متعلق کر دی گئی ہے۔ دینی تعلیم کا انتظام براہ راست وزارت تعلیم کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ وزارتیں جس طرح علم و دل کی ہر شاخ کیلئے ماہرین فن سے مدد دیتے ہیں، اسی طرح دینی امور اور دینی تعلیم کے لئے علماء سے مدد دیں گے۔ باقی ماباقدیم دینی مدارس کی موقوفی کا معاملہ اتنا اکتا ہیقت ہے کہ قسطنطنیہ اور دیگر ترکی شہروں کی مسجدوں میں عربی مدرسہ قدیم روش کے قائم تھے جن میں تعلیم کا کوئی خاص انتظام و معیار نہ تھا، نیز باقاعدہ نصاب اور امتحان کی جو کتابیں پڑھائی جاتی

تھیں وہ بھی مفید آدمیوں نہ تھیں! دوسرے سے محسوس کیا جلد ہاتھ اکڑا کر وہاں کے تعلیم یافتہ ملک کیلئے بیکاروں کا قلیل قبیلہ ہیں۔ یا تو ان کی اصلاح کی جائے یا علوم و دینیہ کنی دیکھا جائے تاکہ کی جائیں۔ اب اس جدید قانون کے ذریعے کوشش کی گئی ہے کہ اس دیرینہ احساس کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ اب یہ تمام مدرسے بند کر دیئے جائیں گے۔ ان کی جگہ قسطنطنیہ یونیورسٹی میں ایک خاص شعبہ علوم و دینیہ کا جاری کیا جائے گا۔ پچھلی ڈاک کے ترکا خباہات میں ایک مہر اسمبلی کا بیان چھپا تھا کہ اس شعبہ کے قیام کے لئے شیخ اسماعیل حق افندی از میری کا تقرر عمل میں آیا گا جو اس وقت قسطنطنیہ میں تاریخ اسلام کے پروفیسر ہیں۔

اصلاحات سے نا اُمیدی میں اس وقت اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ جو کچھ ہوا ہے بہتر طریقہ پر ہوا ہے یا نہیں، جہاں تک میری ذاتی معلومات و آراء ہیں میں ترکی کی برسرِ اقتدار جماعت سے اس میں کچھ زیادہ خوش آئند توقعات نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں اگرچہ وہ اصلاح کے لئے مضطرب و متعجل ہے، لیکن اصلاح کی صحیح اور معتدل راہ اس کے سامنے نہیں ہے، نہ فیہمتی سے اس میں ایسے لوگ ہیں جو مذہبی اصلاح کی نذر اکتوں اور مشکلوں پر عبور رکھتے ہیں، لیکن جو بات میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ان تغیرات سے مقصود بہر حال اصلاح و درستگی اور ایک طرزی چھوڑ کر دوسرے طریق اختیار کرنا ہی نہیں کہ مرے سے دینی تعلیم بند کر دی جائے یا حکومت دین و مذہب کے اہتمام سے دستبردار ہو جائے۔ ایسا خیال کرنا میرے واقعات کی تکذیب کرنا ہے اگر موجودہ حکمران جماعت کے چند افراد ایسا کرنا بھی چاہیں جب بھی وہ ایسا کر سکیں جرات نہیں کر سکتے مسلمانانِ عالم قطع نظر کر لو، خود ترکی میں اس وقت میں ملین مسلمان آباد ہیں جن میں کیا نو فیصد قطعاً آرتھوڈوکس مسلمان ہیں اور ترکی خارج تو ناگزیر ایسے ہی اناطولی مسلمانوں سے بنی ہے کیونکہ مگر عقل باوجود کسکی ہے حکومت دین و مذہب کے اہتمام سے دستبردار ہو جائے اور وہ خاموش بیٹھے تماشاء کیجئے رہیں۔

جنرل فوزی پاشا چیف آف جنرل اسٹاف کھلی وزارت کے ایک کمرے میں تھے۔

کرو وزارت جنگ کی موجودگی میں اس وزارت کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ مکن تھا کہ ملکی سیاست و انتظام میں فوجی عناصر کی شرکت آگے چل کر فسادات کا باعث ہوتی۔ اس لئے اب آئندہ ہی یہ وزارت بھی موقوف کر دی گئی ہے اور یقیناً یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

مسئلہ خلافت - اب آئیے اسی روشنی میں اس معاملہ پر بھی غور کریں جو خلافت کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔ خبر کامفاویہ ہے کہ خلیفہ عبدالحمید مغلزل کر دیئے گئے ہیں اور منصب خلافت موقوف۔ آپ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اب آئندہ سے ترکی حکومت میں اسلامی خلافت باقی نہیں رہی، کیونکہ خلیفہ کا منصب موقوف کر دیا گیا ہے لیکن مجھے اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار ہے یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ اسلامی حکومت کی حقیقت پر آپ کی نظر نہیں چل کر رو می کیسوں کے چرچ میں ایک دینی دروہانی منصب "پوپ" کا موجود ہے اس لئے ہمیشہ اسلامی خلافت کا لفظ بولتے ہوئے لوگوں کا ذہن پوپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے پوپ کا ایک مذہب دروہانی منصب اور دینی اقتدار ہے اگر وہ موقوف کر دیا جائے، وٹیکل (روم) میں پوپ کا نظام باقی نہیں رہے گا آپ سمجھتے ہیں اسلامی خلافت کا بھی یہی حال ہے وہ ایک خاص دروہانی منصب ہے اگر کسی تجویز اور حکمانہ اقتدار کے ذریعے اس کی موقوفی کا اعلان نافذ کر دیا جائے تو پھر گواہی اسلامی حکومت بدستور باقی رہے گی، لیکن خلافت قیسطنطنینہ میں باقی نہیں رہے گی۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ ایسا سمجھنا نہایت سخت غلطی ہے اسلامی خلافت کی حقیقت پوپ کے منصب سے اتنی ہی مختلف ہے جس قدر اسلام کا عقیدہ توحید سچی تثلیث سے (مختلف ہے)۔

اسلامی خلافت کی حقیقت - اسلامی خلافت سے مقصود دراصل حکومت ہی اور خلیفہ وہ ہے جو اس حکومت کا رئیس ہو جس منہج کے لئے عام طور پر حکومت اور تثلیث کا لفظ بولا جاتا ہے چند خصوصیات کی بنا پر اسلامی بول چال میں آئی کا نام خلافت ہے پس اگر اسلامی حکومت موجود ہے تو اسلامی خلافت بھی موجود ہے حال میں باہم تو ہم کی نسبت

نہیں ہر ایک کی موجودگی دوسرے کے لئے مستلزم نہ ہو، تراوف ہے جس کی وجہ سے ایک کی موجودگی دوسرے کی موجودگی کے ہم معنی ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کا نظام کیا ہو؟ تو یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے اگر وہ صحیح نظام پر ہے تو صحیح خلافت مقصود ہوگی، اگر غلط نظام پر ہے تو ناقص اور محتاج اصلاح سمجھی جائے گی لیکن نظام کی صحت و غلطی اس کی موجودگی کے مسئلے پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔

موقوفی سے مقصود کیا ہے؟ | اب غور کرنا چاہئے کہ خلافت کی موقوفی سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ آئینہ دستار کی حکومت موقوف کر دی گئی؟ یا آئینہ دستار کی حکومت ایک مسلمان حکومت نہیں رہی؟ کیونکہ یہی دو صورتیں خلافت کی موقوفی کی ہو سکتی ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا کوئی صحیح عقل انسان اسے باور کر سکے۔ یہ واقعہ ہے کہ ترکی کی مسلمان حکومت اب بھی موجود ہے۔

عجب نہیں اس کا مطلب دوسرا ہو۔ اٹھارہ بیسے ہوئے کرکس اسمبلی نے سلطنت اور خلافت کی علیحدگی کا اعلان کیا تھا اور اس کے بعد بیک وقت دو منصب قرار دیئے تھے ایک خلیفہ کا، ایک جمہوریت کے صدر کا۔ فی الحقیقت یہ تقریر اور منصب کا تو دو قطعاً احکام اسلامی کے خلاف تھا۔ اس میں وہی غلطی کارفرما تھی جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے کہ انھوں نے ترکی کی حکومت کو جمہوریت کے نظام میں بدل دیا تھا تو اسلامی نقطہ خیال سے یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، بلکہ ان مطلوبات میں سے تھی جن کا صدیوں سے مصلحین اسلام کو انتظار تھا، لیکن اس کے بعد یہ نہیں ہونا تھا کہ حکومت سے الگ خلیفہ کا منصب قرار دیا جائے۔ خلیفہ حکومت کے اعلیٰ رئیس کا نام ہے جب تک حکومت شخصی و شہنشاہی تھی سلطان اس کا رئیس تھا اور وہی خلیفہ تھا۔ اب جمہوریت ہو گئی تو اس کا اعلیٰ رئیس صدر جمہوریت ہی اور وہی خلیفہ ہونا چاہئے۔ اگر اسمبلی عثمانی خاندان کے خلاف نہ تھی تو چاہئے تھا کہ جمہوریت کے صدر عبد الحمید ہوتے۔ اگر وہ اس کے خلاف بھی تو چاہئے تھا کہ ابو صدہ تخت ہوتا

دی خلیفہ ہوتا، اس کے کوئی معنی نہ تھے کہ اسلام میں بھی پوپ کے روحانی تاج و تخت کا ایک نیا سیکل طیار کیا جائے (۱۱ مئی ۱۹۲۳ء)

(۲)

اصحاب بصیرت کی ناپسندیدگی | یا مرقعہ ہے کہ سبلی کلاس فیصلہ کو تمام اصحاب بصیرت مسلمانوں نے سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا جب گزشتہ سال جنوری میں میں جس سے رہا ہوا ہوں اور ایسوسی ایٹ پریس کے نمائندہ نے اس بارے میں دریافت کیا ہے تو میں نے کہا تھا "اسلام میں پوپ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور ضروری ہے کہ اس معاملہ پر نظر ثانی کی جائے" البتہ یہ ضروری ہے کہ مسلمانان ہند نے اس کے خلاف کوئی علانیہ نہیں کیا کیونکہ ترک ابھی ابھی جنگ سے نکلے تھے صلح کی گفت و شنید مکمل نہیں ہوئی تھی مخالفین ان کی ہر مخالفت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتے تھے اس لئے مصالحت کے خلاف تھا کہ ان کے خلاف عام لوگوں میں کجی نشین پھیلا یا جاتا۔ ضرورت تھی کہ اندرونی طور پر اصلاح حال کی کوشش کی جائے اور آئندہ کے لئے ایک صحیح اسلامی نظام قرار پائے چنانچہ اسی غرض سے طے پایا تھا کہ مرکزی خلافت کمیٹی کا وفد انگورہ جائے انکے اعراس و مقامات میں اولین مقصد غلطی کی اصلاح تھی۔ علاوہ بریں پرائیویٹ طور پر بھی اعیان انگورہ کو ان کی غلطی پر برابر ترقیبہ کیا گیا چنانچہ جنوری ۱۹۲۳ء سے اس وقت میں متعدد مراسلات بعض اعیان حکومت کے نام بھیج چکا ہوں اور ان کے عنذات و توجہات معلوم کر چکا ہوں۔ دو خلیفہ ہو گئے تھے"۔ فی الحقیقت اس تفریق کی بد بے یک وقت دو خلیفے ہو گئے تھے ایک حقیقی اور ایک رسمی حقیقی انگورہ میں تھا جس کے قبضہ میں حکومت کی اعلیٰ ریاست تھی رسمی اور خود ساختہ قسطنطنیہ کے قصر دولہ باغیہ میں تھا جسے صرف جلوس سلطان کے لئے چھوڑا گیا تھا۔ جس وقت ترکش اسمبلی اپنے لئے ایک صدر منتخب کر رہی تھی تو اسے معلوم نہ تھا کہ وہ دراصل خلیفہ منتخب کر رہی ہے کیونکہ اسلامی خلیفہ بجز اس کے کچھ نہیں ہو کہ

کہ اسلامی حکومت کا رئیس ہے۔ اسلامی جمہوریت کے پرنسپلڈنٹ کو پرنسپلڈنٹ کہنا اور خلیفہ نہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ہم ری پبلک کے پرنسپلڈنٹ کو پرنسپلڈنٹ تو کہیں جو انگریزی لفظ ہے مگر صدر یا رئیس کہنے سے انکار کریں جو عربی الفاظ ہیں۔ حالانکہ مدلول دونوں کا ایک ہے، فرق صرف زبان کا ہے۔

یہ یاد رہے کہ اسلام "بادشاہ" کے منصب اور اقتدار سے قطعاً منکر ہے۔ صدر اول کے مملکت ایسے اقتدار کو ایک بدعت اور معصیت سمجھتے تھے۔ وہ صرف امیر اور خلیفہ کا منصب تسلیم کرتے تھے۔ امیر کی جگہ نظام خلافت میں تقریباً وہی ہے جو آج کل ایک مہم جوہریت کی ہوتی ہے۔ میں نے تقریباً اس لئے کہا کہ اسلامی خلیفہ کو صدر اول میں اس سے بھی کم ذاتی تسلط و اختیار قوم نے دیا تھا جس قدر آج امریکہ یا فرانس کے پرنسپلڈنٹ کو حاصل ہے۔

موقوفی کی حقیقت | "میں خیال کرتا ہوں شاید اب اعیان انگوہ اپنی اس شدید اور اصولی غلطی پر متنبہ ہو گئے ہیں اور اس لئے انھوں نے اٹھارہ ماہ کا خود ساختہ منصب خلافت موقوف کر دیا ہے تاکہ صرف حکومت ترکی اور اس کے صدر کا منصب (جو فی الحقیقت خلیفہ کا منصب ہے) باقی رہ جائے۔ اگر حقیقت حال یہی ہے تو درحقیقت خلافت کی موقوفی سے مقصود ایک نئے خود ساختہ منصب کی موقوفی ہے تاکہ نفس خلافت کی اور اس صورت میں انقلاب قابل اقرار نہیں نہ صرف یہ کہ قلیل افراسیاب بلکہ میں کہوں گا، ہمارے مطالبہ کی تکمیل ہے۔

عثمانی شاہی خاندان | "ابنہ ہم مسلمانانِ عالم کے لئے جو ترکی سے باہر تھے ہیں، یہ بات نہایت سہرے کی ہوتی، اگر عثمانی شاہی خاندان کے ساتھ یہ وہ انگریز سلوک دیکھا جاتا اور اسلامی جمہوریت کے اولین صدر عبدالحمید خاں ہوتے، جنہیں خود ہی اسمبلی نے وحید الدین خاں کے ابو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ تاہم ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ واقعات کی دنیا خیالات کے عالم سے مختلف ہوتی ہے۔ اس جمہوریت کی قیام کے بعد قیام شاہی خاندان کی موجودگی سے ایک ایسی غیر طبعی حالت ہو گئی تھی جو کسی طرح سمجھ نہیں سکتی تھی کسی نہ کسی صورت

ترکی کو اس افسوسناک مرحلے سے گزرناتھا۔ جواب پیش آگیا ہے۔

خبروں کا ایک دوسرا مطلب | نامہ نگار نے سوال کیا :

” انقلاب کی خبروں کا جو کچھ مطلب آپ نے بیان کیا ہے یہ آپ کا ریڈنگ (مطالعہ) ہے، لیکن کیا آپ کے خیال میں خبروں کا یہ مطلب کسی حال میں بھی نہیں ہو سکتا کہ ترکش اسمبلی نے نفس خلافت سے خوف کر دی ہو؟“

میں نے جواب میں کہا :

” ہاں میں تسلیم کرتا ہوں، ایک مطلب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس نے فیصلہ کر لیا ہو آئندہ وہ ترکی میں کسی فرد کو خلیفہ کے لقب سے نہیں پکارے گی۔ یعنی کو اسلامی نظام کے مطابق صدر جمہوریہ ہی خلیفہ ہو، مگر وہ اسے صرف صدر کہے گی، خلیفہ نہیں کہے گی۔ اس سے اس کا مقصود یہ ہو کہ جو تاریخی اور روایتی شخصی اقتدار لفظ ”خلیفہ“ کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہو وہ صدر جمہوریت کی شکل میں دوبارہ مراجعت نہ کرے یا یہ مقصود ہو کہ بالفعل ترکی صرف اپنی اندرونی ترقی و صلاح ہی کے لئے وقف ہو جانا چاہتی ہے اور اس لئے نہیں چاہتی کہ ایک خاص فرد اس عالم گیر لقب سے مقرب ہو کر اپنے گرد عام اسلامی قیادت و رہنمائی کی توقعات جمائے اگر اجماعی کے فیصلہ کا یہی مطلب ہو تو مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہ بڑی سے بڑی غلطی ہوگی، جو ترکی حکومت کر سکتی ہے۔ تمام عالم اسلامی کی متفقہ نالامنی اور عالم گیر اسلامی احتجاج اس فیصلے کے منحوس نتائج میں سے پہلا نتیجہ ہو گا۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہو گا کہ ایمان انگورہ نے نئی ترکی کے پیدا کرنے میں کتنی ہی عظیم الشان شجاعت و حکمت کا ثبوت دیا ہو لیکن وہ قدیم اسلامی اصلاح کے مسئلے کی مشکلات پر غالب آنے کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے وہ ایسا کر کے نہ صرف ترکی حکومت کو نقصان پہنچائیں گے بلکہ عالم اسلامی کے لئے ایک نئے فقہ عظیم کا دروازہ کھول دیں گے“

خلافت پر ہر حال ترکی میں ہے | اچھا اگر اس خبر کا یہی مطلب ہو تو اس صورت میں تو

آپ تسلیم کر لیں گے کہ اب اسلامی خلافت ترکی میں باقی نہیں رہی۔ نامہ نگار نے سوال کیا۔

”قطعاً نہیں مجھے تعجب ہے میرا تامل باجوڑا بیان سن کر بھی آپ اسلامی خلافت کا صحیح تجزیل پیدا نہ کر سکے۔ خلافت سے مقصود اسلامی حکومت ہے جو وقت تک ترکی میں خود مختار حکومت باقی ہے اور اُسے مسلمان حکومت ہو نیسے انکار نہیں، اس وقت تک اسلامی خلافت لمبی و بین ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسری خود مختار طاقت و مسلمان حکومت یعنی خلافت دنیا میں موجود نہیں۔ خلافت کوئی مجر و منصب نہیں کہ مغرول یا موقوف کر دینے سے موقوف ہو جائے وہ ایک واقعہ ہے، یعنی اسلامی حکومت کی موجودگی جو وقت تک یہ واقعہ غیر واقع نہ ہو جائے ہم اس سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں؟ البتہ اس صورت میں ہمارا اعتقاد یہ ہو گا کہ موجودہ خلافت جیسے لوگوں کے قبضہ میں آگئی ہے جو ایک سخت غلطی اور گمراہی کے مرکب ہوئے ہیں اور خلافت کا نظام صحیح نہیں رہا اور اس لئے تمام مسلمان عالم کا فرض ہے کہ اس کی اصلاح و درستگی کے لئے کوشش کریں۔ اسی طرح کوشش کریں جس طرح اس غلطی سے پہلے دوسری غلطی کی غلطیوں کیلئے اقرار خلافت کے ساتھ اصلاح حال کی سعی ان پر فرض تھی۔

جامدین اور مفہر طین | نامہ نگار نے میرے بیان کے ابتدائی حصہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ”آپ نے کہا موجودہ بربر اقتدار جماعت سے میں کچھ زیادہ بہتر توقعات نہیں رکھتا آپ اس کی مزید تشریح کریں گے؟“

میں نے جواب دیا :

”اس کی تشریح سر دست ملتوی رکھئے یہ بہت طویل و لدن ہے مختصر لیں سمجھئے کہ مغربی تمدن کی اشاعت نے مشرق میں ایک سخت کشمکش پیدا کر دی ہے ایک طرف قدیم افکار ہیں، دوسری طرف جدید اصول۔ یہی کشمکش عالم اسلامی میں بھی جاری ہے اور تین جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک جماعت قدیم اصول کی پیروی اپنے تمام تقلیدی رسوم و خیالات میں سختی کیساتھ

جی ہوتی ہے، کسی طرح کی لچک اور حرکت اس میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری جماعت تیسری کی ہے۔ اس نے مغربی تمدن کی آہ و بواہیں پرورش پائی ہے، لیکن اسلامی تعلیم اور آداب سے بے بہرہ ہے۔ وہ متعصب اور جامد غلام اور غلام الناس کے عقائد و رسوم ہی کو اسلام سمجھتی ہے اور انہیں ترقی میں مانع دیکھ کر منحوس اور مضطرب ہو گئی ہے۔ تیسری جماعت معتدل و منکرو قاطر کی ہے۔ یہ ان دونوں کٹا روٹ کے لئے وسط ہے۔ یہ پہلی جماعت کی طرح قدیم تقلید میں جی ہوئی ہے۔ نہ دوسری کی طرح مغربی تہذیب کے سیلاب میں بگڑی ہوئی۔ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ مغربی تمدن کی تمام انہیاں حاصل کی جاسکتی ہیں، نیز اس کے اسلام کی حقیقی اور خالص روح کو نقصان پہنچایا جائے۔ بدقسمتی سے اس کی میں صرف پہلی دو جماعتیں پائی جاتی ہیں، تیسری جماعت تقریباً منقرض ہے میرے خیال میں ساری وقتیں اور شکلیں اسی واقعہ کا نتیجہ ہیں۔

یہ ان آما کا خلاصہ ہے جو ابتدائی خبروں کے وصول کے بعد میں نے ظاہر کی تھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے آئندہ بیانات سے پہلے لوگ اس پر نظر ڈال لیں (۱۲ مئی ۱۹۳۱ء)

(۳)

خاموشی اور انتظار | اس ابتدائی اظہار رائے کے بعد جہاں تک اخبارات کا تعلق ہے، میں بالکل خاموش رہا، کیوں کہ میرے خیال میں صورت حال ایسی کی مقتضی تھی۔ میں محسوس کرتا تھا کہ معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے، اتنا نازک کہ شاید ہی اس کو زیادہ کٹنی نازک معاملہ بھارے سامنے آیا ہو۔ ایک طرف مسلمانان عالم کے اعلیٰ مقاصد حیات اس کو جالستہ، دوسری طرف مسلمانوں کی آخری حکومت کی سستی اور مستقبل اس کو دست و گریباں۔ اگر خدا سب غلطی ہو جائے یہاں پر یہاں میں ایک بات بے محل زبان کو نکل جائے تو بہت ممکن ہے اس کے نتائج سے کوئی جھٹک اور بلا علاج مصیبت حال پیدا ہو جائے۔ ہم ایک خطا بات کہہ کر دوسرے کے لئے سکے ہیں، لیکن عوام کی سیاسی آوازیں دوسری ہے۔ کچھ در عالج اتباع کا ماحول ان کا علاج ایک مرتبہ غلط یا صحیح قرار دینا ہے تو پھر مانگے سے واپس نہیں دے دیتا

۹۔ اپریل کو بن علی گڑھ گیا۔ حیصت اور خلافت کشی کی مشترک مجلس شوریٰ کی جانب سے ایک عرضداشت انکوڑے بھیجی گئی۔ میری آرزو تھی کہ معاملہ اس کو آگے نہ بڑھے اور لوگ خاموشی اور صبر کے ساتھ تنازع کا انتظار کریں۔ یہ بآسانی ممکن تھا، اگر سلطانوں میں حقیقتہ کوئی دشمنی و اجتماعی نظم موجود ہوتا اور کم سے کم طبقہ خواص میں قیامت امت کی یہ تبدیلی قابلیت پیدا ہوگئی ہوتی کہ نازک اور اضطراب انگیز وقتوں میں کیوں کراچی زبانوں کی نگرانی کرنی چاہیے۔

افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا۔ بن علی گڑھ کے اجتماع سے پہلے تیرکان سے نکل چکے تھے اور

اب واپس نہیں بلائے جاسکتے تھے!

دماغی ردِ فعل | اور فیصلہ خلافت کی پہلی خبر پڑھنے نے سبھی ادا تہنی بات کان میں پڑ گئی کہ تبلیغہ معزول اور خلافت موقوف۔ اور دماغی ردِ فعل (ری ایکشن) کی ایک طوفانی ہر سب دماغوں میں ہونے لگی۔ جوش و بیان کے عالم میں سب کے دماغ سن اور سب کی زبانیں چوٹ نکلیں۔ اچھے سے اچھے دماغ نے بھی چار پانچ دن کا انتظار ایسے معاملے کے لئے ضروری نہ سمجھا جس کو صدیوں کے تنازع و اذیت ہیں۔ ہر شخص نے خود رائے قائم کی اور بے فکر سلطان بھی کر دیا۔ اگر صرف عوام کا یہ حال ہوتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ ان سے ایسے وقتوں میں بھی توقع ہو سکتی ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ خواص بھی اپنی دماغی حالت عوام سے بلند تر ثابت نہ کر سکے، بلکہ کہنا چاہیے عوام کی بدتماسی و خیرہ دماغی کی رہنمائی اپنی نے کی۔ جس طرح اسے پہلے دنیا کی ہر خوبی انکوڑے والوں میں تھی، اسی طرح ایک لمحہ کے اندھ دنیا جان کی برائیاں ان میں سمٹ آئیں۔ شاید ہی کوئی بے محل اور بدحواسانہ بات ایسی ہوگی، جو نہ کہی گئی ہو۔ لطف یہ ہے کہ اصلی صورت حال کے سمجھنے کی کسی نے پروا نہیں کی۔ خواص تک کا یہ حال ہو کہ خلافت کے باب میں صحابیانہ خیالات پھیلے ہوئے ہیں، انہی پر اپنی تمام تعمیرات شروع کر دیں۔

خلافت اسلامی کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ ترکی میں اس کا کیا حال تھا۔ تھی مجلس کے فیصلے نے کچھ تبدیلی پیدا کی ہے، وہ کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اگر مسلمانانہ بندہ معرض اور

شاکی ہیں تو کیوں؟ اندھے اسلامی نقطہ نہیال سے فی الحقیقت کیا کیا امور قابل اعتراض ہیں؟ یہ سوالات جو مسئلہ کے اصلی اجزاء ہیں، کسی کے سامنے نہ تھے۔ بس ایک مجہول، غیر معین، ناطق التبعیر، جس نے صاحبِ مصطفیٰ کمال پاشا اور ایمان انگورے کے خلاف اٹھ رہا تھا۔ کانزبے دین، دشمنِ خلافت، یزید، چنگیزی، بدتر از ہلاکو وغیرہ ذالک من السب و اشتم و خز و عیبتا و تیربات، علاماتِ بعضہا فوق بعض۔ جب اربابِ فہم و دانش کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے عوام کی چھوٹ زبانوں اور بے مہار قلموں کو پکڑنے والا کون تھا؟ عربی میں کہتے ہیں باطل بلبلے کر مٹیہ جائے تو پھول کی شکایت فضول ہے کہ کیوں ناچتے ہو؟

اذا کان ربّ البیت بالطلح عارداً

فلا تلتم الا دلالہ علی الرقص

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ابھی خلافتِ کدھی کا کیل پہ مشکل بحر متوسط سے گزرا ہو گا کہ یہاں خلافت کا سر نہوا انتظام بھی شروع ہو گیا۔ اناں جملہ نئے خلیفوں کا انتخاب اور ان کے کوئی فیکشنیز (وصاف و خصائص، پر طبع آزمائیاں تھیں۔ اناؤں وانا لیر راجعون تھیں مسلمانانِ ہند نے پانچ سال سے قومی زندگی کی نئی کرڈ لی تھی اور یہ پہلا واقعہ تھا کہ ہمارے دماغی قوت اور قومی نظام کیلئے ایک آزمائش پیش آئی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم آزمائش میں فیصلہ ہو گئے۔ مگر شہدہ دہانے ثابت کر دیا کہ ہم میں اب تک کوئی نظام و جمعیت نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یکدم ہم میں ناگہان قوتوں کے لئے حالات برقرار ہونے والے دماغ معقود ہیں۔

خلافتِ کدھی اور جمعیت العلماء اس وقت ہندوستان میں دو بڑی جمعیتیں قائم ہیں

خلافتِ کدھی کا موضوع عمل مسئلہ خلافت ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس اہم اور نازک موقع پر ان جمعیتوں کی وجہ سے مسلمانوں کے افکار و اصوات میں کوئی نظم پیدا ہو سکا؟ گزشتہ ایکٹ نے ثابت کر دیا کہ جواب نفی ہے۔

لگوں نے نہ تو خلافت کے اجتماع و اعلان کا انتظام کیا، نہ جمعیت کا۔ جس کے جی میں

بے میل ہوں گے۔ نفرت کہنے لگیں گے اعتدال اور میانہ روی اس مخلوق میں نہیں ملتی۔ مشہور فریسیسی کاتب ڈکٹر ہیرگی کے غلطوں میں یہ مخلوق آگ کی طرح بھڑکتی ہے۔ راکھ کی طرح ڈھیر ہو جاتی ہے۔ یہ خواص اور قائدین امت کا کام ہے کہ اس کے بعض شناساں ہوں اور ہمیشہ اس کی نگام مضبوطی سے تھامے رہیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہمیشہ آجائے جس سے عام جذبات میں بے چین و انفجار کا اندیشہ ہو تو چاہیے کہ پوری طرح حرم و احتیاط سے کام لیں۔ ہر لفظ قول کر اور ہر خیال پیمانے میں ناپ کر زبان سے نکالیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خود بدحواس نہ ہو جائیں۔ اگر وہ بدحواس ہو کر بیچ اٹھیں گے تو پھر عوام کے لئے یہی رہ جائے گا کہ پگل ہو کر کپڑے پھاڑنے لگیں!

ملکوں کا دامن اور قوموں کی قسمت ہماری زندگی میں روزمرہ چھوٹے چھوٹے کامیابی و مصائب پیش آتے رہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جلد بازی اور بے صبری مضر ہوتی ہے پھر کیا ایک ایسے معاملے میں جس سے ملکوں کا دامن اور قوموں کی قسمت کی گروہ بندی ہوئی ہو، مابعد و احتیاط کی ضرورت نہ تھی؟ ممکن ہے ہم جلد بازی میں کوئی سخت غلطی کر بیٹھیں بہت ممکن ہے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھیں جس پر بعد کو پشیمانی ہو اور سر رشته کار ہاتھ سے نکل جائے۔

تخریب کیلئے مجنونانہ بے صبری میں حیران ہوں، آخر گولڈن جو کچھ کیا اس سے ان کا مقصد کیا تھا؟ محض بدحواسی اور بے چارہ اضطراب یا ذی ہوش وماغوں کے لئے کوئی معین مقصد اگر مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی آخری خود مختار حکومت کے ساتھ روابط و ملاقات کا جو رشتہ قائم ہے، وہ بیک و دوپارہ پارہ ہو جائے اور آئندہ تو ترکی حکومت، مصطفیٰ کمال پاشا اور اعیان انگریز مسلمانوں کی نظروں میں مجرب ہونے کی جگہ مبغوض و مردود ہو جائیں تو یہ شریفانہ اور مذکورہ نام جس طرح استغث کر سکتے تھے، اسی طرح چند دنوں کے بعد بھی کر سکتے تھے۔ چاروں ٹھہر جانے کے ان کا مقصد نہ ہو جاتا۔ پھر اتنی جلدی اور گھبراہٹ

کہہ رہی؟ ہم جب چاہیں ایک لمحہ کے اندر لوگوں کو منبغوض بنا دے سکتے ہیں لیکن پھر نصف صدی میں بھی مجبور بنیں یا نہ سکتے۔ مشکل جس قدر پیش آتی ہے۔ تعمیر میں، تخریب تو ایک سیکنڈ کا کام ہے۔

مرہم یا شستر ۱۔ معاملہ افراد کا نہیں، لاکھوں کروڑوں افراد کے قلوب کا ہے۔ کچھ خود ہی کی مرضی تھی کہ چند در چند اسباب فراہم ہو گئے اور اسلامی ارتطاد و اجتماع کی ایک عمارت باد و اعداء و منافقین کی سرزدوں کے کھڑی ہو گئی، لیکن یہ کسی نہ کسی کی بات ہے کہ طرف مصلحت ناشناس اور غلط کار ترک، دوسری طرف تمام، دونوں مل کر بے دریغ ڈھارہ ہے ہو۔ جو عمارت تیزوں میں نہیں بن سکتی اسے چند دنوں کے اندر ڈھانچے میں تم بالکل بے پاک ہو گئے! آخر وہ اتنی پرتعاسی اور خیرہ و مائی کیوں ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ترکوں نے غلطی کی، کیلین بتلاؤ۔ اس سے پہلے وہاں کون سی تمام تردا نشندیاں اور شریعت پر دریاں جو رہی تھیں؟ کین سے مرلے یلہ زیا قصہ افغان میں ابو بکر بن ابی قحافہ اور عمر بن الخطاب مکران تھے؟ غرض اللہ عنہا پہلے وہاں عبدالحمید صاحب ابوالہدیٰ تھے، اب مصطفیٰ اکمال اور سید یک ہیں۔ پہلے بھی نظام بگڑا ہوا تھا، مان لو کہ اب بھی بگڑا ہوا ہے۔ پہلے ایک طرح کا نقص تھا، اب دوسری طرح کا نقص سہی۔ کون نہیں جانتا کہ صدیوں سے مسلمان مرث غلطیوں اور گمراہیوں ہی کے لئے وقف ہیں۔ معینا پہلے جو کچھ تھا، فعلت بھی اور وجود تھا جس کا نتیجہ بجز ناکت کے اور کچھ نہ تھا۔ اب حال بیلاری ہے اور حرکت اور اگر راہ اصلاح و ترقی میں ٹھوکریں لگیں تو اس کو بہتر ہے کہ موت کا کون ہو پس وقت کا سوال یہ نہیں؟ کہ ترکوں نے غلطی کی یا نہیں کی؟ سوال یہ ہے کہ تم اس لیے ہو اصلاح کیلئے یا غلطی کو اور ہلک اور اصلاح بنا دینے کے لئے بہ تم علاج کا مرحلہ ہو یا زخم کا شستر؟ انہوں نے تم نے لحوں کے اندر برسوں کا سرمایہ ضائع کر دیا۔ تم عرف چند دفعہ کے لئے اپنی زبانوں کی نگہبانی نہ کر سکتے۔ تم انہوں کے خلاف غریب کے لئے اللہ کا لہجہ گئے۔ تم نے اسلام دامت کیلئے وسیلہ خدمت ہونے کی جگہ پسند کیا کہ فقہ عظیم ہو جاؤ۔ اگر اسلام شریعت اور خلافت کی محبت و حمایت کے لیے ٹھہرے ہیں تو میں بلاتامل کہوں گا خدا اس

شریعت پرستی سے مسلمانوں کو روکنے (۱۴ مئی ۱۹۷۷ء)

(۴)

کارکن دماغوں کا فرض کہا جاتا ہے ہم کیا کریں خلافت کی موت کی خبر پڑھ کر اپنے آپ سے
میں نہیں رہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر قوم کے کارکن دماغوں کا بھی یہ حال ہو کہ محض ایک غیر
سن کر ہوش دھواں کھٹکتی تو پھر ان میں اور بندہ دستاویز عزب اشل کے اس راہگیر میں
کیا فرق ہے جو یہ سن کر بے تحاشا چیخنے لگتا ہے کہ اس کے کان چیل لے گئی؟ مانا کہ تم سے کہل گیا،
خلافت موقوف کر دی گئی، لیکن سوال یہ نہیں کہ تم سے کیا کہل گیا، سوال یہ ہے کہ تمہیں کیا سمجھنا
چاہیے؟ تمہیں خود کرنا تھا کہ اسلامی خلافت کو پ کے منصب کی طرح کسی الہی منصب کہنا
نہیں۔ نہ کسی عبدالمجید خاں یا کسی خاص خاندان کا۔ آخر کین چیز موقوف کر دی گئی ہے؟
خلافت اور نظام خلافت :- اسل یہ کہ اس موقع پر مخالفین نے شامت اور طعنہ زنی
میں کوئی کمی نہیں کی اور ظاہر ہو کر نہیں کر سکتے تھے۔ کہا گیا کہ کل تک برطانیہ کو دشمن خلافت کہا جا رہا تھا
اب اس کا کیا جواب ہو کہ خود ترکوں نے خلافت مٹا دی؟ کیا اب ان کے خلاف بھی خلافت ایچی
ٹیڈر اعلان کیا کر دیں گے؟ بعض انٹیکوانڈین اخبارات نے تو صراحت کے ساتھ خلافت
ایچی ٹیڈر کے لیڈروں کی طرف شاہ بھی کیا کہ دیکھیں اب اس موقع پر ان کے وہ قواعد اور
وعداؤں کہاں تک کلمہ دیتے ہیں، جو کل تک انگریزی حکومت کے خلاف استعمال کیے جاتے
تھے شامت و عداوت کی یہ ایسی ہی لہو اور بے منی باتیں تھیں، جو ہمیشہ کہی جاتی ہیں۔

چاہیے تھا کہ ہم اپنی دانش و فہم کی باگ خود اپنے ہاتھوں میں رکھنے اور مخالفوں کی مواخذہ باتوں
میں اگر بھڑک نہ اٹھتے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا ہی ہوا۔ ایک طرف تو بے سوچے سمجھے خلافت
کی موت کی کا اعلان کر دیا گیا، دوسری طرف مخالفوں پر اپنی سچائی اور با اصولی ثابت کرنے
کے لئے ایمان ائمہ کو دشمن خلافت کہنا شروع کر دیا۔ انٹیکوانڈین اخبارات نے شہ طاعتی
کہ برطانیہ کی طرح اب ترکوں کے خلاف بھی صدام بلند کرنی چاہیے۔ اس کی یوں تمہیں کی گئی کہ

فورا اعلان کر دیا گیا ہم ہر اس طاقت کے مخالف ہیں جو خلافت کے دُعا نے والی ہو۔ بڑا نیب
 ہوا مصطفیٰ کمال مگر بیا اس بارے میں دونوں کا معاملہ یکساں ہے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اعیان
 انگورہ کے کفر و اسلام کا بھی آخری فیصلہ کر دیا گیا۔ فتوے کی منطقی شکل یہ بھی کہ اسلام اور
 خلافت ایک ہی چیز ہیں۔ خلافت نہیں تو اسلام بھی نہیں۔ مصطفیٰ کمال وغیرہ خلافت کے دشمن
 ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کتنے میچم اور فقہیانہ مقدمات ہیں اور کتنا صاف اور پیچیدہ !
 اعلیٰ تو خلافت اہل اسلام ایک ہی چیز ہیں، پھر اگر مجبورہ اعیان انگورہ نے نظام کو مست کی
 اصلاح میں غلطی کی تو یہ مثل محاربین دولت کے خلافت کی دشمنی ہو گئی۔ ظلمات بعضہا فوق
 بعض۔ اگر اسلام کے مترادفات کی بے قید و سست کاپی حال رہا تو آج خلافت نفس اسلام
 ہو گئی، پہل نہیں معلوم کیا چیز ہوگی، شکل ناب بھی ہے۔ لیکن پرسوں تک تو قطعاً نامکمل ہو جائے
 گا کہ کوئی فرد بشر دنیا میں مسلمان رہ سکے۔ سچ ہے ان اللہ لا ینزع العلم بعد ان اعطاهم
 انیزا فاد لکن ینترزہ منہم مع قبضہ اعلیٰ علیہم، فیقوی ناس جیلہ استفتون، فیفتون براہم فیصلون
 فیصلون اور اقبال (آخر جہ اشیاں)

جیسی بڑی بات کہ توگ مخالفین کے معاندانہ پریکٹیز کے شکار ہو گئے۔ یہ
 کہنا کہ جس خلافت کی دشمنی اور مٹانے کا الزام کل تک برطانوی حکومت پر تھا وہ اب خود برکات
 کے ہاتھ مٹ گئی ہے اور اس لئے برطانیہ اور اعیان انگورہ دونوں ایک ہی صف میں آ گئے
 ایک ایسی ہریج کذب بیانی اور استدلال کی کھلی گراہی ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو خود بخود
 سمجھ لیتی تھی، چہ جائیکہ اس سے کون سا اثر ہو جانا اور ہاں میں ہاں ملنے لگنا۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حکم کو لیں دیا تھا، بلکہ عالموں کو اٹھائے گا اور علم بھی باقی نہ رہے
 گا۔ جاہلی باقی رہ جائیگا۔ ان سے فتویٰ پوچھا جائے گا تو وہ علم کی بنا پر نہیں، بلکہ اپنی مارے سے
 فتویٰ دیں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

نفسِ خلافت اور نظامِ خلافت | دو چیزیں ہیں، دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔
 ایک معاملہ نفسِ خلافت کا ہے، ایک خلافت کا نظام۔ خلافت کے مخصوص اسلامی حکومت ہے۔ نظام سے یہ مقصود ہے کہ اس حکومت کا ڈھنگ اور طرزِ طریقہ کیا ہو؛ حکومت اچھے اور صحیح نظام پر بھی ہو سکتی ہے، غلط اندازِ خراب نظام پر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر صحیح نظام پر نہ تو اچھی تو ہی حکومت ہو، غلط نظام پر ہے تو قوم کا فرض ہے اس کی اصلاح کرے۔ یہیں کہ فلسفہ و شیئوں اور لڑنے والوں کے حملے کو روکے۔ پہلا مسئلہ نفسِ حکومت اور اس کی حفاظت کا ہے۔ دوسرا اندیشہ تنظیم و اصلاح کا۔

کل کے مسلمانانِ ہند بڑا تھک چکے مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ خلافت کے نظام کا معاملہ نہ تھا، نفسِ خلافت کی حفاظت کا معاملہ تھا۔ بھارت نے خلافت کا نظام نہیں بدلاتھا، نہ ایک غیر قوم اور حکومت کو اس میں کچھ دخل ہو سکتا ہے۔ وہ تو خلافت یعنی شری کی حکومت، اس کی انانسی و مقبوعات اور اس کی خود فتاری سلب کرنا چاہتی تھی اور اس کے خلاف لڑ رہی تھی۔ اس کی کامیابی کا نتیجہ خلافت یعنی حکومتِ اسلامیہ کا خاتمہ تھا۔ پس مسلمانانِ ہند نے اس کی حفاظت کے لئے جدوجہد کی اور خدا کی حکمت نے مصطفیٰ اکمل اور اس کے ساتھیوں کو فتح و انبال کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

لیکن اب جو مسئلہ پیش ہے وہ خلافت یعنی حکومت کے نظام کا مسئلہ ہے۔ سابق سے جو نظام چلا آتا تھا، وہ صحیح نہ تھا۔ اس کی اصلاح ناگزیر تھی۔ موجودہ برسرِ اقتدار جماعت نے اصلاح و تفر کے لئے ایک خاص مسلک اختیار کیا ہے۔ اگر وہ غلط ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کا نظام صحیح نہیں ہے۔ ان تمام انسانوں کا، جن کا اس کو تعلق ہے، فرض ہے کہ اس کی اصلاح کے کوشش کریں، لیکن اس سے یہ بات کیوں کر نکلی کہ مجھ کو یہ عیانِ حکومت مثل ان اعداء اور عداوت کے ہو گئے جو اسلامی حکومتِ شاہراہ کی جگہ انگریزی یا فرانسیسی حکومت قائم کرنی چاہتے ہیں؛ کچھ نفسِ منہ سب و نہیب کی کوشش، کچھ حفظِ حکومت کے بعد اس کے نظام کے

تبعین شخص کی غلطی؟ فقہان ہدایہ ذاک؟

ترکی کی حکمران جماعت | امیر معصوم مطلب سمجھ میں غلطی نہ کیجئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ اعلیٰ
انجمن نے کیا ہے۔ سچو ہے۔ یہی یہ مسئلہ پیش ہی نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کیا نظام حکومت کے
تقریر کی غلطی اور نفس حکومت سے محاذ بہ ادھر سنی استیلا دونوں ایک ہیں؟ یا اتنا دونوں میں
کوئی افونی وجہ مماثلت ایسا مشترک کی ہے؟ آج گندہ ترکی میں برسر حکومت ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے
اپنے زعموں کے خون و خلافت از سر نو تعمیر کی۔ اگر اب اس کے نظام کے تبعین میں ان سے
غلطی ہوئی ہے تو یہ ایک اندوہی اصلاح کا مسئلہ ہے۔ بلاشبہ ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی
اس میں کسی کا پاس اور لحاظ نہ رکھنا چاہیے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہونے چاہئیں کہ انھیں
مثلاً محاذ میں حکومت کنہا شروع کر دیں۔ ایسا سمجھنا نادانی و حماقت کی انتہا ہوگی۔

اسلام کا حکم | اسلام نے اس بارے میں ٹکائی کو وہی حکم دیا ہے جو دنیا میں ہر قوم کا قوی
و دینی احساس اور عمل ہے، یعنی دشمنوں اور بغیروں کے مقابلے میں حفاظت و حمایت، اپنوں
کے مقابلے میں سنی اصلاح۔ اگر حکومت کا نظام تبیح نہیں ہے اور ایسا پر غلط کار اور اذکار کا قیام ہے
تو اس کی اصلاح کے لئے حسب استطاعت کوشش کرنا، لیکن اگر اس پر غیر حاکم کو اس اور
اس کی حفاظت کا سوال سامنے آجائے تو خواہ وہ اچھے لوگوں کے ہاتھ میں ہو خواہ بُرے آدمیوں
لے قبضہ میں، اس کی حفاظت کیلئے سرکف ہو جائے ناقص و غیر صیح النظام مگر اسلامی حکومت
کا محفوظ رہنا اس کو بہتر ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جائے۔ مسلمانانِ بند نے ٹھیک ٹھیک یہی مسلک
انتیاد کیا۔ جب اس کی حفاظت خطرے میں تھی، حفاظت کے لئے سعی کی، اب اس کی
اصلاح کا سامنا آگیا ہے تو یہ قدم استطاعت اس میں کوشاں ہوں گے۔ ایسے ممانعہ بے
داع، بے مل منطقی مسلک پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ کیوں مسلمان منضرب الحال ہوں؟ کیوں
اپنے مسلک کی نسبت شبہ میں پڑیں؟

ناکام سعی تفہیم | یہ بات نہیں کہ لوگوں کو سمجھنے اور خود کرنے کے بعد خود کرنے کیلئے تہنیت

نہیں کی گئی میری امداد کا خلاصہ متعدد اعداد و احوالات میں چھپ چکا تھا۔ میں نے زبانی بھی بار بار گوشہ نشین کی کہ لوگ بے اعتدالی اور انفرط و تغریط سے بچیں اور سنجیدگی کے ساتھ صورت حالات پر غور کریں۔ افسوس کہ خلافت کی حقیقت اور موقوتی خلافت کے معاملے میں جو چند خط پہنچ پڑ گئے ہیں، انہیں سلجھایا جائے، لیکن میں نے محسوس کیا کہ سببانی تاثرات کا دماغی بحر ان میں دھیرے دھیرے بڑھ گیا ہے کہ جوش اور غیظ و غضب کے سوا کوئی دماغی موثر کام نہیں دے سکتا۔ ہر دماغ کو سننے اور سمجھنے سے قطعاً انکار تھا۔

اس واقع پر میں نے جو دماغی حالت لوگوں کی تھیں، وہ فی الحقیقت ایک عجیب حالت تھی۔ میں محسوس کرتا تھا کہ دماغی انفعالات نفسیہ کا ایک علمی مطالعہ کر رہا ہوں۔ اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی عصبی المرنج آدمی سخت غصے میں آجائے اور جب اس سے باتیں کی جائیں تو بے نکان گایاں دینا شروع کر دے۔ اس سے پہلے لوگ مصطفیٰ اکمال پاشا وغیرہ کی پرستش کرتے تھے۔ اب اس کا رد فعل (ری ایکشن) شروع ہو گیا تھا، اس لئے کہ جب کبھی معاملہ پر سنجیدگی کے ساتھ کوئی بات کہی جاتی تو دماغ اس طرقت تو متوجہ نہ ہوتا۔ فیروز مصطفیٰ اکمال کے خلاف غیظ و غضب کا جوش اٹھ اٹا۔ بعض اوقات اس غضب میں دھمکیوں کی بھی آمیزش ہوتی اور یہ امتزاج اس عصبی حالت کو اور زیادہ بے معنی بنا دیتا۔
خدا کے پوچھ غصے، جوش اور محسوس جذبات کے سببان سے غلطی کے مسائل حل نہیں کر سکتے۔ غصے میں سب سے پہلی بات جو انان بحول جاتلے، یہی ہے۔

دماغی مدد و ترمیم۔ بہر حال مجھے معلوم تھا یہ دماغی بحران عارضی ہے۔ بہت جلد اس پڑھاؤ کا تاثر شروع ہو جائے گا۔ پھر لوگ اپنے فضل و نبوت میں تامل کریں مگر معاملہ فہمی کی استعداد پیدا کر لیں گے اور عجب نہیں وہی کہنے لگیں جو اس وقت میں کہہ رہا ہوں۔ برسوں سے لوگوں کا یہی طرز عمل میرے ساتھ رہا ہے، پس میں نے خاموشی اختیار کی اور وقت کا منتظر رہا۔ مجھے اپنے بعض خطوط کے جواب کا بھی انتظار تھا۔ جو مسطفیٰ نے جواب لکھ کر بھیجے۔

اب چند دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بحران اتنا شدید ہو گیا ہے کہ مغربی ممالک نے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ اب موقوفی خلافت کو نام نہاد موقوفی خلافت سے تعبیر کیا جا رہا ہے بعض اخبارات متاسف ہیں کہ ترکوں کو گالیاں دینے میں جلدی کی۔ بعضوں کو صاف صاف اقرار ہے کہ رائٹر ایجنسی کی تعبیرات صحیح نہ تھیں اور اصلیت یہ ہر حال اس سے مختلف ہے جو بھٹی گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں یہ حالات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ اب طبعیت سکون پذیر ہونے لگی ہے اور وقت آگیا ہے کہ لوگ جوش و بھیاں کی بجائے عقل و فہم سے کام لیں۔

میں فتح طلب مسائل | جوش و اضطراب اور غیظ و غضب کی فائش جس قدر کی جا سکتی تھی، کن جا چکی۔ اب وقت آگیا ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ وقت کے مسائل پر غور و خوض کیا جائے اس سلسلے میں ضروری تھا کہ جو ادبیاتیں نے ۲ مارچ کو ظاہر کیے تھے، لوگوں کے سامنے آجائیں۔ ۲ مارچ سے ۲ مئی تک کامل دو ماہ کا زمانہ گزر چکا ہے۔ لیکن حقیقت اب بھی یہی ہے جہاں ساٹھ دن پہلے تھی۔

اب اس کے بعد حسب ذیل اہم پر غور کرنا ضروری ہے۔

- ۱۔ جب قدر موثق اطلاعات اس وقت تک حاصل ہو چکی ہیں ان کی روشنی میں حکومت ترکیہ کے فیصلے کی حقیقت تاکہ یہ مسئلہ قطعی طور پر صاف ہو جائے کہ جو کچھ انگورہ کی قومی مجلس فیصلہ کیا ہے، کن لفظوں میں اسے صحیح طور پر تعبیر کیا جا سکتا ہے؟
- ۲۔ اسلامی خلافت کی حقیقت، اس کا نظام اور اس کے مقاصد کی تحقیق نیز اس مسئلے کی تحقیق کہ صدیوں سے جو اسلامی خلافت قائم تھی اس کی نوعیت کیا تھی اور ترکی کی حکومت میں جو سیاسی و اجتماعی تغیرات ہوئے۔ ان سے عثمانی خلافت کے منصب پر کیا کیا اثرات طاری ہوئے؟

۳۔ مسئلہ اصلاح امت اسلامیہ کی حقیقت، جس کی ایک اہم فرع حکومت اسلامیہ ہے۔ اس سلسلے میں اس کی تحقیق کہ موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانان عالم مختلف خود مختار

قیمت خود مختار اور محکوم جماعتوں میں متفرق ہو گئے ہیں اور ہر جماعت دلائل کے ذمے اس کی طوئی
دقتانی آزادی کا استقلال کا فریضہ عالم ہے۔ مرکزی خلافت کے قیام سے مقصود کس طرح
کی مرکزیت ہے اور علی نقطہ نظر سے اس کی صورت کیا ہے؟ نیز موجودہ حالات میں جس طرح
کا نظام خلافت مسلمانوں کے لئے موزوں و مناسب ہے، وہ کیا ہے اور اس کے مقاصد و
مطالب کیا ہیں۔

۴۔ مباحث مندرجہ صدر کی روشنی میں انکوہ کی ترقی جس کے موجودہ فیصلہ خلافت
پر نظر اور اس کی اسلامی طبیعت نیز ترکی کی موجودہ برسر اقتدار جماعت کی ذہنیت (منشیاتی)
میں جو اختلاف ہے اور فعلاً جو مسائل اور انزاع میں ان کی تحقیق و تیسرے۔
چونکہ یہ مطالب تفصیل طلب ہیں۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ متعدد نمبروں میں بحث
جلدی ہے (۱۵ مئی ۱۹۲۲ء)

(۵)

صحیح معلومات کی ضرورت | منقہ بات یہ ہے کہ موجودہ حکومت ترکیا، اس کی تجاوزات
تجزرات اور اس کے اعمال کی نسبت صحیح اور بے کم و کاست معلومات ہمارے سامنے
موجود ہوں۔ جو کچھ وہاں ہوا ہے کیا ہے؟ کیا ہے اور کتنا بڑا؟ یہ ہمیں اس طرح عفاف
صاف معلوم ہو جانا چاہیے کہ کسی طرح کے ظن اور تخمین کی رنگ آمیزی نہ ہو۔
جو کچھ ہوا ہے۔ ظاہر ہے ایک دور دن کی پیداوار نہیں ہے۔ ان احوال و ظروف کا نتیجہ
ہے جو عرصے سے نشوونما پا رہے تھے۔ اس لئے غریبی تھا کہ پہلے اس کی تشریح کی جانی چاہیے
نوجوان نرگوں کی مختلف جماعتوں کا حال موجودہ برسر اقتدار جماعت کی حقیقت، اس کی تعلیمی اور
اجتماعی نوعیت، اس کی تعلیمی و سیاسی ذہنیت کی تشریح، اصلاح معاشرت و حکومت کے
باب میں ان کا نقطہ خیال اور اس بارے میں اس کے مقررہ اصولی و فروعی، لیکن بالفعل میں ان
مطالب کو نہیں چھوڑتا۔ ان پر آمندہ نظر ڈالنے کا زیادہ موزوں موقع ملے گا سروسرست صرف پانچ

کے فیصلے انداس کے قرب و چار کے بعض حوادث کو اس طرح نقل کر دیتا ہوں کہ وہاں جو کچھ پڑا ہے، ٹھیک ٹھیک سامنے آجائے۔

یہ بیان ترکی اور عربی اخبارات کے علاوہ ان مکاتیب سے بھی ساخوہ ہے، جو وہاں کے بعض احباب نے لکھے ہیں۔ یہ پیش نظر رہے کہ یہ مکاتیب ان لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں جن میں بجز ایک کے اور سب برسر اقتدار جماعت کے مخالف ہیں۔

خلق فرقتی اور مسلمہ خلافت اس وقت جس جماعت کی قومی مجلس انگورہ میں اکثریت ہے وہ خلق فرقہ کی ہے، نام سے مشہور ہیں جو پمیل پارٹی کا ترجمہ ہے یعنی عوام الناس کی جماعت۔ اس جماعت کا خیال یہ ہے کہ صدیوں سے خلیفہ کا منصب شخصی استبداد و جبروت، حاکمیت مطلقہ وغیرہ سب لیت اور ذاتی تقدیس و اجلال کا مقام بن گیا ہے۔ اس کی شخصیت ہر طرح کا حکم و اختیار رکھتی ہے۔ اس کی ذات قدرت و حکومت ہے۔ کسی کما گئے جوابدہ نہیں۔ سب اس کے سامنے جا رہے ہیں۔ اعتراض و انکار کی سطح کو بالاتر ہے اس کے حقوق پیدائشی انہی ہیں، جو اس کا مرتبہ گھٹاتا ہے، وہ ایک مقدس حق کے ساتھ گستاخی کرتا ہے یہی بالاتر از انسانیت اور صاف ہیں جو قدیم شاہی و شہنشاہی کے لازم تھے لیکن اب خلیفہ کا منصب بھی انہی سے متصف ہو گیا ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ مقدس حقیقی رکھتا ہے کیوں کہ اس میں استبداد حکمرانی کے ساتھ ایک طرح کی پاپانی (پوپ ڈم) کا دھانی عنصر بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس منصب کو اب کتنا ہی گھٹایا جائے لیکن یہ ایک بادشاہ کی مقدس اور غیر مسئلہ جگہ سے نیچے نہیں اتر سکتا۔

کہتے ہیں کہ ترکی حکومت کی تباہی کا اصلی باعث بھی شخصی اقتدار ہے۔ پوپ کی بیداری کے ترکی کے لئے بھی میلاد ترقی کی راہیں کھلی تھیں، لیکن یہی تحت استبداد و جبروت جو اس میں ترقی میں حائل ہو گیا، تعلیم، اصلاح، مساوات، حریت سب کی راہیں بند ہو گئیں خواہ کچھ جواب کہ ساری ہلاکتوں کا برباد ہونے کے بعد قوم نے کامل آزادی حاصل کر لی ہے،

جمہوری در حکومت کے ساتھ یہ تخت سلطانی قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر رکھا جائے گا تو پھر وقت اصلاح و فائدہ میں خطرہ میں رہے گی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کامل آزادی و اصلاح و جدوجہد پر ہی نہ ہوگی وہ کہتے ہیں اس منصب کو دستور و قوانین کے ساتھ مقید کرنا ہے فائدہ ہے جن جن ملکوں میں جمہوری یا مشروط حکومتیں قائم ہوئیں وہاں انہیں شاہی تاج و تخت کے ساتھ ہویں ہوا داری بہتی گئی، لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ سلاطین اور ان کے مقررین کا حلقہ ... (.....) اس رواداری پر قانع نہیں ہوا۔ برابر سازشیں جاری رہیں اور بالآخر ملک کو ایک آخری خونریز انقلاب سے گزرنا پڑا۔

خلیفہ کا ذاتی اقتدار | یورپ کے تاج و تخت محض بدعاتی اور سلی حقوق پر قائم تھے، لیکن اس منصب میں دینی و روحانی جبروت و تقدیس کا قہرمان غصہ بھی شامل ہو گیا، یعنی غلام سمجھے ہیں کہ خلیفہ کو شریعت نے ذاتی اقتدار حکومت و تصرف کا بخش دیا ہے لیکن ایسا تو حکم بایر ہے۔ اس نے یہ منصب عام شاہی منصب سے کہیں زیادہ خطرناک ہے اگر اسے منقید مشروط طور پر رہنے دیا جائے گا تو لوگ اس پر قانع نہ ہوں گے۔ ہمیشہ یہ بات دلوں میں کھسکتی رہے گی کہ خلیفہ بے اختیار کیا گیا پھر جب کبھی مصلحت کے حکمت کے خلاف سازشوں کا بازار گرم ہو جلتے گا۔ مرحمت پاشا اور مصطفیٰ فاضل کی نظم ریزی تیس برس کے بعد بار آدھ ہوئی اور جولائی ۱۹۰۸ء کی کاتکی انقلاب ظہور میں آیا، لیکن یہ بھی اس مقدس تاج و تخت کے حقوق کو چھونے کی جرأت دکر سکا۔ دستہ اسامی میں پانچویں دفعہ کئی پڑی جو اس کا اعتراف کرتی ہے کہ ذات حضرت سلطانی مقدس اور غیر مسئول ہے؛

فرانس کے لوٹس چارویم نے کہا تھا کہ گورنمنٹ میں جوں . عام مسلمانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ خلافت خلیفہ کی ذات ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم ایک ہزار برس سے زیادہ کا روایتی اثر کرہوں دلوں پر سے مٹا نہیں دے سکتے۔

ترکی کے خلفاء۔ اس سلسلے میں ترکی کے سابق خلفاء اور ان کے مفسدانہ اعمال کی خطا

سلسلۂ حقیقی پر اور وہ غصہ اور نفرت کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ سلطان محمود
مصطفیٰ کی سست و فاری و عید المجید کا تذکرہ، عبدالعزیز کا اسراف، عبدالحمید کی اصلاح و تعمیری
اور وحید الدین کی خیانت یاد دلانے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے ان کی بدولت سب کچھ کھو دیا۔ اب
اب جو کچھ باقی رہ گیا، وہ ہمارے آخری قطرہ خون سے خریدا گیا ہے، ہم اسے غلینہ کے
زیریں تاج و تخت پر نہ لٹا رہیں کر سکتے۔

یہ عثمانی خاندان کی طرف سے نہایت مایوس اور سر د ل رکھتے ہیں۔ وہ کہتے
ہیں اس خاندان کا تباہ کن ہوجا اب ہم پر داشت نہیں کر سکتے۔ اس میں کبھی محمد فاتح اور
سلیمان صاحبقران پیدا ہوتے تھے، مگر اب صرف عبدالحمید اور وحید الدین ہی پیدا ہو سکتے
ہیں۔ ترک قوم نے چھ صدیوں تک اپنا خون بہا کر جو عظیم الشان مملکت قائم کی تھی وہ محض
اس خاندان کی خفیہ پرستیوں کی وجہ سے تباہ ہو گئی۔ شاہی خون ہمیشہ چند نسلوں کے بد بگڑ جاتا
ہے۔ اس خاندان کو بھی اب صلاحیت مفقود ہو گئی ہے۔ اس میں تاریخ کے صفحات کیلئے داستان
عظمت ہے، مگر قوم کیلئے کوئی برکت نہیں۔

دینی اقتدار اور ترقی و تقدم | ان میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اس سلسلے کا ایک سری
ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ترکی حکومت کی اصلاح و ترقی کی راہ میں قدامت پسند
اور حامد علماء و مشائخ کا جو دوا دل و دل سے ملنے عظیم رہا۔ وہ ہمیشہ اصلاح، انتظام،
تعلیم، حریت اور ہر طرح کے تقدم کے خلاف نہ رہا۔ نام استعمال کرتے رہے، سب کو معلوم
ہے کہ سلطان عبدالحمید کے ہاتھ میں اصلاح کے خلاف سب سے بڑے پناہ حربہ علماء و مشائخ
کی تعلیمات تھیں۔ شیخ ابوالہدیٰ نقاشی، احمد اسعدی، فیض علی، شیخ ظافر مغربی وغیرہ ہم
مشائخ یلوز ہمیشہ سلطان کو مطمئن کرتے رہے کہ وہ اسلام کا حکم ان مطلق اور پیغمبر اسلام کا ناطق
ہے اور اس کا دینی فرض یہی ہے کہ تمام طالبین اصلاح کو باسوئس میں غرق کرتا رہے۔
پس اگر اب قوم چاہتی ہے کہ خرافات و ضلالت کی بحرانی سہ پوری طرح نجات حاصل کرے

اور وہ ترقی تمام کھاؤں کی پاک صاف ہو جائے تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس طرح کا بے پناہ مذہبی اقتدار ہمیشہ کیلئے مختم کر دیا جائے جلیقہ کا مقام اگر قائم رکھا جائے گا، اس طرح کے مذہبی اقتدار کو مرکز بن جائے گا اور علما و دانشمندان اس کے گرد حلقہ باندھ لیں گے۔

عالمگیر خلافت اور یورپ | ایک دوسرا سیاسی خیال بھی ان خیالات کی تہ میں موجود ہے کہ ملتیں ہی ترکی تویم اور ترکی حکومت کے خلاف جو تعصب و عناد یورپ میں صدیوں کو چلا آتا ہے، اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ ترکی حکومت تمام مسلمانان عالم ایک بین الاقوامی مذہبی مرکز بھی جاتی ہے۔ یورپ خیال کرتا ہے کہ یہ یورپ اور مسیحیت کے خلاف ایک عالمی چیلنج ہے، اگر اب ترکی حکومت اپنی تمام تر معرکوں، داخلی اصلاح و ترقی کے لئے وقف کر دے اور بیرونی اسلامی تعلقات زیادہ نمایاں نہ رہیں تو یورپ کا بھی سیاسی تعصب کم ہو جائے گا اور ترکی کو ترقی و استحکام کی مہلت مل جائے گی۔

نقطہ خیال کی بنیادیں غلطی | یہ مختصراً اس نقطہ خیال کی تشریح ہے جو جمعیۃ جماعت خلیفہ

کے منصب کے باب میں رہتی ہے یہ خیالات جن مقدمات پر مبنی ہیں دراصل وہی سرے سے غلط ہیں اور یہی نقطہ ہے جہاں بنیاد کی اینٹ ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ یہ یہ ہے کہ خلیفہ سے خلیفہ کا منصب شخصی حکمرانی اور غیر مسئولیت کا بت بن گیا ہے۔ ابتدا کے تیس برس اور عمر بن عبد العزیز کے دو تین سال کے سوا اسلامی حکمرانی کی پوری تاریخ شخصی حکمرانی کی تاریخ ہے، لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ خلیفہ کا منصب موقوف کر دیا جائے، علاج یہ ہے کہ صحیح اسلامی خلیفہ پیدا کیا جائے، اسلامی خلیفہ کی موجودگی تو ہی آزادی اور جمہوریت کے منافی نہیں، بلکہ جمہوریت کی روح اسی ہے کہ وہ مقام میں مضمر ہے، جیسا کہ اگے چل کر واضح ہوگا

فصل حکومت و خلافت | چونکہ خلافت کے باب میں اس جماعت کے سامنے کوئی صحیح اور روشن مسلک موجود نہ تھا، مضطرب خیالات و نظریات تھے اس لئے کچھ بدتر حکم جس سے قدم اٹھے وہ نہ صرف غلط پڑے بلکہ باہم و گروہ مخالف متضاد بھی واقع ہوئے۔

مذاہبہ کافر نفس کے بعد جب مسلمانین پر بھی حکومت کا قبضہ ہوا تو اس نے فصل حکومت و خلافت کا اعلان کیا، جسے ذیوی اقتدار اور خلافت کے فصل سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی سلطنت و خلافت دو الگ چیزیں ہیں، ایک محل میں اکٹھی نہیں ہونی چاہیے پس آئندہ یہ خلافت کا منصب الگ رہے گا۔ ۱۰ سے حکومت میں کوئی دخل نہ ہو گا۔ اسی طرح ترک حکومت بھی الگ رہے گی۔ وہ خلافت میں دخل نہ ہو گی۔

اس کے بعد ہی مجلس نے فیصلہ کیا کہ اب کامل نظام جمہوریت کا اعلان کر دیا جائے چنانچہ اس کا اعلان ہوا۔ پھر ایک وقت وہ منصب الگ الگ قرار دیے گئے۔ ایک صدر جمہوریت کا ایک خلیفہ کا۔ صدر غازی مصطفیٰ کمال پاشا منتخب ہوئے، خلیفہ عبدالحمید خان تھے۔ پہلی غلطی دراصل یہی وہ پہلی غلطی ہے جو محالہ خلافت میں اس جماعت نے کی اور اس کے حل کر جس قدر بجھاؤ پڑے، سب اسی کے برگ و بار ہیں۔ اسلامی خلافت حکومت ہی کا نام ہے اور ایک خاص طرح کے نظام و مقصد کی بنا پر اسے خلافت کہتے ہیں کیا ہے؟ پہلی نظام خلافت ایسا تھا جیسا آج کل کی جمہوری حکومتوں کا نظام ہوتا ہے، الایہ کہ یورپ اور امریکہ کی جمہوری حکومتوں سے کہیں زیادہ جمہوریت کی کامل طرح اس میں موجود تھی۔ پس جس منصب کے لئے آج کل پریزیڈنٹ کا لفظ بلا جاتا ہے اسی کے لئے پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں نے خلیفہ، امیر اور امام کا لقب اختیار کیا تھا۔ بعد کا پیشانی استبداد اور افریقی استعباد کے اثرات سے اس منصب نے بھی شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی۔ پس اصلاح کی یہ صحیح صورت ہے تھی کہ شاہی خلیفہ جگہ اسلامی خلیفہ کے منصب کی تجدید کی جاتی اور اس کی جگہ وہی جتنی جمہوریت کے پریزیڈنٹ کی جتنی ہے نہ کہ پریزیڈنٹ کا منصب قائم کیے کے ایک الگ منصب خلافت کا بنادیا جس کی نہ تو اسلام میں کوئی اصلیت ہے اور نہ فعل کوئی عملی مقام دیکھا ہے۔ پھر آج اور اسٹیکسٹ اس تفریق حکومت و خلافت کے تصور علیہ گویا انہوں نے اس مخالفت اور معاوضہ کا معارفہ بند کر دینا چاہا، جو خلیفہ کی شخصیت اور اس کا روحانی نفوذ

قوی حکومت مجبوریت کے خلاف کر سکتا تھا۔ نیز ان کے خیال میں ملکی ریاست کی یکمائی کو جو خلل پیدا ہوتا تھا۔ اس کا بھی علاج ہو گیا۔

موجب نہیں اس کی تہ میں غلط قیاس بھی گا اگر رہا ہمکے مسیحیت کی طرح مسلمانوں کی اصلاح کیلئے بھی ٹیمپل پاور دنیاوی اقتدار اور سپر ٹیمپل پاور (روحانی اقتدار) کی علیحدگی ضروری ہے، یعنی چرچ اور اسٹیٹ کی۔ اسلامی خلافت کو پوپ اور کلیسا کے اقتدار پر قیاس کیا جو اللہ سلطنت کو اسٹیٹ پر پوپ میں انسانی آزادی اور قدرتی ترقی اس وقت تک ظہور میں نہ آسکی جس وقت تک لوتھر کی تحریک نے کلیسا کے تسلط سے قوموں اور حکومتوں کی آزادی نہیں کرا دیا۔ لیکن جو انھوں نے قیاس کیا ہو، ہمارے لئے بھی اس مرحلے کو گزربا ضروری ہے حالانکہ اس بارے میں اسلام کا نظام مسیحیت سے نہ صرف مختلف ہے، بلکہ قطعاً متضاد ہے۔ اسلام میں پوپ اور کلیسا کی طرح روحانی اقتدار کی کوئی جگہ نہیں۔ نہ اس طرح کا کوئی دینی اقتدار ہے جو انسانی آزادی اور علم و قدر کا مخالف ہو اور اس طرح کے اقتدار کو کفر و ایک بہت بڑی انسانی معصیت اور شرک باللہ قرار دیتا ہے۔ اتحاد عا جباً و ہم دہم باہم ایماناً بن دون لائے۔ البتہ جو چہیز مسلمانوں کی اصلاح میں حار ج ہے، وہ مذہب کا غلط اور جامدانہ استعمال جو جس کی وجہ سے اسلام کی روح آزادی، وسعت پذیری، متحرک و متقدم و موافق، حال و ظرفیت کی خصوصیت یک قلم مٹ گئی۔ اسی چہر کو راہ سے ہٹانا چاہیے مگر یہ مٹ نہیں سکتا، جب تک صحیح خلافت قائم نہ ہو اور مسلمانوں کی دینی، اجتماعی اور تعلیمی اصلاح و تہذیب کا باب سد و قاعدہ از سر نو نہ کھلے۔ لیکن ساری بد بختی یہی ہے کہ اسی دروازے کا قفل نہیں ٹوٹتا۔ (۱۰ رجون ۱۹۷۲ء)

(۶)

تفریق کی تائید میں تو حیات | لیکن جہاں تک اس جماعت کے سربراہ وہ لوگوں کی تعریف کا متعلق ہیں تو تفریق کی تائید میں یہ بات صاف صاف کہی نہیں گئی۔

مرفوع آنا کہ کیا کتاب حکمرانی کی دینی اقتدار سے الگ رکھنا چاہیے۔ ایک رسالہ بعض ترک علما نے اس کی تائید میں حکومت کے ایسا سے نکالتا تھا۔ اب اس کا عربی ترجمہ بھی قاہرہ کے ایک ترک اہل قلم عبدالحی منی بک نے شائع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ مواضع کو ایک دوسری ہی طرز پر دے جاتا ہے اور خلافت و سلطنت کی تفریق کو حقوق کی تعلیم سے تعبیر کرتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اوائل اسلام میں خلافت کا نظام مشورت اور عدالت و مساوات پر مبنی تھا۔ بعد کو شخصی اور مستبدانہ حکومت قائم ہو گئی۔ عدل و دیانت کی جگہ ظلم و دیانت نے لی۔ یہ خلافت حقیقی خلافت رہتی، محض جابرانہ حکومت تھی، جسے فقہاء و متکلمین نے خلافت ناقصہ یا خلافت صوریہ سے تعبیر کیا ہے۔ اب چونکہ خلفاء راشدین کے کوشاں تائید ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کے تمام اختیارات امت اور اہل حل و عقد کے ہاتھ میں رہیں اور منصب خلافت شروط و حدود کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ ایسی تعلیم کسی طرح بھی احکام شرع کے خلاف نہیں کی جاسکتی۔ پھر اس مزمعہ تعلیم کو کیا یک تفریق السلطنت من الخلافۃ سے تعبیر کرتا ہے اور اس کے لئے گئے ہیں کہ سلطنت اختیارات خلیفہ سے الگ اس کی مطلق العنانی مقید اور محدود کر دی گئی ہے۔

حقیقت حال حالانکہ کجا خلیفہ کی مطلق العنانی کو شرطوں اور حدود کے ساتھ مقید کر دینا اور کجا سلطنت اور خلافت کی تفریق، بینا مفاد و تنقطع فیہا اعناق المطلق؛ اگر مقصود صرف خلیفہ کی بے تبدیلی اور شخصی مطلق العنانی کو مقید کر دینا ہے تو یہ بالکل ٹھیک ہے۔ غرض اس سے مقید ہونا چاہیے، لیکن یہ خلیفہ کے اختیارات کی تجدید و تفسیر ہے، خلافت اور سلطنت کی تفریق نہیں ہے پھر یہ کیا غلط بحث ہے کہ خلفائے راشدین کی تعبیر عام خلفاء کے استبداد و مظالم کے خلاف پیش کی جاتی ہے، لیکن بجائے اس کے کہ اس لیٹر کے مطابق اب شہادت اور عدالت و مساوات پر خلافت کا نظام مقرر کیا جائے، سلطنت سے خلافت کر کے الگ بے محی و بے حقیقت نیا منصب اسلام میں امداد کیا جاتا ہے ؟

باقی رہا یہ خیال کہ اب خلفائے راشدین جیسے آدمی ناپید ہیں۔ اس لئے دوسری خلافت قائم نہیں ہو سکتی تو یہ بھی صحیح ہے بلاشبہ ویسے افراد ناپید ہیں لیکن نظام موجود ہے کچھ فرق نہیں کہ جس میں دخل اس وقت ان کی ذاتی اور انفرادی قابلیت اور دیانت کو تھا، اس قدر اب بھی خلفاء کا دخل باقی ہے۔ جمہوری نظام حکومت قائم کہہ کے خلفاء کے اختیارات بالکل محدود و منضبط کر دیے جاسکتے ہیں اور حکومت دامت خلفاء کے ذاتی استبداد کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

مقدمات استدلال کی غلطیاں | بعض ترکی اختیارات نے اس کی تائید میں ایک دوسری بات کہی اس کا ماحصل یہ ہے کہ عامل اسلام میں تمام مناصب ایک ہی طبقہ میں جمع تھے خلیفہ حکومت کا بھی رئیس تھا اور دین و شرع کے نفاذ و نگرانی کا بھی مرکز تھا۔ اور ایسے لوگ آئے جن میں جامعیت نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اب یہ کہہ کر خلافت طرہ شدہ جیسی خلافت قائم نہیں کی جاسکتی، اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ خلیفہ کا مقام الگ کر دیا جائے۔ حکومت الگ ہو اور ہر جزو اپنی اپنی جگہ صحت و کمال کے ساتھ کام کرے۔

لیکن اس استدلال کے مقدمات میں بھی جو چند در چند غلطیاں ہیں، جو محتاج بیان نہیں۔ اسلامی حکومتوں کے مقاصد کا اصلی باعث یہ ہے کہ مناصب ایک دوسرے میں جمع تھے حکومت سے الگ تو دینی ریاست کا کئی مناصب اسلام میں ہے ہی نہیں۔ مقاصد کا اصلی باعث یہ تھا کہ اسلامی خلافت کی جگہ جس کا بنیاد کامل جمہوریت (ڈیموکریسی) پر رکھی گئی تھی، ایشیائی بادشاہی اور افریقی فرعونیت قائم ہو گئی اور وہ میں میں نظر و فکر اور اجتہاد کا دھارہ بند کر دیا گیا۔ آج اگر یہ دھارا دور ہو جائیں تو مسلمانوں کے عام دماغی و عملی مفاد و مسائل جو سامنے ہیں اور ایک ایسی ستر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ حکومت اور ہیئت اجتماعیہ قائم ہو جاسکتی ہے۔ دین و قانون و فرائض کے محاسن پر مشتمل ہو اور دینی فاضلہ و عالیہ کے قدیم حکیمانہ خواب کا کمال پیر

ہینے کے آگے پیش کر دے۔

یہ بات بھی اس کی تائید میں کہی گئی کہ ترکی کی حکومت صرف ترک کیا کے لئے، لیکن خلیفہ تمام مسلمانوں کے لئے۔ پس چاہئے اس کا مقام ترک حکومت سے الگ ہو، جس طرح دنیا میں مختلف اسلامی حکومتیں الگ الگ موجود ہیں، اسی طرح ترک کی حکومت بھی ہو۔ خلیفہ اگر صرف ترک حکومت کا نہیں، تمام مسلمانوں کا ہے تو کیوں ترک حکومت کا ملکی حکمران یا صدر ہو؟ اسے تو ملکی حکومتوں کی سطح سے ایک بلند مقام ملنا چاہیے اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو اس کے منصب کی وسعت محدود ہو جائے گی۔ اصلاً اس کے احکام و اعمال ہمیشہ ترکی سیاست کی طرف مائل رہیں گے۔ باقی غیر حکومتیں اصرار کریں گی کہ ترکی حکومت کو اپنے وقار سے باہر کے معاملات سے کیا دخل؟

لیکن یہ بھی محض ایک دل خوش کن توجیہ تھی اور قطع نظر اس کے کہ موجودہ حالات میں عالمگیر اسلامی خلافت سے مقصود کیا ہے؟ قطعاً بھی کسی ایسی خلافت کا قیام و نظام چند چاند ہونے و نہ کلمات کے باعث تقریباً ناممکن ہے جیسا کہ اب خود بھی جماعت اپنے ہدیہ فیصلہ کی تائید میں کہہ رہی ہے۔

جدید منصب خلافت کی عقلی صورت | یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ سلطنت اور خلافت کی تفریق کی تائید میں جس قدر توجیہات کی جا رہی تھیں اور وظائف و اعمال کی تقسیم کے رنگ میں اسے دکھایا جا رہا تھا، محض کاغذی فائز تھی۔ عملی طور پر کسی ایسی تقسیم کا وجود نہ تھا اور نہ وجود میں آ سکتی تھی۔ چونکہ جب سلطنت علیحدگی کر لی گئی تو پھر بھی اس کے لئے کاغذی بار کے بہت سے مینیج باقی رہ گئے، مثلاً گناہوں کی معافی، پروانہ ہائے نجات کی تقسیم، احکام شرع میں ترمیم و تنسیخ، روضہ کبیرہ کے مہرچ کی پادشاہت، سیکسائی اعمال اور جیسات کی نگرانی وغیرہ لیکن اس نئے منصب پر متعلق ہو کر خلیفہ عبد المجید خاں کیلئے کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ گناہوں کی معافی اور جنت و نعت کی تقسیم کا کام باقی نہیں رہتا۔

البتہ فی احکام و اعمال کے بہت سے صحیفہ ادا کیے نفاذ و اجرا کی بہت سی صورتیں ہو سکتی تھیں، لیکن جہاں تک یہاں اختلافات بالفعل حکومت کے اندر موجود تھے سب کے سب حکومت کے تابع تھے اور حکومت سے الگ ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ پہلے ان کی رسمی تنگدانی شیخ الاسلام کے متعلق تھی اب شیعیت اسلامی کی جگہ اہل حقینہ کی وفادارت قائم ہو گئی تھی۔ پس فی الحقیقت عملی طور پر وظائف و اعمال کی تقسیم کا کوئی وجود نہ تھا۔ خلیفہ قطعی بے کار تھا۔ وہ قسطنطنیہ کے ایک حجر میں رہتا تھا۔ دس ہزار پونڈ کا وظیفہ تھا اور اگر کوئی مشغولیت تھی تو صرف یہ کہ جمعہ کے دن جلوس سلاطین کے ساتھ اداۓ نماز کے لئے مسجد چلا جائے۔ گویا یہ خلافت محض نام اور تنخواہ کی خلافت تھی جس کو دس ہزار پونڈ ملے اور جمعہ کے دن سلاطین کے ساتھ نکلنے دی خلیفہ ہے۔

خلط تقسیم مناصب | یاد رہے کہ یہ چیز اس بات کا نہ تھا کہ خلیفہ کے اختیارات ہمیں لئے گئے تھے۔ مشغولیت کیلئے اختیارات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کام کی ضرورت تھی ہے اختیارات تو جمہوریت کے پریزیڈنٹ کے بھی زیادہ سے زیادہ مقید ہوتے ہیں مگر بے کار نہیں رہتا۔ یہ دراصل نتیجہ اس خلط تقسیم مناصب کا تھا یعنی سلطنت اور خلافت کی علیحدگی کا چونکہ سلطنت کی علیحدگی کے بعد کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہتی جسے ایک خاص دینی منصب سے تعبیر کیا جائے اس لئے قدرتی طور پر اس کا یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ دینی و عہدہ جس قدر بھی اشغال تھے حکومت کے حصے میں آگئے، جبکہ خود ساختہ خلیفہ کے لئے بحر اہم و کم کے کوئی کام باقی نہ رہا۔ البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ آئندہ اس پر غور کیا جائے گا، مقام خلافت کے زیر نگرانی مسلمانان عالم کی دینی و اخلاقی ترقیات کے لئے مختلف انسٹی ٹیوشنز اور ادارے قائم کیے جائیں اور اسی لئے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے انعقاد کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔ موجزہ اسلامی کانفرنس | اس کانفرنس کا اعلان غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے خود کیا تھا۔ پھر خلیفہ عبد المجید خاں کی جانب سے ایک بیان شائع کیا گیا۔ یہ جو بھی ایک عجیب طرح کی

تجزیہ نمک شخص اصرار جماعت اپنے اپنے فوق اور خواہش کے مطابق اس سے امیدیں لگا سکتے
ہوئے تھے، لیکن میرے بہت سے دوستوں کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال جب کانفرنس کیلئے ہندوستانی مندوبین
انتخاب ہونے کو چھوڑتے تو یہ صاف کہہ دیتا تھا کہ مجھے اس کانفرنس کے انعقاد ہی میں شک ہے، مندوبین کے
انتخاب کا مسئلہ بھی کہاں؟ اصل یہ کہ تجویز واقعتاً کو خالی نہ تھی۔ اعیان انکورہ نے واقعی
ارادہ کیا تھا کہ ایک ایسی کانفرنس ہو اور خلیفہ کا جو نیا مقام بنایا گیا ہو اس کے ماتحت عالم اسلامی بنائے
کیلئے ایسا نئی ٹیوشن قائم کئے جائیں، جن کو مسلمانانِ عالم کے روابط بھی ترکی کے ساتھ قوی ہوں
اور اصلاح و ترقی کے نتائج بھی پیدا ہوں، لیکن بعد کہ جب خیالات میں انقلاب ہوتا ہوا محسوس
محسوس کیا کہ جب کبھی ایسی کانفرنس کی جائے گی وہ خلیفہ کے اختیارات کا مسلمہ ٹھکڑے کی اور
عجب نہیں ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ ساتھ ہی اس طرح کا بین الاقوامی اسلامی اجتماع ان کے
اس پروگرام کی سپرٹ کے بھی خلاف تھا جس کا مشاہدہ ہے کہ موجودہ حکومت صرف اندرونی
اصلاح و ترقی میں مشغول رہے۔ اپنے تئیں مسلمانانِ عالم کے ساتھ زیادہ مشغول نہ دکھائے۔
پس حالات نے دوسری ہی شکل اختیار کر لی اور کانفرنس کا جواب بہت جلد فراموش کر دیا گیا
اعیان انکورہ کا عارضی اطمینان | بہر حال اس جماعت کا خیال تھا، اس انتخاب کے بعد
انہوں نے دونوں پہلوں سے سمجھا لے لئے ہیں۔ ایک طرف تو حکومت خلافت سے الگ ہو گئی اور اس
بات کا کوئی کھٹکا نہ رہا کہ خلیفہ کا شخصی استبداد یا دینی اقتدار حکومت کی آزادی اور ترقی ترقیات
میں حائل ہوگا۔ دوسری طرف خلافت بھی بہ دستہ قائم رہی اور مسلمانوں کے لئے بھی کئی وجہ
اقرض و اصرار کی پیدا نہ ہوئی۔

حالانکہ انہوں نے دونوں پہلوں سے سمجھا لے نہیں تھے۔ دونوں ناقص کر دیے تھے جس
چیز کو انہوں نے حکمت کے نام سے گل کیا تھا وہی دراصل خلافت تھی اور جس معصب کو
انہوں نے خلافت کے نام سے قائم کیا تھا وہ خلافت نہ تھی سچی پرپ کا ایک بے کار دستہ خطرناک
منہج تھا جو اسلام میں بھی پیدا ہو گیا تھا وہ نہیں سمجھے کہ جس نفرتی سلطنت و خلافت کو وہ اصلاح سمجھ

ہے ہی، اصلاح نہیں ہے ایک ناقابل قبول قیام منصب کا احداث ہے۔ اسے چل کر دہ نمکمی اسے گوارا نہ کر سکیں گے۔ انہیں دکھائی دیکھا کہ یہ حکومت کے مقابلے میں ایک نئی حریف قوت پیدا ہو گئی ہے۔

غلطی پر تنبیہ | چنانچہ بھی اس اختتام پر تھوڑا ہی نماز گزار سمجھا کہ ان پر تقریب کی غلطی واضح ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف تو عالم اسلام بھی اس صورت حال مطمئن نہیں، دوسری طرف خود ترکی حکومت کے لئے بھی اس کا وجود ایک خطرہ ہے۔ یہ صریحی دغلی اور دوطرفہ حکومت قائم کر دینا؟ یا یوں کہا جائے کہ ایک حکومت کے اخذ دوسری حکومت کا تخت بچا دینا ہے۔ جب کبھی موافق حالات جمع ہوں، ایک نئی شورش خلیفہ کے دینی اقتدار کے ناکام سے پیدا کر دی جاسکتی ہے اور قومی حکومت کو خطرہ میں ڈال دیا جاسکتا ہے۔

عالم اسلامی کا اعتراض | عالم اسلامی کا اعتراض دو مختلف نوعیتوں کا تھا۔

اصحاب تطور و ترمیم سے اس تقریب پر معترض تھے

و اسے خلیفہ کے اختیارات کا مسئلہ نہیں سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ خلیفہ کے اختیارات قطعاً محدود اور عقیدہ ہونے چاہئیں، لیکن خلافت کی ریاست کے سوا کوئی علیحدہ منصب نہیں، نہ موجودہ زمانے کے مقتضات کیلئے کسی ایسی علیحدگی کی ضرورت ہے جس وقت تک ترکی حکومت میں شخصی فرمانروائی تھی اس کا رئیس سلطان تھا اور دینی خلیفہ تھا۔ اب جمہوریت قائم ہو گئی ہے تو اس کا رئیس سلطان نہیں ہوتا پر ریڈیٹس ہوتا ہے اور اسی منصب خلیفہ کا منصب ہے پس یہ صورت جو پیدا کی گئی ہے کہ ایک وقت دو منصب بنادے ہیں، یہ قطعاً غلط ہے صرف ایک منصب ہونا چاہیے۔ یا عبد المجید خاں چغتیت پر ریڈیٹس منتخب کئے جائیں یا جو ریڈیٹس ہماری خلیفہ قصبہ کیا جائے۔ باقی رہا یہاں یہاں پر ریڈیٹس کے غیر مسلم ہونے کا بھی امکان ہے تو یہ مصلحتیں اس کی کامند کی جب جدید ترکی کے دستور میں پہلی دفعہ یہ موجود ہے کہ حکومت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا تو یہ صراحت بھی

جاسکتا ہے کہ پرنسپل ٹیٹ کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔
 لیکن ایسے معترضین کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ معترضین وہ تھے جو اصل حقیقت
 سے بے خبر ہو کر ایک دوسرے ہی عالم میں جا پڑے تھے۔ وہ سمجھتے تھے یہ جو کچھ ہمارا فر
 خلیفہ کو مطلوب الاختیارات کر دے گا معاملہ ہے یعنی اس کے مقدس اختیارات و حقوق
 چھین لیے گئے ہیں اس لئے وہ کہتے تھے۔ خلیفہ کو اختیارات ملنے چاہئیں۔ یہ صدائیں
 ترکی کے اندر بھی بلند ہوئیں، باہر سے بھی اُٹھتی رہیں۔

(۷)

امیر علی اور آغا خاں کی چٹھی | اس اثنا میں ایک دوسرا واقعہ ہوا جو فی نفسہ اتنی اہمیت
 نہیں رکھتا تھا۔ لیکن حالات نے اسے غیر معمولی اہمیت دے دی۔ یہ سید امیر علی اور سر
 آغا خاں کی مشہور چٹھی ہے جو انھوں نے عصمت پاشا کے نام لندن کو بھیجی تھی اور بعض
 ترکی اخبارات میں چھپ گئی تھی۔

یہ حقیقت قطعی طور پر معلوم ہے کہ اس چٹھی کے لکھنے کا باعث صرف یہ امر تھا کہ
 سر آغا خاں، سید امیر علی اور بعض دیگر مسلمانانِ لندن نے ذاتی طور پر محسوس کیا کہ ترکی حکومت کو
 خیر خواہانہ مشورہ دینا چاہیے۔ یہ بات کہتی کہ برطانیہ کی اس میں کوئی سازش ہو یا ترکی کی کسی
 اترجائی جماعت (ری ایکشنر) کا اس میں درپردہ ہاتھ ہو۔ لیکن انگورہ کی برسرِ اقتدار رجحان،
 جو پہلے ہی سے مضطرب ہو رہی تھی اچانک چونک اٹھی اور طرح طرح کے دندہ دانہ نشین
 کے خواب دیکھنے لگی۔ اس نے خیال کیا کہ یہ اس خطرے کا الارم ہے جو اس خود ساختہ منصب
 خلافت کی وجہ سے مغرب میں اُٹھنے والا ہے۔

چٹھی اگرچہ واقعی اخص سے لکھی گئی تھی لیکن ساتھ ہی انہی سے ہے کہ اس کے
 اعتراض کی بنیاد وہی عام غلط فہمی جو صورت حال کے سمجھنے میں نام لگ کر پڑی تھی۔ بلاشبہ
 موجودہ صورت حال قابلِ اعتراض تھی مگر اس لئے نہیں کہ خلیفہ کے شخصی اختیارات سلب کر لیے گئے

تھے، بلکہ اس لئے کہ سرے سے حکومت اور خلافت کی نفرتی ہی غلط تھی۔ خط میں اس پر مذکور دیا گیا تھا کہ کم سے کم خلیفہ کو اتنا اختیار ملنا چاہیے جس میں قد پوپ کو ہے، حالانکہ اس بارے میں پوپ کی تمثیل ہی غلط ہے، بعضاً فوق کی مصداق ہے، کجا مسیحیت کا پوپ جو شریعت کے نسخہ واضعہ کا مالک اور جنت و دوزخ کا ٹھیکیدار ہے اور کجا اسلامی خلیفہ جو زیادہ سے زیادہ

اسلامی جمہوریت کا صدما و رفیع ہے جس میں مسائل و حوادث میں پیشوا، اہل علم و اجتہاد کر سکتا ہے؛
نشان بین مشرق و مغرب
اعتراضات کی غلط بنیاد | میں غلط محض رائٹ آنریبل سید امیر علی اور سر آغا

ہی کو نہیں ہوتی، ہندوستان مصر وغیرہ میں جس کسی نے اعتراض کیا، اس غلط بنیاد پر کیا سب یہی کہتے رہے کہ خلیفہ عبدالمجید خان مسلوب الاختیارات کر دیے گئے، لیکن اتنی صاف اور حتمی بات کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئی کہ سلب اختیارات دوسری چیز، برسرِ سلطنت و خلافت کی علیحدگی دوسری چیز ہے۔ چنانچہ ابھی حال ہی میں شیخ مایع الازہر قاہرہ کے ماتحت علمائے مصر کا جلسہ ہوا تھا جدید فیصلہ آگیا کہ خلافت تجویز منظور ہوئی تھی اس میں یہ غلط فہمی موجود ہے۔ تجویز غلط ہے کیلئے کو توئی مجلس آگندہ نے خلیفہ عبدالمجید خاں کے تمام اختیارات سلب کر لئے تھے۔ اس لئے ان کی خلافت محض نام کی خلافت تھی، حالانکہ سلب نہیں کیئے تھے ایک نیا منصب اصداٹ کیا تھا۔ اعتراض اس پر ہونا چاہئے تھا نہ کہ سلب اختیار پر

دراصل اس معاملے میں اہل دن سے جو بل پڑ گیا ہے وہ یہی بنیاد کی غلطی ہے۔ بات کو کہہ رہے، لگ سمجھنے کو کہ میں ادا اعتراض ہوتا ہے کہ پھر معاملہ سلجھے تو کہیں کر سلجھے؟ غور ٹکی کے اندر بھی جو لوگ برسرِ اقتدار جماعت کے مخالف ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔
 ۲۔ مایع کو آگندہ کی اسمبلی میں تجویز کے مخالفین نے جو کچھ کہا ادا اس بنا پر اعتراض کیا،

اس میں بھی یہی بنیاد غلط تھی ادا لہذا کام کر رہا ہے۔ جب ایک معاملہ میں مخالف اور موافق دونوں اس طرح پر غور غلط ہو جائیں اور کھوے سمجھیں تو ظاہر ہے اس کا حشر کیا ہوگا۔

ناگہانی اضطراب | بہر حال اس جی کو ایمان انگورہ نے ایک دوسری ہی نظر سے دیکھا
انہیں یقین ہو گیا کہ خلیفہ کا معاملہ میں تک پہنچ کر رکھنے والا نہیں ہے۔ اب لڑائی کے اندر
اور باہر شور مچایا جائے گا کہ خلیفہ کے مقدس اختیارات واپس ملنے چاہئیں۔ جب سید امیر
علی اور سرگمناں جیسے مغربی خیال اور اب ڈیوٹ مسلمانوں کا یہ خیال ہے تو عوام تو یقیناً
یہی کہیں گے کہ خلیفہ کو زار و زور اور عبدالحمید خاں کی طرح جیسا کہ کل مطلق العنان چھوڑ دیا جائے
ما شئت لا ما شئت الا قدر

فالحکم ، فانت الواحد القہار

۲۔ مادرج کا فیصلہ | عرض اب وہ اپنی غلطی پر پوری طرح متنبہ ہوئے۔ انہوں نے
وہ بات معلوم کر لی، جو اہل مذہبی علوم کر لینی تھی، یعنی منہا عصب کی تقسیم نہ صرف غلط بلکہ نا
قابل عمل ماہر اس ہے۔ چیز حقیقی ہے، وہ صرف حکومت ہے اس کے سماج کو کچھ بنایا گیا ہو۔
محض نام اور بناوٹ ہے۔

چنانچہ اب صورتحال یکایک منقلب ہو گئی۔ کل تک وہ اس تفریق کی تائید میں جتنی
باتیں کہتے تھے اب خود ہی ان میں سے ہر بات کا رد کرنے لگے اور تمام مذہبی دلائل ان کی بنیادیں
پر آگئے جو کل تک ان کے مقابلے میں ہمارے دلائل تھے۔

اسی احساس اور تنبیہ کا نتیجہ وہ فیصلہ ہے جو ۲۲ مارچ کو اسمبلی نے کثرت رائے
سے کیا اور جو کئی ہفتے پہلے سے پہلے پارٹی میں نشو و نما حاصل کر چکا تھا، اس فیصلے سے
انہوں نے منصب خلافت کی وہ نئی دیوار دھاندلی جو خود ہی دو سال پہلے جی تھی۔

اسمبلی میں جو تجویز منظور ہوئی، اس کا ماہصل یہ ہے کہ منصب خلافت حکومت
تو کیا میں اصلاً معجزہ، اس لئے خلیفہ معزول اور منصب خلیفہ موقوف کیا جاتا ہے۔

انکار و نظر کا اظہار | اس تجویز کی تائید میں ذمہ دار ارکان نے جو خیالات ظاہر کیے اور
بعض ارکان نے شرعی نقطہ خیال سے جو تفریک کہی، ان میں وہی اظہار اور خیالات کا اضطراب

موجود ہے، جو اول بین سے پرگیا ہے۔ شرعی بحث و استدلال بھی تمام تر عامیانہ اور دلیانہ ہے۔
 نظر تحقیق کی کوئی بلند بات نظر نہیں آتی۔ آج کل اس جماعت کے سب سے زیادہ معتد عالم
 سید بک ہیں، جو پہلے وکیل حقانیہ تھے۔ یہ دراصل قسطنطنیہ کے دستار بندی میں کو ہیں۔
 لیکن جہ کو طرہش اٹھ دلی۔ تھوڑے دن گزرے میں نے ان کے وہ ٹوٹے پٹے تھے جو انھوں نے
 قانون الاعمال کابل (مسودہ قانون) ترتیب دیتے ہوئے کچھ تھے۔ ان کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ
 شخص علم اسلام میں عام مقلدانہ اور دلیانہ سطح سے کچھ بلند درجہ رکھتا ہے، لیکن جب اس نے
 اس کی تقریر اس بحث میں پڑھی تو چند درجہ مایوسی ہوئی۔ خلافت کے باب میں اسلامی نقطہ
 خیال واضح کرنے کے لئے کس قدر بلند، پاکیزہ اور معنیاتِ وقت کے عین مطابق ہوتا
 ہیں لیکن اس شخص کا نام تر مبلغ علم محض چند متین فقر و کلام کی ذوق گردانی اور نقل عبارت تک
 محدود ہے اور اسی بہ اعتبار استنباط و استنباط محل نظر، جیسا کہ آئندہ نمبر میں تفصیل عرض کریں گے۔
فیصلہ کی پیشکش | بہر حال اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی خلافت سے مخصوص اسلامی
 حکومت۔ جبہ اسلامی حکومت ترکی میں موجود ہے تو کسی دوسرے منصب کا قائم رکھنا فریضہ نہیں
 باقی ہے۔ یہ بات کہ پہلے طریقہ تھا کہ کوئی فرد خلیفہ قرار دیا جاتا تھا تو یہی شرعاً غرضی
 نہیں ہے۔ شرع کی جو چیز مطلوب ہے وہ حکومت ہے تاکہ اسلامی احکام نافذ ہوں اور عدل
 و امن قائم ہے۔ پہلے ایک فرقہ کے ہاتھ میں حکومت کے اختیارات بہتے تھے اب تجربے سے ثابت
 ہو گیا کہ اس طرح اختیارات کا دے دینا طرح طرح کے مفاسد کا باعث ہوتا ہے۔ پس اہل حل
 و عقد فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آئندہ کسی ایک شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔ خلافت کے نام و اختیار
 ہم کے ناموں کے ہاتھ میں رہیں۔ چنانچہ اس تجربے کا یہی نشانہ ہے کہ آئندہ جمہوریت ترک کیا جائے

۱۔ انہوں کو آئندہ خبر رکھنے کی نوبت ہی نہ آئی اور مسئلہ خلافت کی جگہ دوسرے مسائل پیدا
 کرنے لگی۔

خلفت اسلامی تمام تر انھیں انجام دے گی، لیکن کوئی ایک شخص غلط نہ ہو گا۔
 عالم گیر خلافت کا الجھائو اس تمام بابے میں کوئی کشش اس امر کی نہیں کی گئی کہ جو
 الجوائد خلافت کی حیثیت و ذمیت کے بارے میں حکومت کے پُرچیے طرز عمل اور صدیوں کی
 دواہال سے پڑ گیا ہے، اسے دور کر دیا جائے۔ ایک بنیادی غلط فہمی اس بابے میں
 پھیلی ہوئی کہ عالم گیر اسلامی خلافت کے بہ حالت موجودہ مقصود کیا ہے۔ عالم اسلامی
 کی موجودہ حالت یہ ہے کہ صدیوں سے مختلف حکومتوں اور متفرق محکوم جماعتوں میں بٹ
 گیا ہے اور مثل دوسری حکومتوں کے ایک محدود دائرے میں ترکی حکومت سمجھ رہی ہے۔ اب تک
 حکومت میں اسلامی خلافت ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور تمام مسلمانانِ عالم سے اس کے مبالغہ
 کی شرعی ذمیت کیا ہے؟

اس سوال کے حل دینے میں اول دن سے سب کھینے گئے اور اس موقع پر بھی بحث
 کرنے کی مطلق کشش نہیں کی گئی۔ ایک طرف تو عریک تجویز کردہ ہی ہے کہ ترکی میں اسلامی
 خلافت موجود ہے، کیوں کہ حکومت ہی خلافت ہے۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے۔
 عالم گیر اسلامی خلافت کا خیال محض ایک نام فطرہ اور ناقابل عمل مفکرہ ہے، ترکی میں آئینہ یا
 کے معنوں میں مفکرہ ہونے لگے ہیں، یعنی فکر کا اسم مفعول حالانکہ عربی قواعد کے رد
 غلط ہے، عصمت پاشا نے اسمی میں جو تقریر کی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے، وہ عالم گیر اسلامی خلافت
 کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ مختلف اسلامی حکومتوں کی جگہ ایک اسلامی حکومت قائم ہو جائے
 اور اسے بہ حالت موجودہ نامکمل بہتلتے ہیں، حالانکہ عالم گیر اسلامی خلافت کا یہ مطلب سمجھنا غلط ہے
 مسئلہ حکومت دوسری ہے اور مرکز خلافت کے قیام سے شرعاً و عللاً دوسری مطلب ہے چنانچہ
 اس کی تشریح آگے آئے گی۔

فاخری مصطفیٰ کمال پاشا کا جو تاریخ خلافت کمیٹی کے نام آیا تھا اس میں بھی ایسے جملے
 موجود ہیں جن میں غلط فہمی پائی جاتی ہے۔

مسئلہ کی صورت | دو باتیں تقبی اور صاف ہیں ۔

۱۔ جس منصب خلافت کو انھوں نے اپنا حق قرار دیا ہے، یہ اسلامی خلافت نہ ہوتی۔
 یہ ایک خود ساختہ منصب تھا، جو خود اپنی نے غلطی سے قرار دیا تھا۔ اسلامی خلافت وہی چیز
 تھی، جسے انھوں نے حکومت کے نام لگا کر لیا تھا، جس دن اس حکومت نے اپنا منہ منقب
 کیا، اسی دن خلیفہ بھی منقب ہو گیا۔ کیوں کہ خلیفہ اور رئیس حکومت دو الگ منصب نہیں ہیں۔
 ایک ہی منصب کے دو مختلف نام ہیں۔ پس اگر اب انھوں نے اس خود ساختہ منصب کو
 موقوف کر دیا اور کہتے ہیں کہ حکومت کی موجودگی میں یہ غیر ضروری ہے تو میان تک اسلامی نظام
 خلافت کا تعلق ہے، جس میں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم نہ اس کے خواہشمند تھے، نہ ہم نے
 اسے مہم سمجھا تھا۔ خود ہی انھوں نے غلط دیوار بنی تھی اور خود ہی ڈھادی۔

۲۔ مسئلہ کا منحنی پہلو تھا۔ اب مثبت پہلو سے آنا ہے یعنی اس نئے اور خود ساختہ
 منصب کے موقوف کر دینے کے بعد جو چیز بگڑ گئی ہے، وہ کیا ہے اور کس شکل میں ہے؟ وہ کہتے
 ہیں کہ اسلامی حکومت ہی اسلامی خلافت ہے۔ اس سے ہم متفق ہیں۔ اب ہونا یہ چاہیے
 کہ جب حکومت خلافت ہو، تو جو شخص اس کا رئیس ہو وہی خلیفہ سمجھا جائے جیسا کہ تمہاری
 حکومت شخصی حکمرانی کے نظام پر تھی اس کا رئیس سلطان تھا اور وہی خلیفہ تھا۔ اب جمہوری
 نظام؟ تو اس کا رئیس سلطان نہیں ہو سکتا، پریزیڈنٹ ہو گا۔ چاہیے کہ وہی خلیفہ ہو، لیکن اس
 سے ان کو اختلاف ہے وہ کہتے ہیں اگرچہ حکومت کی ریاست کا منصب موجود ہے لیکن ہم
 اسے اب خلیفہ نہیں کہیں گے۔ ہم دودھ کو دودھ کہیں گے مگر شیر نہیں کہیں گے، زیادہ صاف
 نظروں میں ان کا یہ فیصلہ ہے کہ آئندہ حکومت ترکیا میں کوئی ایک فرد لقب خلیفہ سے ملے نہ
 ہو گا جس طرح شخصی حکومت جمہوری نظام میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اسی طرح شخصی خلافت
 کی جگہ جمہوری خلافت قائم ہو گئی ہے۔

نقطہ اختلاف ۱۔ تا حقیقت ہم میں اور ان میں بھی نقطہ اختلاف ہے۔ اختلاف اس میں

نہیں ہے کہ جو اسلامی خلافت امرار پر جسے پہلے وہاں موجود تھی، وہ اب باقی رہ گیا نہیں ہے اس لئے کہ وہ قطعاً اب بھی موجود ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اس خلافت کا نظام کیا ہو؟ یہ کہتے ہیں کہ نیکو کوئی فرد لقب خلیفہ سے ملے یا وہ لوگ یا یہ الفاظ دیگر کوئی ایک فرد خلیفہ نہیں بنایا جائے گا۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اسلامی حکومت کا جو رئیس ہو، وہ خلیفہ المسلمین کے لقب سے منتخب کیا جائے۔

اپنے اس خیال کی تائید میں انھوں نے جو کچھ کہلے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ کے قیام سے مقصود یہ نہ تھا کہ کوئی خاص شخص خلیفہ کے نام سے اجلاس کرے۔ یہ بتایا کہ اسلامی حکومت قائم ہو اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی انتظامات کی کفیل ہو۔ یعنی مسعودوں کی حفاظت کرے، ملک میں امن بجالا رکھے، منقذات کا نیکو کرے۔ جرموں کو سزا دیں گے۔ مساجد و اجتماعات کا انتظام کرے۔ قوم کی تعلیم و تربیت اور نظم و نظام کا تدبیر ہو اور وہ سب کچھ کرے جو علیٰ النبیؐ کے بقیم مہم کے لئے ضروری ہے۔ یہ تمام مقاصد آج حکومت کے قیام سے حاصل ہیں، کوئی کام یہاں نہیں ہے جو خلیفہ کی ذات خاص پر موقوف ہو پھر کہیں ضروراً ضروری ہے کہ ایک خاص انسان خلیفہ کے نام سے ضروری رکھا جائے پہلے حالات ہمارے تھے۔ آج کل کے احوال و ظروف وہ سب ہیں۔ اب دنیا اس کے لئے تیار نہیں کہ افراد و فئات کے قبضے میں اپنی کدالت دیدے، جس کا ہزاروں برس تک غلط اور مجربانہ استعمال ہو چکا ہے۔ بلاشبہ اہل مل و عقد کیلئے جانہ ہے کہ وہ بجائے ایک فرد کے نائبین است و اہل ثوری کے ساتھ میں تمام اختیارات و انتظامات دے دیں۔

ہمارا نقطہ نظر نگاہ ہم کہتے ہیں یہ سچ ہے کہ مقصود خلافت کے قیام کو حکومت عادلہ و حقہ کا قیام ہے اور اس سے بھی ہمیں اختلاف نہیں کہ افراد و فئات کے قبضے میں اختیارات نہیں ہونے چاہئیں، لیکن قومی و جمہوری حکومت کا بہر حال کوئی رئیس ہونا چاہیے یا نہیں؟ لہذا آج بھی حکومت ترکیا ایک رئیس و صدر کا منصب قرار دے چکی ہے یا نہیں؟ اگر قرار دے چکی ہے۔

تو اسی منصب کا نام اسلام کی بول چال میں خلیفہ اور امیر المومنین ہے۔ پھر یہ کیسی مصیبت کی بات ہے کہ ایک حقیقت کے اعتراف میں کچھ تو انکار نہیں، لیکن اس کے نام سے انکار و خوش ہے؛ ہم یہ کب چاہتے ہیں کہ خلیفہ میں بادشاہ یا بمعنی فرعون ضرور ہو۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ ایک جمہوریت کے رئیس سے زیادہ اختیار رکھے۔ اس سے زیادہ اختیار قطعاً غیر شرعی اختیار ہوگا پس کہوں نہ صاف کر دیا جائے کہ اسلامی خلیفہ بجز رئیس حکومت کے اور کچھ نہیں ہے؛ اور چونکہ رئیس کا منصب موجود ہے لہذا خلیفہ بھی موجود ہے۔ اس کے لئے موجود دستور اساسی میں اس قدر صراحت برعادی پر پڑے گی کہ جمہوریت ترکا کر اس میں صرف مسلمان ہو سکتا ہے لیکن دیکھتے ہیں؛ ہم اس سے صرت رئیس کہیں گے خلیفہ نہ کہیں گے نزاع کی حیثیت | بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نزاع محض لفظی ہے معنی نہیں میں نہیں ہے، نسیم میں ہے کہ منصب موجود ہے جو اسلامی خلافت کا منصب ہے اس کا نام بھی وہی ہے جو لفظ امیر کے منطوق اور لفظ خلیفہ کے معنی کا قائم مقام ہے لیکن ایک خاص لقب یعنی خلیفہ امیر کے نسیم سے نہیں انکار ہے۔

لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلاشبہ جہاں تک نفس مسئلہ کی فصیح و صمدت کا تعلق ہو نزاع لفظی ہے مگر اس کی تہ میں معنی اختلاف نہ کر پڑیدہ ہے وہ خلیفہ کے لقب سے اس لئے اختلاف نہیں کرتے کہ انھیں محض اس لفظ سے کوئی ضد ہے۔ وہ اصل ان اثرات کو دیکھتے ہیں جو صدیوں کی روایات و تعامل کو اس لفظ کے اندر تعمیر یا کچے ہیں اور اب کسی طرح اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے نصہ ۱ اثرات ایسے بھی جن سے ان کو خوش ہے انصاف سے انھیں انکار ہے۔

انکار و خوش کی علت | جن اثرات سے انھیں خوش ہے وہ اسلامی خلیفہ کی وہ شاہانہ و مستبدانہ تصویر ہے جو ایک ہزار سال سے دنیا کے دل و دماغ پر نقش ہو چکی ہے۔ کہتے ہیں کاغذ پر ایک ایسے خلیفہ کا نقشہ کھینچا جاسکتا ہے جو مقید، جوانہ اور محض رئیس

حکومت ہو، لیکن ہمارا واسطہ عملی دنیا سے ہے جو صدیوں کو صرف متبدلہ اور ملک خلیفہ کو پہناتی ہے۔ جب کبھی خلیفہ کا نظریہ لایا جائے گا، معاہدہ تمام رہدایات و جذبات اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے جو صدیوں سے لوگوں کے دل و دماغ میں غیر پا چکے ہیں۔ پھر قدتی طہ پر یہ خواہش پیدا ہو جائے گی کہ شخصی فرمانروائی اور دینی سلطانی کا وہ سبک ازمسرتا راستہ کیا جائے، جسے ان مشکلوں سے ہم دھچکے ہیں۔

وہ اس دینی اقتدار و حکومت سے بھی خائف ہیں جو ان کے خیال میں "نقطہ خلیفہ" کی ذہنیت (پلیٹیٹو) ہو گئی ہے، اگرچہ فی الاصل نہ تھی۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ یہ اقتدار ترقی و تقدم کی راہ میں مانعِ عظیم ہے۔ گزشتہ سو برس کے اندر دولت عثمانیہ کتنے مرتبہ کمزور ہو کر باعش ہوئی، اقتدار ہوا۔

جن اثرات سے انہیں انکار ہے وہ عالم گیر اسلامی توقعات و جذبات ہیں، جو نقطہ خلیفہ سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ یہ توقعات عملاً کبھی وجود میں نہیں آئیں لیکن مختلف صورتوں اور نوعیتوں میں دلنشین ہو چکی ہیں۔ محسوس کرتے ہیں کہ ان اثرات کا نمایاں ہونا ان کی موجودہ تہی ہمد گرم کے خلاف ہے۔ اس پر دگرگاہ کا حاصل یہ ہے کہ ترکی حکومت کو بالکل فصلِ عمرت اپنی داخلی اصلاح و ترقی میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ اس کی قوت اور ترقی ہی کو تمام مسلمانانِ عالم کو اخلاقی تقویت پہنچ سکتی ہے۔ غیر ملکی مرکزیت کے نظریوں سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

ہمارے خیال میں ان کے یہ افکار غلط مبادیات پر مبنی ہیں۔ ہم علی وجہ البصیرت ایسے حقائق اپنے سامنے رکھتے ہیں، جن خیالات میں سے ہر خیال کی غلطی پر دلیل قاطع ہے، لیکن چونکہ بالفعل مقصد بعد نظر نہیں ہے۔ صرف ان کا نقطہ خیال ظاہر کر دینا ہے۔ اس لیے اس پر آئندہ نمبر میں بحث کی جائے گی۔

حضرت پاشا کی تقریر رائٹر انجینی نے حضرت پاشا کی ایک تقریر کا خلاصہ شائع کیا تھا جس کا ما حاصل یہ تھا

کہ اگر عالم اسلامی نے ہماری مدد کی ہے تو اس لیے نہیں کہ یہ کہ ہم میں اسلامی خلیفہ ہے بلکہ صرف اس لیے کہ ہم طاقتور ہیں۔

لوگوں نے یہ بیان سخت انکار اور تعجب کے ساتھ سنا، کیونکہ اس میں حقیقتِ حال کی صریح تکذیب و تحریف کی گئی تھی۔

لیکن ترکی اور مصر کے اخبارات میں صحت پاشا کی جو مفصل تقریر چھپی ہے اس میں تعجب یہ بیان نہیں ہے ایک دوسری بات ہے جو کہی گئی ہے۔ میں تقریر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ یہاں درج کر دیتا ہوں۔ یہ اس رپورٹ سے ماخوذ ہے جو توحید افکار افسانہ "الاخبار" اور "دادی النیل" میں چھپی ہے۔

۱۔ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں، سیاسی اور دینی۔ دینی حیثیت سے واضح رہے کہ اس منصبِ خلافت کے موقوف کر دینے سے کوئی ادنیٰ نقص بھی احکام اسلامیہ کے اجرا و نفاذ میں پیدا نہ ہو گا کیونکہ حکومتِ ترکیا بدستِ دوزخ معاملات و احکام اسلامیہ نافذ کرتی رہے گی، کامل سے کامل اندر ترقی سے بہتر شکل میں اگے چلے کوئی خاص منصبِ نقبِ خلیفہ کے ساتھ باقی نہیں رہے گا۔ بطح نظر اس کے ظاہر ہے کہ ہم اس قومی مجلس کے ذریعے چار برس سے تمام احکام اسلامیہ نافذ کر رہے ہیں، حالانکہ مجلس کے اندر منصبِ خلافت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ پھر اب کیوں ایسا دہرے گئے گا؟ ضرور ہو گا اور اس وقت تک ہوتا رہے گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی حیثیت ہے۔

ہاں یہ سیاسی پہلو جو لوگ خلافت کی سیاسی قوت کا اجمال سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں، قسطنطنیہ اس لئے ترکی حکومت کے قبضہ میں نہیں آئی گی کہ خلیفہ کا مستقر ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ قسطنطنیہ اس لئے ترکی حکومت کے لئے چھوڑ دیا گیا کہ ترکی قوم نے پرانے انوکھے خیال

کی افواج کا مقابلہ کیا اور اس میں کامیاب ہوئی اور جب تک یہ قوت قوم میں رہے گی قسطنطنیہ اور تمام بلاد ترکہ اس کے قبضہ میں رہیں گے ملک اور شہر لیے اور دیے نہیں جاتے، طاقت کے ضلئے قبضے میں لائے جاتے ہیں۔

مسلمانان عالم ہر احترام و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں وہ مقام اور منصب پر منحصر نہیں ہے۔ وہ وہاں شعبہ ترکہ کی اسلامی غیرت اور اسلامی خدمات کی وجہ سے ہے۔ بے شک تمام سچے اور باثبات مسلمان ترکوں کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس لئے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں مجاہد ہیں اور جب تک ہم ایسے رہیں گے مسلمانوں کے یہ جذبات بھی ہماری نسبت قائم رہیں گے۔

آخری مضمون عربی میں یوں ہے:

اجل ان جمیع المسلمین المحققین الابرار محترمون

الاراک الذین بجا صدق فی الاسلام والمسلمین

یہاں اس سے مجھے بحث نہیں کہ جو خیالات اس تقریر میں ظاہر کئے گئے ہیں، صحیح ہیں یا نہیں؟ مقصد یہ ہے کہ رائٹر انجینی نے جو خلاصہ بھیجا تھا وہ کس درجہ محرف اور سخی تھا؟ کہاں صحت پاشا کا یہ بیان کہ مسلمانان عالم کے جذبات ترکوں کی اسلامی خدمات کی وجہ سے ہیں؟ کہ محمد خلیفہ کے منصب کی وجہ سے اور کہاں رائٹر ترکی پر رنگ آمیزی کہ مسلمانان عالم خلافت کی وجہ سے نہیں ترکی حکومت کی طاقت کی وجہ سے اس کی مدد کرتے۔ دونوں کی بہرہ میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔ کیا ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ایک شخص انجینی کی خبروں کی بناء پر آخری مائیں قائم نہ کرتے؟ (۱۱) رجون مسند،

۱۱۔ یہاں مینچ کر سلسلہ تک گما اید میرے علم کی حثک مولانا نے اس موضوع پر ادا کیا نہ کیا۔

امیر ابن سعود اور حرمین شریفین گنبدوں کے انہدام کا حادثہ

شرف حسین کو انگریزوں نے حجاز کا بادشاہ بنایا تھا۔ مسلمان دودھ سوا کے خلاف تھے۔ اول اس لئے کہ اس نے دوران جنگ سلطنت عثمانیہ ترکیا سے غداری کی، جو منصب خلافت کی بھی حامل تھی۔ محض حجاز ہی نہیں بلکہ عرب کے بعض دوسرے حصوں مثلاً شام، فلسطین، عراق میں بھی انگریزوں اور فرامیسوں کے لئے مداخلت، بلکہ تصرف کا دروازہ کھولا۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں سلطان عبدالعزیز آل سعود والی نجد طوقات شریف حسین کی مسلسل فحاشی کا رد اُجھڑ کے باعث میدان جنگ میں اترنے پر مجبور ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنے ایک بیٹے خالد بن لوی کو پیش قدمی کا حکم دیا تھا۔ اچانک طائف فتح ہو گیا اور مکہ معظمہ کا راستہ کھل گیا۔

شرف حسین نے حکومت سے دست برداری اختیار کر لی اور اس کا بیٹا امیر علی شاہ حجاز بنا۔ اس نے اس سلطان عبدالعزیز کے عساکر نے حجاز کے باقی حصے بھی فتح کر لیے۔ آخر امیر علی جبہ کو چھوڑ جانے پر مجبور ہوا۔ البتہ اس انقلاب میں انگریزوں نے عقیدہ اور محاذ کو حجاز سے الگ کر لیا۔ بعد ازاں انھیں اردن میں شامل کر دیا۔

بڑی جرات نے طائف میں نیز مکہ معظمہ میں قبضہ منہدم کر دیا جس پر مسلمانوں میں بڑا شور مچا۔ مضمون مولانا نے اس وقت مرتب فرمایا تھا جب سلطان عبدالعزیز نجد سے حجاز پہنچ کر مکہ معظمہ میں امور نظم کا کفیل بن چکا تھا۔ میر علی جبہ پر قابض تھا۔ جبہ حاجیوں کے اترنے کے لئے عام بندھا رکھا۔ امیر علی نے حاجیوں کو روک دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ حاجیوں کو مکہ معظمہ پہنچیں گے تو اہل مکہ میں بے چینی پیدا ہوگی حاجی ان کے لئے حساس کا دھندلایہ تھے۔ سلطان عبدالعزیز نے فوراً تنقہ، لیت اور مارنے کی ہدایت کی۔ امیر علی کے اترنے کا انتظام کر دیا اور حاجی ہمسفر حجاز گئے اگرچہ ان کی تعداد کسی قدر کم تھی۔

مضمون حجاز کا آخری فیصلہ دہ جانے اور سلطان عبدالعزیز کے ملک الحجاز والی نجد بن جانے کے پیشتر لکھا گیا تھا۔

صفحہ ۱۶۱

پہچان کر دیں کہ اس معصوم کے دو مقصد تھے اول یہ کہ حقیقت خلافت منہ نے جو مسلک اختیار کیا تھا، وہ ہر لحاظ سے درست اور نظر پہ حالات عمومی بہترین تھا، دوم مسلمانوں کو تمام حالات کا محاذ کرنے اور صحیح ماہِ غل پر پہنچنے میں سہولت ہو۔

(۱)

اس خبر کی اشاعت کے کہ مغل کے بعض مقابلہ و مشاہد کے گنبد گرادیے گئے ہیں، لوگوں میں تشویش پریشانی پیدا ہو گئی۔

اس میں شک نہیں خبر کی اہمیت اور خلافت توقع استماع کا یہ قدرتی نتیجہ تھا۔ حرمین شریفین کے ہر حادثہ میں مسلمانوں کے لئے اہمیت ہے اور یہ حادثہ تو ایسے پچہ در پچہ چلاؤ و اثرات سے دست بگریباں ہے کہ اگر تشویش و اضطراب کا باعث نہ ہوتا تو موجب تعجب تھا پس تشویش ہوئی اور اس کا ہونا قدرتی تھا۔ اس پر نہ تو تعجب ہے اور نہ افسوس، البتہ افسوس اس پر ہے کہ مسلمانوں میں فتنہ و فساد اور تفرقہ و انتشار کا ہنگامہ گرم کرنا ضروری نہ تھا، جو پہلی وجہ کے ساتھ گرم کیا گیا اور ایسی صورت حال پیدا کر دی گئی جس سے بجز نقصان و خفا و شامت مخالفین کوئی مفید نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا و بنا لیست باطل قار و دہ کسرت فی الہند

بعض حلقوں کی تقریر و تقریر میں جو خیالات و جذبات ظاہر کئے جارہے ہیں، انکی کج اندیشی و باطل آرائی کا عجیب حال ہو پیشتر سے مختصر مآخذ و رجوع پیش رفت کا رکے منظر تھے۔ اس ہلکتے لطیفہ غیبی

کج اندیشی اور
باطل آرائی

کا کام چلا۔ اب سب یکجا دم آہنگ ہو گئے۔ علم تحقیق کے فقدان اور مافراط و تفریط کے فوق فریقانہ تعصب کی زد کی اور اس اغراض و دجوا کی فتنہ پر دازیوں نے ایک بگاڑ حقیقت آشوب پا کر لیا۔

ایک طرف امیر علی کے کابینٹ میں، دوسروں نے مرکزی خلافت کمیٹی کے عہدہ داروں

کی جو صلح جو یا نہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر بمبئی میں قدم جمائے تھے۔ یہاں ایسے لوگوں کی کمی تھی جو میان مخیر رہے کہیں زیادہ حیثیت کا معاملہ سمجھتے تھے۔ فوراً ایک حلقہ فراہم ہو گیا

دو دو چار چار صدق کے پہچے اخبار کے نام سے نکال دیے گئے۔ جنہ سے بھی حسب ضرورت
 ناموں کی روانگی شروع ہو گئی۔ پہچے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھیجے گئے۔ ان میں اول
 سے لیکر آخر تک نجدیوں کے خلاف وہ تمام کذابیاں اور افتراء و دنیاوی شائخ کی جاتی تھیں
 جنہیں ان کی کذب بانی گراہ سکتی تھیں، انہوں نے مکہ میں قتل عام کر دیا۔ تمام عورتوں کو کینڑ بنا
 لیا۔ ان کی عصمت وری کی۔ ان لوگوں کا دین دوسرا ہے، کلمہ دوسرا ہے، مولدنی (مسلم)
 میں بدل برادر کرتے ہیں۔ آنحضرت و مسلم پہ در دو سمجھنا ان کے نزدیک حرام ہے۔
 یہ تمام شہر لوٹ کر تباہ کر دیئے۔ جو اسلام ترک کر کے ان کا دین قبول نہیں کرتا، اسے بے رنج
 قتل کر دیتے ہیں۔ وغیرہ انک من لاکا ذیبا والا باطیل۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں مرکزی خلافت کھٹی یا اس کے بعض ارکان سے
 ذاتی مخالفتیں تھیں، ان کی فرصت طلبی سبھلایہ موقع کیوں جانے دیتی؟ وہ بھی پوری سرگرمی
 سے شریک کار ہو گئے۔

فرقہ بندیوں کا فتنہ | تیسری طرف جم امت کا مرض مزمن ہے، یعنی نہ ہی فرقہ بندیوں کا فتنہ
 خوابیدہ۔ اسے بھی چیخ چیخ کر بیدار کیا جا رہا ہے۔ عام قاعدہ ہے کہ باہمی خلاف و نزاع
 سے تعصب پیدا ہوتا ہے اور تعصب سے بے شمار جھوٹی باتیں ایک دوسرے کی نسبت پھیل
 جاتی ہیں۔ نجدیوں کی نسبت بھی ایسی بہت سی باتیں شہود تھیں۔ اہل علم و انصاف حقیقت حال کو
 واقف تھے۔ اب وہ سب باتیں دم موائی جا رہی ہیں۔ ان کی اصلی کمزوری اور غلطی تو کوئی بیان
 نہیں کرتا۔ اتہام و افتراء اور سب و شتم پرا تر آئے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اصلی معاملہ پر
 اعتدال کے ساتھ رائے قائم کی جائے، کشمکش کی جا رہی ہے کہ عاتقہ الناس میں کسی نہ
 کسی طرح مذہبی فرقہ بندی کے تعصب کی آگ بھڑک اٹھے۔

عوام کی حالت مصیبت ہر طرح عوام کے لئے ہے۔ وہ عزت مند و جوش کی
 تخلیق میں نہ ان میں مدافع ہے۔ امان و اختیار۔ فردی تاثر و انفعال ان کا خاتمہ حرام ہے۔

جب چاہئے ٹھوٹھی دھوکے لئے برا نیکیز کر دیجئے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ بے ساسی نہ ہو، جذبات
 بوجھان میں لائے جا سکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح رکھ کر فرمایا تھا: ہنک رعلما ابتداء کل ناس۔
 ایک بھڑکے ہوئے چینیے والے کے پیچھے پٹہ نے لگی ہوئی عوام کی ذہنیت کی یہ تعریف جو باب خیرا علم
 کی زبان حق ترجمان پر طاری ہوئی اس سے کہیں زیادہ بلیغ و جامع ہے جو دوسرے سوشل
 کنٹرولرٹ میں کی ہے۔ ایک اندھی مہیتِ اجتماعیہ جو نہیں جانتی اسے کیا کرنا چاہیے
 بلاشبہ یہ حالت افسوسناک ہے، لیکن میری انگلیاں زمانے کی بغض پر ہیں۔ میں مطمئن ہوں
 کہ یہ عائدہ زیادہ دیر تک ٹپکتے والا نہیں۔ اس فتنہ آرائی میں نہ تواضع ہے، نہ سچائی۔
 جھوٹ کا کارخانہ کتنا ہی مضبوط بنایا جائے۔ آخر اسے ٹوٹنا اور نابود ہونا ہے۔ تمام اثبات
 حزنِ حقیقت ہی کے لئے ہیں، وذلک الدار الاخرۃ فجعلہا للذین لا یریدون فی الارض
 علوا ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین لہ

اتباع حق اور اعتدال فکر میں سب سے پہلے مسلمانوں کو اتباع حق اور اعتدال فکر کی دعوت
 دیں گا ہمارا فرض ہے کہ جو مسلک ہم نے اول دن سے ان معاملات میں اختیار کیا ہے، سنجیدگی
 و استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہیں۔ ہم مسلمانانِ ہند کو اشخاص اور جماعتوں سے کوئی
 تعلق نہیں۔ ہمارے پیش نظر صرف مقاصد اور اصول ہیں۔ ہمیں نہ امیر امین سمعو سے کوئی تعلق
 ہے، نہ شریف حسین اور امیر علی سے کوئی ذاتی مخالفت۔ جو کچھ ہے اسلام کے لئے
 ہے، مسلمانوں کے لئے ہے، ہم جس شخص اور جماعت کے کام مقاصد کے موافق پاتے
 ہیں، تائید کرتے ہیں جس کو مخالف دیکھتے ہیں، مخالفت کرتے ہیں۔ اگر ہم حرمین شریفین
 کی حفاظت کے لئے بھی اپنے اندر بطرفِ امانہ اور مخلصانہ روح عمل پیدا نہیں کر سکتے، تو میں

مٹ یہ ہنرت کا گھر ہے اور اسے ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو توڑی میں بڑائی چاہتے ہیں اور
 نہ فساد اور طاقت متغیروں کے لئے ہے۔ (انقصی)

یقین کر لینا چاہیے کہ ہم اسلام کے ہم ترین مقاصد کیلئے کھڑے ہیں کہ کھینچے گئے ہیں اور انکے
 عن الامایان ج۲ ص ۷۷

(۲۱)

مرکزی خلافت کٹھی کا مسلک | قبل اس کے کہ آگے بڑھوں، لوگوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ
 اس باب میں مرکزی خلافت کٹھی اور اس کے تمام ذمہ داروں کا مسلک اول دن
 سے کیا رہا ہے، اس کی ضرورت نہ تھی لیکن مشکل یہ ہے کہ عوام کی ذہنیت میں سب سے
 زیادہ کمزور خانہ حافظہ کا ہے۔ ممکن ہے بہت سی حقیقتوں کی طرح یہ مشہور معلوم بات بھی
 لوگوں کو یاد نہ رہی ہو۔

جنگ عظیم سے جو مصیبتیں اسلامی دنیا پر طاری ہوئیں، ان کا احساس مسلمانان ہند
 کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اداۓ غرض کے لئے آگے بڑھے اور کارکن حلقہ کی بنیاد
 پڑی جو مرکزی خلافت کٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ اس جماعت نے اول دن سے جو مقصد
 ہر مسلک اعلیٰ اختیار کیا وہ حسب ذیل ہے۔

حفاظتِ حریمین اور اتحاد ۱۔ موجودہ وقت کی سب سے بڑی اور سب سے مقدم
 اسلامی ضرورت یہ ہے کہ بلاد عربہ خصوصاً حرمین شریفین کی حفاظت و استقلال کے
 لئے ایک عالم گیر جدوجہد جاری کی جائے۔

۲۔ یہ مقصد عظیم مسلمانوں کے تمام فرقہ اور ہر خیال و مشرب کے لوگوں کے لئے
 یکساں طرہ پر اہم و مطلوب ہے۔ اس لئے چاہئے کہ سب متفق ہو کر کوشش
 کریں اپنے باہمی اختلافات و نزاع فراموش کر دیں۔

۳۔ چونکہ اہل عام اتفاق و جموں نہیں آسکتا۔ جب تک ہم باہمی خلافِ نزاع
 جاری ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس باب میں ایک قاعدہ کا یہ طریقہ
 اساس و اصل کے ٹھہر لیا جائے، جسے انگریزی میں فارمولا کہتے ہیں۔ وہ قاعدہ ہے

کہ اجتماع کو اور ترک ماہ الترمذ یعنی قیام مسلمان وقت کے بڑے اور مشترک مقصد کے لئے متفق ہو جائیں اور جس وقت تک یہ مقصد حاصل نہ ہو ان تمام باتوں سے احتراز کریں، جن میں باہمی خلاف نزع پیدا ہو اور عام اتفاق میں انتشار واقع ہو۔ صدیوں کی حیات مسلمانوں کو کمزور کر رہی ہے، یہی ہے کہ اتحاد و سعی کے وقت باہمی اختلافات چھڑ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کے مشترک مقصد کے لئے متحدہ محاذ قائم نہیں رہتا اور شیرازہ امت بکھر جاتا ہے۔

دوم مقصد ا۔ م۔ دو چیزیں ہیں۔ دونوں کے عمل الگ ہیں اور وقت مختلف۔

ایک امت کی باہر سے حفاظت ہے، ایک اندر کی اصلاح۔ اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ حالت یہ ہو رہی ہے کہ باہر سے دشمنوں کا احاطہ ہے اور اندر کا بھی ہر گوشہ محتاج اصلاح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ مقدمہ بیرونی حفاظت ہے یا اندرونی اصلاح؟ ہر صاحب علم و فہم تسلیم کرے گا کہ مقدمہ حفاظت ہے، ذکر اصلاح۔ پہلے تدابیر امور کے لئے سعی کرنی چاہیے اس کے بعد اصلاح کا دستہ ڈالے گا یعنی گھروں کی حفاظت کیجئے۔ جب حفاظت کی طرف سے اطمینان ہو جائے، پھر اس کی دیکھ بھال کیجئے کہ درپردہ کا کیا حال ہے؟ سیدی ہیں یا بیڑھی؟ خوشنما ہیں یا بھقا؟ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ابھی گھر تو باہر کے حملوں سے محفوظ ہوا نہیں اور دیواریں شرمزح کریں۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ سخت غلطی اور بے دانشی ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا گا کہ اندر حفاظت ہرے گئی جو مقدمہ ہے، اندر اصلاح ہی ہوگی جو مطلوب ہے۔ گزشتہ صدیوں میں کہتے تھے: ہی مصلحین کی کوششیں رائگاں گئیں کہ اس اصل عظیم پر نظر نہ پڑا۔ یہ اصل فی الحقیقت ممکنات شرعیہ اور اسوۂ حسنہ نبوت ہی کو مانو

ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر واضح ہو گا۔

مسئلہ اصلاح ۵۔ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کے معاملے میں جیسا کہ تاہم ہے،

متعدد ملتے جلتے ہیں عوامِ کلیتہً مخالف ہیں اور ایک گروہِ مخالفانہ علومِ ربیبیہ سے آشنا لوگوں کا بوجہ تقلید رسوم و تعلق مامون ان کے ساتھ ہے اہل علم نفسِ اصلاح میں متفق ہیں لیکن تفصیلات میں اختلافِ عقیدہ حامل ہو اند۔
 معاملہ اصلاح کے حقیقی مطالبہ ہیات پر سچ۔ ایک جماعتِ قلیلِ مصلحین کے "قلیل من عبادی الشکور" خود عام اہل علم کی بھی نظر نہیں، حتیٰ کہ بعض کے نزدیک جو کام داخل اصلاح ہو، وہی دوسروں کے لئے داخل افتادہ عام دماغی و عملی حالت امت کی یہ پوری ہے کہ صدیوں سے علوم کتاب و سنت مجبور ہیں۔ خلافتِ صحیحہ منفقو د ہے۔ علم و عمل حق کے قیام و نفاذ کے لئے کوئی مرکز موجود نہیں، جو خلافت و نزاع میں حاکم و سلطان ہو۔ ٹھیک ٹھیک غربتِ ادنیٰ کی طرح غربتِ ثانیہ پیش آگئی ہو۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ اگر کسی ایک جماعت اپنے نقطہ خیال سے اصلاح کا قدم اٹھایا تو تمام دوسری جماعتوں کو اختلاف ہو گا اور معاندانہ تفرقہ و افتار کا فتنہ عظیم میں اس وقت جاگ اٹھے گا جبکہ حفظِ بلاد اور دفعِ اعدا کیلئے عام اتحاد و ہم آہنگی مطلوب ہے۔ پس چاہیے کہ تمام اصحابِ عزم و عمل کی ہمت صرف ایک ہی کام میں مصروف رہے۔ فتحِ اعداء اور حفظ و استقلالِ بلاد۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے گا اور ایک مرکزِ ارشاد قائم ہو جائے گا تو پھر بغیر کسی نزاع و افتار کے خود بخود اصلاح کا باب سدھو کی کل جائے گا۔ اس سے واضح ہو کہ مندرجہ صدرِ سنگِ صرف اس لئے ہی ضروری نہیں ہے کہ بلادِ عربیہ کی حفاظت کا معاملہ پیش ہے۔ بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اصلاح کا قیام و نفاذ بھی بغیر اس طریق عمل کے ممکن نہیں۔

مسلم کی بنیاد | خلافت کچھٹی نے یہ مسلک محض کسی دینی مصلحت اندیشی کی بناء پر اختیار نہیں کیا تھا، اس کی بنیاد علم و یقین کو مضبوط بنیادوں پر تھی۔ اس کے ارکان میں بعض ایسے اصحاب نظر موجود ہیں جنہوں نے گزشتہ پندرہ سال سے مسئلہ اصلاح اسلامی کے غوامض و خفا کو کاہلوں پر موضوع علمی کے مطالعہ کیا ہے، اور علم و بصیرت کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے صحیح مسلک مل چکا ہے۔

چنانچہ اسی مسلک کا نتیجہ ہے کہ اس کی کوششوں نے مسلمانانِ ہند میں متحدہ حرکت پیدا کی۔ ان تمام مذہبی جھگڑوں اور فرقہ بندیوں کی لڑائیوں کا بازار سرد پڑ گیا جو ہمیشہ مسلمانوں کی آبادیوں میں گرم رہا کرتا تھا۔ اس کے کارکن حلقے میں ہر فرقے اور ہر مشرب کے مسلمان یکساں استحقاق کے ساتھ شریک ہونے، سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، وہابی، صوفی، متبع سلف و مقلد خلف سب کے لئے وہ مشترک میدانِ عمل بنی، البتہ اس میں کثرت سنی اور مقلد مسلمانوں کی رہی کہیں کہ ملک میں کثرت کبھی انہی کی ہے۔

(۳)

انہدامِ قباب | ابھی اس بحث میں نہ جاؤ کہ اس بارے میں شرعاً و عقلاً حکم کیا ہے؟ اگر مقابر و شاہ پر عمارات بنانا ممنوع ہے تو جو عمارتیں بن چکی ہیں، انہیں ختم کر دینا چاہیے یا نہیں؟ میں مضبوطی کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں کہ نہیں گرا نا چاہیے، صرف وہاں کے روم غیر مشروع کا ازالہ کافی ہے۔ مردِ مستحرم اس لحاظ سے خود کو دیکھ جہاں تک خلافت کیلئے کے مندرجہ صمد مسلک کا تعلق ہے، عدوت حال کیا ہے؟

یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ گنبد گرانے کا معاملہ اس کے مسلک کے صریح خلاف ہے وہ یقیناً اس سے متفق نہیں ہو سکتی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے مسلک کی صریح نفی ہے اس کے مسلک کی بنیاد اجتماعِ کلمہ پر ہے اور اس عادت کا نتیجہ اختلاف و نزاع ہے۔ وہ تمام مسلمانوں کو ایک مشترک مقصد کی طرف دعوت دیتی اور امن و امان کا پتلا دکھاتا جاتا ہے جو آپس میں

مابہ النزاع ہو گئے ہیں، لیکن یہ معاملہ بالکل اس سے متضاد سمت پر چل کر ایک نفع دہ انگیز سول پیچڑتا اللہ اس طرح مسلمانوں کی توجہ اور دلچسپی میں انتشار پیدا کرتا ہے۔

اصلاح سے پہلے تدبیر | پس اس واقعہ کی ذمہ داری کچھ ہی کیوں نہ ہو قطعی ہے کہ ہم اس متفق نہ تھے، نہ متفق ہو سکتے ہیں۔ امیر ابن سعود ہوں یا کوئی ہوں ہم گواہ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے خاص نقطہ خیال سے مجاز میں کوئی ایسی بات کریں جس سے وقت کے اصل کام کو نقصان پہنچے گا اندیشہ ہو یا تہدید و امیائے امت کا کام غلط طریق عمل کی وجہ سے اور زیادہ دور جا پڑے۔ اگر وہ شرعی نقطہ خیال سے اصلاح کرنی چاہتے ہیں تو سبحان اللہ اس سے بڑھ کر عالم اسلامی کے لئے ضرورہ بات کچھ نہیں کیا ہو سکتا ہے۔ صدیوں سے امت کو جو کام طلب و مقصود و حیدر ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارا اعلان ہوگا کہ اس وقت مجاز اور بلاد عربیہ کو مصلح سے پہلے ایک مدبر کی ضرورت ہے۔ پہلے تدبیر امور کی منزل طے کیجئے، اس کے بعد اصلاح داخلی کا مرحلہ پیش آئے گا۔

مفاسد کی وسعت | ابھی تیس مرحلہ کے آثار و علامات بھی نمودار نہیں ہوئے۔ پھر جب اصلاح کا صحیح وقت آجائے تو ناگزیر ہے کہ اس کے لئے کچھ کوئی خاص طریق عمل اختیار کیا جائے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اور تمام پہلوؤں کو قطع نظر کر کے صرف گنبدوں کے ڈھانے پر آمناں۔ کاش امت کے مفاسد کی علامتیں صرف زمینوں اور آبادیوں ہی میں بنی ہوئیں اور انھیں ڈھانے کا ہم فارغ اہمال ہو جاتے، لیکن انھوں نے تو لوں اور روحوں میں اپنی لہجیاں بھالی ہیں اور جب تک وہ نہیں اجڑتیں۔ اینٹ اور چٹائی کی دیواریں گر کر ہم کیا بنائیں گے؟ یہ صرف ایک جماعت یا کسی محدود آبادی کی اصلاح کا معاملہ نہیں ہے ایک پوری امت کی اصلاح و ترقی ہے جو کہ کوئی افراد سے مرکب ہے اور صدیوں کی مفاسد کے قیامت و قیامت اور کار و بار علم و دعوت کی برہمی نے قلبِ امامیت کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ یہاں نہ صرف ایک ہی گوشے کے علم سے کام چل سکتا ہے۔ نہ صرف ایک ہی پہلو کا انہماک صحیح ہو سکتا ہے۔ وقت

کے منفی کے لئے اتنا کافی ہے کہ جو ازہم جواز اور وجوب و عدم وجوب کے احکام کا عالم ہو، کیونکہ اسے صرف فتوے لکھنا ہے لیکن عہد کے مصلح و مقوم کے لئے، عورت اتنا ہی کام نہیں ہے اسے لکھنا نہیں بلکہ نافذ و قائم کرنا ہے۔ اسے علم احکام سے کہیں زیادہ حکمت اعمال کے بعد اہل اہل سنتوں کا راز محرم باز ہونا چاہیے۔ فذاک من علم النبوة۔

نہرار مکنتہ بدین کار دیار دلدار لیست

کہ نام آں نہ لعب لعل و خطار نگار لیست

گرمشتہ قرون میں کتنی ہی اصلاح طلب ترقی صرف اس لئے حاصل گئیں کہ طریق عمل کی حکمت، ترتیب کار کا قاعدہ، الا قدم فلا قدم کی اصل عظیم اور رعایت احوال و ظروف کی اہمیت نظر انداز کر دی گئی اور یہ افسانہ طوطی طویل ہے:

توفو، حدیث مفصل بخوان ازین محل

صحت تشخیص اور احصائیت رائے | لیکن اب کہ یہ واقعہ وقوع میں آگیا ہے تو کیا کرنا

چاہیے؟ یہ کرنا چاہیے کہ علم و فہم سے عاری ہو جائیں، انصاف و اعتدال کو خیر باد کہوں؟ افراط و تفریط کے سیلاب میں بہنے لگیں، جوش و سجان میں دھست و دشمن اور نفع نقصان کا امتیاز کھو دیں اور علم و بصیرت کی ان تمام روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیں، جو شرع و عقل کی ہمارے سامنے موجود ہیں؟ یا یہ چاہیے کہ علم و اعتدال کے ساتھ صورت حال پر نظر مالیں اور جو کچھ ہوا ہے اس کو اس کی اصلی مقدار اور نوعیت میں تول کر ایک باہوش انسان کی طرح صحیح و معتدل رائے قائم کریں، بہتر تھا کہ یہ معاملہ پیش نہ آتا۔ ہماری خواہش اور کوشش یہی تھی کہ پیش نہ آئے، لیکن پیش آگیا۔ اب اگر ہم اسے مالیں نہیں بھیج سکتے تو کم از کم اپنی عقل و بصیرت کو تو رخصت نہ کر دیں۔

صحیح تشخیص کی ضرورت | ہر حال کی طرح اس معاملہ میں بھی چاہیے کہ صحیح تشخیص کی جائے اور صحیح رائے قائم کی جائے۔ میں دیکھ کر ان کی رائے نہیں دے سکتا، لیکن لوگوں کو

صحیح رائے قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حسب ذیل امور پر یکے بعد دیگرے نظر ڈالیں:

۱۔ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ خلافت کیسی اور اس کے ارکان کا ذریعہ

طرز عمل اس معاملہ میں دول وقت سے کیا رہا ہے؟ انھوں نے اس کے خلاف کوشش کی یا نہیں کی اور اگر کی تو وہ کافی تھی یا نہیں؟

یہ بات اس درجہ واضح اور آشکارا ہے کہ محتاج نظر نہ تھی، لیکن عوام کی ذہنی

کا کچھ عجیب حال ہے۔ ان کے لئے کوئی تشریح و تفصیل بھی غیر ضروری

نہیں۔ حتیٰ کہ جو چیز نظروں کے سامنے موجود ہو، اس کے اثبات کے لئے

بھی ضروری ہے کہ بار بار لوگوں کو بتاتے رہیں کہ پچھلے کچھ سالوں میں جو بد

۲۔ خلافت کیسی اور اس کے ارکان نے اپنے مندرجہ صدر مسلک کی

بنیاد پر امیر ابن سعود سے جو نامہ و پیام کیا اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ وہ اس

مسلک سے متفق ہیں یا مخالف؟ اگر متفق ہیں تو یہ واقعہ کیوں کو وقوع

پیدا آیا اس کی مقدار اور کیفیت کیا ہے؟ آئندہ کے لئے ہمیں ملحق رہنا

چاہیے یا مضطرب؟

۳۔ ہمیں اس معاملہ سے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن بہر حال ہمارا فرض ہے

تعصب و غلو، افراط و تفریط اور بعض دعوؤں سے غلطی الذہن ہو کر معلوم

کریں کہ جن لوگوں نے گنبد گرائے ہیں اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟ اسلام

کی توہین ہے یا اسلام کا اتباع؟ مقابر و شاہد کی بے حرمتی ہے یا ان کی

اصلاح؟ کیا یہ ان کی بربریت و وحشت کا ثبوت ہے یا ایک دینی حکم کی تعمیل

کا مفروضہ جو نہایت کوشش و استقامت دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ مسجد و دونوں

حالات میں منہدم ہوتی ہے۔ دشمن اس لئے مگھاتا ہے کہ اسلام کی عبادت

گاہ کی توہین کرے مگر اس لئے کہ اس کی عبادت کے بغیر نفع

دور کرے۔ پہلی حالت تو یہ بھی جاتی کہ دوسری اصلاح پس منہم کرنا چاہیے کہ یہاں صورت حال کیا ہے؟ کہہ ضروری نہیں ہے کہ ان کا مل آپکا نزدیک سمجھو، لیکن یہ بھی تو ضروری نہیں ہے کہ آپ کے لئے ہر طرح کا غلو و تعصب اور اہتمام وافر جائز ہو جائے؟ زیادہ سے زیادہ الزام جو آپ انہیں دے سکتے ہیں یہی ہے کہ ان کے غل میں غلو و تشدد ہے۔ پھر کیا انصاف ہو گا کہ وہی غلو اور تشدد آپ اپنے اند پیدا کریں؟

۴۔ فی الحقیقت اس مسئلہ میں احکام و دلائل کا کیا حال ہے؟ اور اگر رفع قیاب اور تشدید مہمانی کے خلاف مخصوص موجب و مہل تو بہ حالت موجودہ صحیح و معتدل مسلک کیا ہونا چاہیے۔

۵۔ حجاز کے مستقبل کا مسئلہ۔ اس کی حکمت علیٰ اوداس کا حل۔

(۴م)

مرکزی خلافت کھٹائی کے مساعی | یہ ظاہر معلوم ہے کہ شریف حسین کا مقصدانہ قبضہء حجاز اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک بدترین تاریخی مصیبت تھا۔ حب الوطنی کے نقطہ خیال سے اس کا اعراس ہر عرب کے لئے ایک قویٰ غرض تھا اور شرعی احکام کے دعوہ تمام مسلمانان عالم پر فرض کفایہ تھا۔ تاہم مسلمانان ہند اور خلافت کھٹائی نے امیر ابن سعود سے التجائیں نہیں کیں کہ شریف حسین پر حملہ کر دے اور جب اس نے خود بہ خود حملہ کیا تو شریف کے آگے ہاتھ نہیں جوڑا کہ نامردوں کی طرح بلا مقابلہ ہماگ جائے۔ جو کچھ پیش آیا وہ وہاں کی حالت کا فکری نتیجہ تھا۔ خود شریف حسین ہی کی بد اعمالیاں اس کا باعث ہوئیں۔ زیادہ تر اس کا وہ غلامانہ طرز عمل باعث ہما جو نو سال سے اہل نجد کی خلافت علیٰ میں لار ہا تھا۔ اعلان پرچہ کا بدترہ بندہ کہہ دیا تھا۔ جس کی بندش کے بعد مسلمانوں پر قتال واجب ہو جانا سے البتہ خلافت کھٹائی کا غرض تھا کہ اہل موقع پر اصلاح حال اور حفظ مصالح کے لئے جو کچھ کر سکتی تھی

اس میں کوتاہی نہ کرتی۔ اب فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ اس نے ایسا کیا یا نہیں؟

امیر ابن سعود سے رابطہ و ضبط | ہر انسان حمی کا مقصد اس درجہ تک پہنچنا ہو کہ خالق نے
 ہمارے آقاہ پر جلے تسلیم کرے گا کہ خلافت کمیٹی نے تلخ طائف کی خبر سنتے ہی وہ سب
 کچھ کیا جو مسلمانان ہند یا کوئی ایسی ہی جماعت موجود حالات میں کر سکتی تھی۔ اس نے
 نجد کے حملہ کی خبر سنتے ہی امیر ابن سعود کے نام لے رہے ہیں یا اس کی ابتدا شروع کر دی ہے
 جن میں جنگ خونریزی کے امتناع اور تمام مقامات و مراعات حمادی حفاظت کیلئے صاف
 صاف لفظوں میں ندد دیا گیا تھا۔ اس بارے میں کمیٹی کے دفتر کے امان نے اس قدم
 اتمام و اصرار کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں پر گراں گزری۔ انہوں نے کہا کہ شریف حسین
 کا فتنہ و فساد مسلم ہے اس کا جواز سے اخراج تمام مسلمانوں پر فرض کیا تھا۔ اب اگر
 ایک عرب امیر امانے فرض قومی و اسلامی کے لئے آقاہ ہوا ہے تو اسے دسیان جانتوں
 کا تاجی قتال قرار دینا اور صلح بین الاقوامی کی صدائیں بلند کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟
 تاہم کمیٹی اپنی جی میں سرگرم رہی اور برابر اصرار و تاکید کرتی رہی۔ امیر ابن سعود کی جانب
 سے جو جوابات وصول ہوئے وہ مع کمیٹی کے بیانات کے ہمہ وقت مشہور ہوتے رہے لائی
 کی نسبت امیر موصوف کا جواب تھا، کہ ذمہ داری ان پر نہیں ہے شریف پر ہے۔
 مقدس مقامات کے حفظ و احترام کی نسبت جواب دی تھا جو قدرتی طور پر مسلمان کا ہوتا
 ہے یعنی ان پر احرام طواف ہے گا۔ خلافت کمیٹی نے اس پر بھی تضاوت نہیں کی ایک
 دفعہ بھی اگر ابن سعود سے مل کر مستقبل حجاز پر گفت و شنید کرے اور اپنی نجد کے طرز عمل
 اور قبضہ حجاز کے نتائج کا چشم خود معائنہ کرے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جہاں اس قدر
 حقیقی دسیانہ میں داخل ہوئی وہ ابن سعود کی دیکھی جو بار بار دعوتیں دے رہا اور انتظام کو رہا
 تھا بلکہ امیر غلا اور اس کی صف انداز خود ساختہ حکومت جہاں تھی جس نے دوزخ کو آگے
 بڑھنے کا موقع دینے سے ملنے دیا۔

موسم حج پھر جب حج کا موسم آیا تو امید نہدی کہ مسلمانان ہند کو مکہ جانے کا موقع مل سکے گا لیکن پھر امیر علی تمام عالم اسلام اور مکہ میں حامل ہو گیا اور موسم حج کی قیامیت بھی اس سے ظاہر نہ ہوئی۔ قیامی ظہور اسلام سے قبل عرب جاہلیہ کیا کرتا تھا۔ یعنی لڑائی مٹوری کر دی جایا کرتی تھی اور حاجیوں کے لئے تمام راستے کھل جاتے تھے۔ آج جو لوگ اس شہر و شغب میں پیش پیش ہیں، ابھی اس وقت التوئے حج کی کوشش میں پیش پیش تھے۔ لیکن ابن سعود نے دعوت حج کا اعلان کیا اور قعقہ اور رابع میں نئے انتظامات کیے۔ دوسری طرف خلافت کیٹی نے حکومت ہند کو مجبور کیا کہ کٹھنی کی ذمہ داری پر حاجیوں کو جانے کا موقع دے۔ حاجی امیر علی کی تمام کوششیں ضائع گئیں اور بندر رابع سے حجاج کو منع کیا۔ اس طرح خلافت کیٹی اور جمیعۃ العلماء کو قبضہ اہل نجد کے بعد پہلی مرتبہ موقع ملا کہ اپنے نمائندے وہاں بھیجے۔ یہ نمائندے بطور وفد کے منتخب کر کے نہیں بھیجے گئے تھے۔ جنگی وقت کی وجہ سے اس کا موقع نہ تھا۔ انکی ترسیل سے مقصد یہ تھا کہ حاجیوں کی نگرانی و خدمت کریں اور وہاں کے حالات بھی دیکھ آئیں۔

نمائندوں کے مشاہدات | ان نمائندوں نے وہاں جا کر جہاں امیر ابن سعود کے حسن انتظام و اعدات کے ہر طرف مناظر دیکھے وہاں یہ بات بھی دیکھی اور معلوم کی کہ بعض قبائل نجد نے وہاں کے بعض مقایرہ مشاہد کے گنبد گرا دیے اور بعض کے بعض حصص عمارت منہدم کر دیے۔ انھوں نے اس بات پر پوری سرگرمی کے ساتھ اعتراض کیا اور آئندہ کے لئے اطمینان چاہا کہ ایسے واقعات تلخہ میں نہ آئیں گے۔ امیر موصوف نے پوری کشادگی اور آمادگی کے ساتھ اعتراضات سے حقیقت تھیل واضح کی اور آئندہ کے لئے دھت و حقوق کے ساتھ اطمینان دلایا (نمائندگان مجلس خلافت) اس پر بھی قانع نہ ہوئے۔ سرکاری امداد تحریری اعلان پر نہ دیا۔ اس پر امیر ابن سعود کاہ و مستحکم اعلان اس کے سرکاری گزٹ ام القیام میں شائع ہوا جس کی تھیل مع ترجمہ کے بعد ادا انگریزی اخبارات میں بھی

شائع ہو چکی ہیں۔

یہ تمام واقعات پچھلے چند مہینوں کے عالم آشکارا حقائق ہیں۔

اہل نجد اور شریف حسین اب سوال یہ ہے کہ اس سے زیادہ خلافت کئی کے اختیار میں کیا تھا؟ یا اس سے زیادہ ہندوستان کی کوئی جماعت یا فرد کیا کر سکتا تھا؟ سٹوڈی ویر کے لئے حقیقت حال بالکل منقلب کر دے۔ تسلیم کرو کہ حجاز میں شریف حسین کا وجود اسلام کا شرف تھا۔ امت کی ترقی ترقی، عدل و نظام کی پادشاہت تھی اور ابن سعود اور افواج نجد کا داخلہ فتنہ و فساد کا آثار نہ تھا۔ خود فتنہ و فساد تھا، لیکن اس صورت میں بھی بتلاؤ، مسلمانان ہند اس کو زیادہ کیا کر سکتے تھے، جو خلافت کئی نے کیا؟ جو لوگ آج شد و شغب مچا رہے ہیں، ان کے پاس بھی بجز شد و شغب کے اور کیا دھرا ہے، ان میں کون ہے جو اس کا عشر عشر بھی کر سکے؟ خلافت کئی اس باب میں کر چکی؟ نجدیوں نے تو صرف یہ کیا کہ بعض غیر محقق مقابلہ و مشاہد کے گنبد مہراز کے اعتقاد اور آجدار شرع کے بیان میں گرا دیے۔

یہ زیادہ سے زیادہ احکام شرع کی تعمیل کا غلو ہے یا احوال و ظرف کی عدم رعایت ہے یا طرز عمل کی غلطی ہے، لیکن شریف حسین اور اس کا خاندان تو زور بس تک حرمین شریفین میں کھلے بندوں الحاد و ظلم کرتا رہا۔ اس نے عین حرم کعبہ کے اندر مسلمانوں کا خون بہایا۔ جسکی حرمت، گنبد کی طرح محتاج دلیل نہیں، بلکہ ان ذریعہ مسلم ہے اور جس کی بے احترامی کی رشتہ دانا فرجامی بحث و گفتگو سے ماوراء و بے بس بد و کفر و زندقہ ہے۔ پھر بتلاؤ مسلمانان ہند یا تمام مسلمانان عالم کیا کر سکے؟ وہ اتنا اطمینان بھی حاصل کر سکے جتنا آج اس معاملے کیلئے خلافت کئی نے ابن سعود سے حاصل کر لیا ہے؟ کوئی ایک دفعہ، کوئی ایک اعلان، کوئی ایک احترام بھی تمام دین کے مسلمانوں نے مل کر شریف سے حاصل کیا؟

ایک فیصلہ کن مقابلہ ہر طرح کی غلطی اور غلط فہمی برداشت کی جاسکتی ہے، لیکن جلد و تقصیب کا کیا علاج ہے؟ جن گرفتارانِ جہل نے بھی جو جہاد انصاف کے خلاف قسم کھائی ہو انہیں

کوئی سمجھائے تو یوں کر؟ ہم علم و انصاف سے اپیل کر سکتے ہیں، لیکن علم و انصاف خلق نہیں کر سکتے۔ مہملات میں مجاہدین ہمارا سابقہ شریف حسین سے بھی رہ چکا ہے، اب امیر ابن سود سے بھی وہ پیش ہے جو واقعات پیش آئے اور پیش آرہے ہیں، تمام دنیا پر آشکارا ہیں۔ جوش میں آنے اور لڑھکھڑانے کی کوئی بات نہیں، ٹھنڈے دل سے صرف اتنی بات پر غور کرو کہ جہاں تک ہمارا جوش اور اس کی اثر پذیری کا تعلق ہے۔ ان دونوں زمانوں میں صورت حال کیا رہی ہے۔

شریف حسین | مقابلہ یوں ہو سکتا ہے کہ

۱۔ شریف حسین کے پاس کوئی اس کی قوت نہ بھتی، صرف انگریزی حکومت کی خود غرضانہ اعانت اور آئندہ کے ہر فریب و وعدوں پر جنہیں وہ اپنے جہل و جاہلوت سے معاہدہ سمجھتا ہے، اس کی ساری گویاں تھیں۔

۲۔ مرکز اسلام میں اس کا اتحاد و ظلم وہ فتنہ و فساد اس دربار کا تھا کہ پوری تاریخ اسلام میں یہ حیثیت عجوبی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

۳۔ کابل و سالنگ تک نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ تمام دنیا کے مسلمان اس سے بےزار رہے اور اس کی مخالفت و سرزنش میں ہم آہنگ۔

پہلی بات یہ تھی کہ اس کا جواب شخص کو معلوم ہے اس نے ایک لمحہ کے لئے مسلمانان ہند یا کسی حصہ عالم کے مسلمانوں کا تعلق بھی تسلیم نہیں کیا کہ اپنی خواہش میں اس کے اعمال کے خلاف پیش کریں۔ تمام دنیا کے مسلمان ایک مرتبہ بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ اس ظالمانہ و مستبدانہ اعمال کے خلاف کوئی احتجاج یا اعتراض تسلیم کر لیں یا کوئی وعدہ، کوئی اعتراف کسی کی بھی اطمینان دینا کا احساس حاصل کر سکیں۔ جب کسی اس کے سامنے مسلمانان ہند و مصر کے اعتراف کا ذکر ہوا تو یہ قول اس کے مشیر خاص محمد عبداللہ بن خطیب سابق ایڈیٹر البقرہ کے اس نے جواب دیا: ان باتوں کو سرے مہملات میں داخل دینے کا کیا حق ہے؟

دراصل اس کا تمام تر اچھا دائرہ نری حکومت پر ہے۔ وہ ہمیشہ لندن کو اپنا کتبہ آمال کہا کرتا تھا
مسلمان عالم کی ذرا غلطی پر مانتی، نہ ان کی رائے کو کوئی چیز سمجھتا تھا۔

امیر ابن سعود لیکن برخلاف اس کے امیر عبدالعزیز ابن سعود:

۱۔ عرب کی سب سے نئی مسلح قوت کا ٹکڑا ہے وہ بلا کسی خاص اہتمام کے
میدان جنگ میں ایک لاکھ انسان ایسے لاسکتا ہے جن کی شجاعت اور
بے مگر عرب کے صحراؤں میں غرب الشل ہے اور جو جان دینا کھیل سکتے
ہیں اس نے بزدل شمشیر شریف کو زار پر مجبور کیا اور جاز پر قابض ہو گیا، اسے
اسے باہر کی کسی اعانت کی احتیاج نہیں۔

۲۔ اس نے مرکز اسلام کو ایک ایسے فتنہ سے پاک کیا جس کا انار تمام مسلمانان
عالم پر فرض کفایہ تھا مگر وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔
۳۔ اس کا داخلہ جاز کے لئے امن و انتظام کی بشارت تھا اس نے اپنی حیرت
انگریز قوت تدبیر سیاست سے وہاں کی تمام روایتی بدامینیاں دور کر دیں۔
عرصے کے بعد وہاں حجاب کو امن و عدالت کی صورت نظر آئی۔

یہ ایں ہر مسلمانان ہند کے غلبہ سے جانتے ہیں اند اس کی قوت اور اس کے فرستادہ
شریف خاں کی اس کارروائی پر اعتراض کرتے ہیں کہ بعض متقا بمو مشاہد کے گنبد کرادیے گئے۔
ان مقامات محدثہ کے گرنے کے باب میں اگرچہ اس کے پاس دلائل شرع کا انبار ہے تاہم وہ
مسلمانان ہند کے حق اعتراض کا اعتراف کرتا ہے۔ اعلان عام کرتا ہے اور ہر طرح اطمینان دلاتا
ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ ظہور میں نہ آئے گا۔ اب خدا والی نفاذات کرو دینی حالتوں میں سے
کلن سی حالت قابل اطمینان ہے، کیا فہم و انصاف کا اس قدر قحط ہو گیا کہ اتنی صاف اور
قطعی بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گی؟ فلا فہم لا و انصاف لایا دون لغیرہون حدیث
سے بچان لوگوں کو کیا ہوگی ہے کہ کوئی بات ہر یہ سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں جھکتے (الحمد)

میری اور امیر کی خط و کتابت | یہ تہہ کو کشیش میں ہو گئی نے بحیثیت کٹی کے انجام دیں،
 لیکن سمجھنا میں اس پر بھی قائم نہیں ہوا۔ مرکزی خلافت کٹی کے پیغامات میں بھر دھنا
 مٹی، مباحث و دلائل نہ تھے، نہ جو سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ امیر ابن سعود شریف حسین
 نہیں ہے جو عربی زبان میں چار سطریں بھی صحیح و فصیح نہیں کہہ سکتا تھا وہ علوم و فنیہ خصوصاً
 کتاب و سنت سے باخبر ہے اس لئے جب تک دلائل و وجوہ شرعیہ یہ تفصیل نہ دیکھے جائیں
 گے اس کی نظر میں ہماری خواہشیں قبیح نہ ہوں گی۔ چنانچہ میں نے خط و کتابت شروع کی امد
 نہایت شرح و ربط کے ساتھ وہ تمام مطالب و دلائل ستر پر کے جن سے خلافت کٹی کا منہ بڑ
 بالامسک مانجھ ہے، نیز مسئلہ اصلاح اسلامی کی جو مہمات پیش نظر میں اور جس جزئیات میں
 اہل نجد کا جوش و قابل اصلاح ہے۔ ان سب کے جب ضرورت و وقت تشریح و تفصیل کی۔
 دلائل و مباحث اپنے مقام پر بیان کے جائیں گے۔ یہاں صرف اس قدر ظاہر کرنا مقصود
 ہے کہ مبادی و عقائد کی شرح و تفصیل کے بعد خصوصیت کے ساتھ جن امور پر توجہ دلائی تھی ان
 میں سے دو باتیں حسب ذیل ہیں۔

مصلوٰی کا مسئلہ | ۱۔ نوی صدی ہجری میں فرح بن برقوق چرکی سلطان کے حکم سے
 حرم شریف میں چار غریبوں کے چار مصلے قائم کیے گئے اومان پر الگ الگ جماعتیں ہونے
 لگیں۔ یہ رسم اب تک جاری ہے۔ نہایت فریدی ہے کہ اس رسم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور
 جس طرح سابق رواج چلا آتا ہے۔ چلنے دیا جائے۔ اگر بہ نیت و نفع اوقات و توجہ جماعات
 اس میں تبدیلی کی گئی تو یہ بات بہر پر، جو اس رسم سے مایوس ہو چکے ہیں۔ شاق گزرے گی اور
 ایک بے محل باہمی خلاف و نزاع ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اصلاح جو اس باب میں کی جاسکتی
 ہے یہ ہے کہ متعدد تفریقی جماعت کی وجہ سے بسا اوقات وہاں یہ صورت پیش آ جاتی ہے کہ
 صفی اپنی جماعت کے انتظار میں شافعی جماعت ترک کر دیتے ہیں۔ شافعی اپنی جماعت کے
 انتظار میں صفی جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ اس سے حضور وجود جماعت کے ساتھ ترک جماعت

کافہ پیدا ہو جاتا ہے، جس کے خلاف سخت وعید وارد ہے مثلاً صبح کی نماز کے افضل وقت میں اختلاف ہے۔ شوافع اور اصحاب حدیث غلّس کو ترویج دیتے ہیں، حنفیہ اسعد کو۔ اب وہاں یہ صورت پیش آتی ہے کہ صبح کی نماز شافعی مضطرب بہت تک کے قائم ہو جاتی ہے، حنفی جماعت اس کے بدھوتی ہے۔ جو سختی وہاں موجود ہوتے ہیں وہ قد قامت الصلوٰۃ کی عبادت سننے میں، مگر شریک نہیں ہوتے انہی جماعت کا انتظار کرتے ہیں۔ ایسی ہی صورت دوسرے وقتوں میں شوافع وغیرہم کو پیش آتی ہے۔ پس بلا نزاع اس کی اصلاح ضروری ہے اس طرح کی ہدایت جاری کی جاسکتی ہے کہ جماعت ترک نہ کی جائے جس مکان کو جو جماعت تیار لے اس میں شریک ہو جائے۔ مذاہب فقہیہ کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے اور خود علمائے مذاہب فیصلہ کر چکے ہیں کہ صلوٰۃ خلف مخالف کی بخشش اور کاشتیں نہ صرف بے فائدہ اور ناقابل التفات ہیں، بلکہ انہی مذاہب کی تحریکات و عمل کے بھی مہرچ مخالف ہیں۔

مقابر و مشاہد کا معاملہ ۴۔ حجاز میں یہ کثرت مقابر و مساجد ہیں، جن بزرگوں یا جن صاحبانِ ادد یا دگاردوں کی طرف وہ منسوب ہیں، ان میں سے بعض کی نسبت ثابت و صمیم ہے بعض کی مشتبہ ہے بعض کے بے عمل ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ تاہم شہرت عوام نے انہیں مقبولیت دے دی ہے۔ ان پر اسی طرح عمارتیں بنادی گئی ہیں جس طرح دیگر بلاد اسلامیہ میں بزرگوں کی قبروں اور دیواروں پر بنانے کا رواج پھیل گیا جو نیزہ خدایت ایک زیارت گاہ کے وہاں نہ تمام رسمیں اور طریقے بھی جاری ہیں، جو اور جگہوں میں بھی جاری ہو گئے ہیں نہایت ضروری ہے، ان کی نسبت کمال احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔ ان کی عمارتوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اگر ان مقامات سے یا ان میں سے کسی ایک مقام سے بوجہ عدم صحت انتساب یا عمارت علی القبر یا ان کے طریق استعمال کی عدم مشروعیت و ابتداء کی وجہ سے تعرض کیا گیا تو یہ بات بھی نزاع و خلاف کا ضمیمہ بن جائے گی اور اصل مقصود میں خلل واقع ہو گا۔ یہ وقت نہ تو تاریخی تحقیقات کا نہ عقل و رسوم شانہ کے جواز و عدم جواز کے فیصلے کا۔ پہلا اعلان

کلام یہ ہے کہ سرزمینِ حجاز مغربین کے تسلط اور اغیارِ عاِجاب کے اقتدار سے پاک ہو جائے اور وہاں اسلام کے علمِ کل کا ایک صحیح مرکز قائم ہو سکے۔ معاشرے مفاد مند کسی ایسے مرکز کے قیام پر موقوف ہیں۔ سچی جڑ کی دستگیری سے شروع ہونی چاہیے نہ کہ شاخ اور پتوں کی قطع و بربادی سے۔ آپ اس کام کے لئے کٹھے ہیں اور تمام مسلمانِ عالم اس میں آپ کے ساتھ ہیں۔ پس صرف اسی پر سامی قیود اور بہت مصروف نگہی جائے اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے اجتماعِ کلمہ میں انتشار ہو۔

(۵)

امیر اور علمائے نجد | امیر ابن سعود، مان کے فرزند، بعض اکابرِ علمائے نجد کی جانب سے وقتاً فوقتاً جو جوابات موصول ہوئے ان میں نہ صرف ان مطالب و موصول سو اتفاق ظاہر کیا تھا، بلکہ ایسی تصریحات موجود تھیں جن سے صاف مشعر تھا کہ اجتماعِ کلمہ کی ضرورت، احوالِ ضرورت کی رعایت، مقتضیاتِ وقت کا اعتبار اور تسامح و درگزر کے مسلک کی اہمیت خدمان کے بھی ہمیشہ نظر ہے اور پوری طرح اس پر کار بند ہونے کا عزم کر چکے ہیں۔

ابن سب سے میں حلاطائف کے اس بات پر باعث اور شریف خالد بن لئی کی عجلانہ سرگرمیوں کی مدد اور بھی معلوم ہوئی۔ یہ بات بھی اول اول اپنی خطوط سے معلوم ہوئی کہ طائف کا بھی سقوط اور مکہ، مصلح کا داخلہ بالکل خلاف توقع طبع پر پیش آیا۔ خط میاں ابن سعود بھی اس پر متعجب ہیں۔

اتفاقِ راست کا عملی ثبوت | کیا امیر ابن سعود کے یہ اظہارات محض زبانی اظہارات تھے یا فی الحقیقت اس کا مسلک بھی یہی ہے اور وہ جو کہتا ہے، اسی کے مطابق عمل بھی کرتا ہے؟ اس بات کا یحیم اور اطمینان بخش اندازہ اس واقعہ سے کرنا چاہیے کہ مکہ منکر میں پہنچنے اور وہاں کے انتظامات براہِ راست اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد اس کا طرزِ عمل کیا رہا ہے؟ اور اس باب میں نہ صرف اس کے دوستوں بلکہ دشمنوں کے بیانات، کیا ہیں۔

امیر مومون کے واضحہ کہ پر کافی زائد گزر چکا، لیکن اس وقت تک کسی بشر نے یہ

شکایت نہیں کی کہ حرم شریف کے چار محسولوں اور چار جامعوں کی رسم میں کسی طرح کی تبدیلی کی گئی ہو۔ ان کے اشد شدید مخالفین بھی اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ حج کے موقع پر ہندوستان سے سیکڑوں حاجی گئے اور واپس آئے۔ سب متفق ہیں کہ یہ دستور قدیم ہے رسم باقی و جاری ہے۔ محمد ابن سعود و اہل نجد جنہیں جلی مصطفیٰ پر نذر پڑھتے ہیں۔ باقی اہل خانہ بپا اپنے اپنے محسولوں پر۔ ہر صاحب علم و نظر جو اس مسئلے کی اہمیت سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کو اتفاق کرے گا کہ امیر موصوف نے اس معاملے کو اس کی سابقہ حالت پر چھوڑ کر تسامح اور مصلحت اندیشی کا جو ثبوت دیا ہے وہ اس وجہ واضح اور قطعی ہے کہ اس سے زیادہ ان کی جانب سے وثاقوت نہیں ہو سکتا۔

عہد نبوت اور صحابہ کرام | سب جانتے ہیں کہ اہل نجد طریق سلف کے متبع ہیں، اس لئے دین کی ان تمام نئی چیزوں کو پسند نہیں کھتے جو قرطانیانہ مشہور ہوا یا اخیر یعنی عہد نبوت و صحابہ کرام میں نہیں۔ بعد کچھ عرصے اور پھر چکے۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ حرم شریف میں ابتدا سے تمام مذہبی اور علمی امور ایک ہی مسئلہ تھا اور ایک ہی جماعت ہوتی تھی۔ صدیوں تک یہ وضع رہی۔ شافعی، مالکی و حنبلی کا التزام و تعین ہی نہ تھا جب یہ شروع ہوا تو پھر کبھی جماعتیں الگ الگ نہ ہوئیں۔ ایک ہی امام کے کچھ سب نمازوا کرتے تھے۔ جب ساتویں صدی میں خلافت عربیہ بالکل مٹ گئی اور بنیاد عربیہ کی حکومت بصرہ کے فاسلم غلاموں کے قبضہ میں آئی تو مختلف اسباب سے جن کے ان کا یہ موقع نہیں بنے نئے ڈھنگ اور نئے نئے طرز طریقے نکلے اور پھیلنے لگے۔

قاضی اور مفتی | ان تبدیلیاں ہوتی کہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے خلیفہ ابوبکر نے قاضی اور مفتی کے نام سے جہاں تک متعلق جماعتوں کے تھے ان کی تفویض کی۔ چاروں نے اپنے الگ الگ صفتی اور قاضی قرار پائے الگ الگ عدالتیں بنیں۔ تمام مذہبی عہدوں میں اس کا التزام جاری ہوا۔ حتیٰ کہ دروسوں، تکیوں میں، مسافر قانون میں، غیراتی اوقات و فرائض میں غرض کہ ہر چیز میں اس تفریق نے رواج پایا۔ قاضی بننے والے نے طبقات میں تصریح کی کہ ملک ظاہر بہرہ میں الگ الگ

مذہبوں کے قاضی مقرر کئے اور اس باب میں یہ پہلی بات ہے جو پندرہویں آئی۔ چنانچہ یہی چیز ہے جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھی کہ نویں صدی میں فرق بن برحق چرکسی نے (جو بقول حافظ سخاوی اشرف سلاطین اسلام تھا) حرم شریف میں بھی چار مصلے اور جماعتیں ادا کیں۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ اس عہد میں جو علمائے متفقین ہوئے ان میں سے ایک جماعت کثیرہ اس بات پر ناپسند کیگا اظہار کیا۔ چنانچہ حافظ سخاوی، ابو صالح نقی، محمد بن سالم البصری، محمد سخاوی، شیخ ابراہیم کردی، سید عبدالقادر گوکبانی، علامہ فلاحی صاحب (یغایط الہم، امیر محمد بن اسماعیل یامانی، شیخ محمد حبات مندی، سید محمد رضی بگرانی وزیر میدی شارح احیاء العلوم شیخ محمد فاخر نادر آبادی، قاضی شوکانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مرزا منظر جان جاناں شاہ عبدالعزیز وغیرہم کی معصنات سے ظاہر ہے۔ یہی مشہور ہے کہ اب سے ایک صدی پہلے جب اہل نجد نے حجاز پر قبضہ کیا تھا تو چار جماعتیں بند کر کے صرف ایک کی اور جماعت قرار دی گئی۔

ایضاً عبدادر جنتاع کلیمہ یہ اہل ہمد سب متفق ہیں کہ امیر ابن مسعود نے اس معاملے سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس سے وہ باتیں نقلی طور پر واضح ہو گئیں۔ اول یہ کہ انھوں نے مکہ معظمہ پہنچنے سے پہلے اپنے خطوط میں جو وعدے کئے تھے، انھیں حرف بہ حرف پورا کیا۔ ثانیہ یہ کہ اجتماع کلہ اور ترک ماہ الزراع کی اصل عظیم پر ان کی پوری طرح نظر ہے۔ وہ اس کے تحفظ کے لئے اپنا مسلک و مشرب بھی نظر انداز کر دینے کے لئے طیارہ میں، اگرچہ وہ ان کی بصیرت میں کتنا ہی قوی و اصلح اور اترب الی الصواب ہو۔

اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس قوت و صولت کے ساتھ جو ابن مسعود حاصل ہے، کوئی وجہ ہو کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جوڑے وعدے کرے یا ان کی خوشامد و چالپوسی کے لئے اپنا مسلک غل چھپائے؟ شریف حسین انہی تمام بے مائیگیوں اور تاراجیوں کے ساتھ بھی مجبور نہ ہوا کہ مسلمانان ہند کی ہوا کرے، تو امیر ابن مسعود اپنی فتح مند یوں انکار انیوں کے ساتھ کیوں مجبور ہوا حقیقت مند ہو سکتا ہو؟ حقیقت حالی یہ ہے کہ وہ خود ایک وسیع انھیال اور

خود و احوال کا اندازہ شناس انسان ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے سحر و دقت کا اصلی کام کیا ہے؟ اور اس کے تمام اختلافات و نزاعات سے بچنا کس قدر ضروری ہے وہ نہیں چاہتا کہ دنیا سے اسلام کی رائے عامہ اس کے خلاف ہو یا تسامح و وسیع النظری کی جگہ غلو و تعصب میں مشہور آفات ہو۔ گزشتہ سال جب تمام شیوخ قبائل نے حجاز پر اصرار کیا تھا تو اس نے اپنی تقریر میں کہا تھا: ایک صدی ہو دنیا صرف مسلمانانِ عالم ہماری نسبت طرح طرح کی بے اصل بگنائیوں میں مبتلا ہیں۔ دقت آگیا ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے انھیں بتا دیں کہ ان کی بگمائیاں کس قدر غلط تھیں، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی تلوار کی طاقت سے انھیں بلکہ طرز عمل کی خوبی سے مسلمانانِ عالم کی توجہ حاصل کریں۔

پرچم قیاب کیوں کر ہوا؟ لیکن باوجود اس کے گنبدوں کے گرانے کا واقعہ کیوں ہوا؟ جس طرح حرم شریف کے چار مصلوں کے معاملہ میں دست اندازی نہیں کی گئی، ضروری تھا کہ اس میں بھی نہ ہوتی۔ یہ ٹھیک ہے لیکن واقعات نے بلا کسی پیچیدگی کے واضح کر دیا کہ یہ واقعہ امیر ابن سعود کے حکم و علم سے وقوع میں نہیں آیا۔ یہ قطعی معلوم ہے کہ وہ فتح طائف و داخلہ مکہ کے بہت بعد مکہ پہنچے۔ اگر وہ بروقت معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھتے تو اس نزاع کے چھڑنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

امیر خالد بن لونی | تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شریف حسین کی ناگفتہ بہ برائیاں کی وجہ سے بعض اس کے اہل ترک حجاز پر مجبور ہوئے۔ منجملہ ان کے شریف خالد بن لونی ہے، جو مکہ سے پوشیدہ نکل کر نجد پہنچا اور شریف حسین پر حملہ کرنے کی ابن سعود کو ترغیب دینے لگا۔ شریف حسین کے خلاف اس کا جوش و اضطراب اتنا سخت و تیز تھا کہ جب اس نے امیر کو متاثر پایا تو براہ راست قبائل نجد میں تحریک شروع کر دی۔ ہر حال جب ابن سعود نے دیکھا کہ اب مزید تاخیر قرین مصلحت نہیں تو اس نے چند قبائل خالد کے ساتھ مکہ کے طائف روانہ کر دیے اور اس سے شرط کر لی کہ ہر حال میں صلح و جنگ کا اختیار ابن سعود کے ہاتھ میں

ہوگا۔ شریف حسین نے بے شمار دہریہ اہل تہذیب و دانش کے ساتھ جنگ میں ترکوں سے حاصل کیے تھے پھر بغاوت کر کے انگریزی حکومت کو بھی مال و اسلحہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آٹھ سو سال تک حاجیوں اور حجاز کے مظلوم باشندوں کو بے دریغ لوٹا رہا۔ ان حالات میں قدرتی تھاکہ اس کی طاقت اور سردارانِ جنگ کی نسبت تو قعات پیدا ہوتیں۔ عام خیال تھا کہ دنیا وہ نہیں تو چند مہینوں تک تو مقابلہ کرنے اور پامردی دکھانے کی استعداد ضرور رکھتا ہے۔ خود امیر ابن سعود اور اہل نجد کو اس کا بیم و گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ بعض قبائل نجد کو نوکریاں خالد کی سرکردگی میں بطور متعدد الجیش بھیج دی گئی ہیں، یہ پہنچتے ہی میدان سر کر لیں گی اور بلا کسی مقابلہ اور دعوہ خود کے نہ صرف طائف بلکہ حجاز فتح ہو جائے گا خیال بھی تھا کہ خالد کی ہمہ جنگ شروع کر دے گی۔ مقابلہ دھماکہ ماری رہے گا۔ اسی اثنا میں ممکن ہے اس دباؤ سے عاجز آ کر شریف حسین آمانہ صلح ہو جائے اور آئندہ کے لئے اپنی بد اعمالیوں سے باز آ جائے یا آگے چل کر کوئی فیصلہ کن معرکہ سر کرنا پڑے۔

شریف حسین اور امیر علی ترتیب یہ اختیار کی گئی تھی کہ ایک ماہ کے بعد دوسری فوج روانہ کی جائے گی۔ اس کے بعد خود ابن سعود حرکت کریں گے لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا نجدیوں کے حملہ کی خبر ہی نے نو سال کے تخت غرور طغیان کا آخری فیصلہ کر دیا۔ مذاققت و بال اعتباراً عاتقہ امر با خسر امیر علی بغیر اس کے کہ ایک دن بھی حلاوت نہ مل کا مقابلہ کرے دیواندار ملک کی طرف بھاگا۔ ادھر شریف حسین نے اپنی گیناں سنبھال کر شروع کر دیں۔ خالد بن لؤی بغیر کسی مقاومت کے طائف میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد مکہ تک کی راہ بالکل صاف اور بے رکاوٹ تھی۔

اس غیر متوقع اور اچانک صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبل اس کے ابن سعود کو سقوط طائف و مکہ کی خبر ہی پہنچے، خالد بن لؤی کہیں داخل ہو گیا اور اگر عیسٰی بالافغان کہہ دیتے اپنے کام کی سزا بھی اسی کا انجام گناہ و جوارِ اطمینان،

کا داخلہ کامل امن و نظم کا داخلہ تھا تاہم بعض متعابر و مشاہد کی عمارتوں کے لئے، شہیں نظر مصافحہ
برہمے کار نہ آسکے اور شریف خالہ کی سرکردگی میں قبائل نجد نے ان کے گنبد گرا دیے۔
یہ ہے مختصر اہل حقیقت۔ ہمارے غائبہ سے حج کے موقع پر گئے، خود امیر
سے ملے، ان کے ایمان حکومت خصوصاً گدز کیسے ملے۔ وہاں موافق و مخالف اہالی سے
طاقتیں کہیں یہ ملک مقابر و مشاہد کے معاملہ میں اہل نجد کے ہم مشرب نہیں ہیں، انکے مخالف
ہیں تاہم وہ فخرات اپنے ساتھ لائے ان کو بھی یہ بات صاف صاف واضح ہوتی ہے کہ اگر
یہ غیر متوقع ادا چانک صحت حال پیش نہ آجاتی اور امیر ابن سعود کو موقع پر موجود ہونے کا وقت
ملاقات ضرور اس طرح کے واقعات کی روک تھام کر دی جاتی۔

موجودہ حالات | وہاں کے حالات کو دنیا کے موجودہ حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

حجاز اور نجد کا فاصلہ اگرچہ کوئی بہت بڑا فاصلہ نہیں، لیکن تار اور ریل کے نہ ہونے کی وجہ سے
وہ ناقہ سوار کے چم پرچہ نہیں معلوم، سقوط طائف کی خبر کتنے سفوتوں کے بعد ریاض پہنچی ہوگی
انشاء عہد میں یہاں شریف مکہ میں داخل بھی ہو گیا اور تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لئے۔
اس سلسلہ میں کبھی پیشین نظر رہے کہ موافق و مخالف دونوں ذرائع سے جو معلومات
حاصل ہوئی ہیں۔ ان سے متحقق ہو گیا ہے کہ:

۱۔ امیر ابن سعود نے حجاز پہنچے ہی شریف خالہ کی غلطیاں محسوس کیں اور بہ لطائف الحیل
اسے تراز باہر بیج دیا۔

۲۔ جو قبائل شریف خالہ کے ہمراہ حجاز آئے تھے انھیں بھی حج کے بعد ہی نجد روانہ
کر دیا اور دوسری جماعتیں وہاں طلب کیں۔

۳۔ قطیف سے کہ جس وقت امیر حجاز پہنچ گئے ہیں۔ ایک تا تو بھی اس قسم کا نہیں ہونے
پایا، حالانکہ خود مکہ معظمہ میں بعض مشاہد کی عمارتیں سابق حالت پر موجود ہیں اور اطراف میں بھی
متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں یہ موصوف کے زیرِ انتہاء رکھے ہیں، انکی تفصیل آگے آئے گی۔

مقابر و آثار پر عمارات

اتباع سنت اور جوشِ لشبہ

یہ طویل مضمون بھی مولانا کا ہے، اگرچہ ان کے نام کو نہیں بلکہ وہ سب نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کا ہے جب اہل نبد حجاز پر قابض ہوئے تھے اور انہوں نے طائف نیز مکہ معظمہ میں مختلف مقابر و آثار کی عمارتیں بنہدم کرادی تھیں۔ اس پر پاک و ہند کے مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ اس اہتمام پر سخت رنجیدہ تھا اور اس نے اہل نجد کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ جو کچھ ہوا، وہ عین مطابق کتاب و سنت تھا اور اس سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے طبقوں کے علاوہ فرنگی محل سے بھی چند مضامین گروہ اول کی حمایت میں شائع ہوئے تھے، بلکہ زیادہ تر انہیں مضامین کو حاجی امین پیش کیا جاتا تھا۔ مولانا نے انہیں مضامین پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے شریعت کے بعض اہم اصول و رہنمائی اور متعلقات واضح فرمائے تھے۔ میرے محدود علم کے مطابق ان مباحث کی کوئی مثال اُردو یا کسی دوسری زبان میں موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے نظر انداز کرنا گوارا نہ ہوا، اگرچہ اس کے بعض حصوں کے اسلوب خطاب میں مولانا کے عام اسلوب سے پوری مطابقت نہ تھی۔ میں نے بعض فقرہوں یا الفاظ کو حذف کیے کہ ان کی جگہ نقطہ لگا دیا ہے۔ جن سے اصل مطالب پر کوئی اثر نہیں پڑا اور مقصود وہ کہہ دیں کہ اگرچہ مشہور کا تحفظ نہ تھا۔ صرف اصولی و بنیادی مباحث کو محفوظ کر دینا منظور تھا، جن کی اہمیت کسی تہذیب کی تحفظ نہیں۔

ایک تحریر مولوی عنایت اللہ صاحب پرنسپل مدرسہ نظامیہ فزنگی محلہ کھنولی اخبار بمبئی میں بعنوان آثار متبرکہ کی شرعی حیثیت شائع ہوئی تھی۔ یہ دراصل اس تحریر کے جواب میں لکھی گئی تھی جو اس موضوع پر خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی نے لکھی تھی اور ہمدرد دہلی میں شائع ہوئی تھی۔ آخر الذکر تحریر میری نظر میں نہیں گزری اس لئے اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن متعابد آثار پر عمارات بنائے، گنبد بلند کرنے اور انھیں ایک اسلامی زیارت گاہ کی حیثیت دینے کے جواز و مشروعیّت میں جو دلائل پرنسپل صاحب نے بیان کیے ہیں وہ نہ صرف کمزور اور ناقابل اعتقاد ہیں، بلکہ اس وجہ سے بے بنیاد، بے اصل اور ناہمی دیکھ اندیشی پر مبنی ہیں کہ کسی اہل علم سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ علاوہ بریں تحریر اول سے آخر تک طرح طرح کی علمی، فقہی، تاریخی اور اصول و قواعد علوم کی فاش غلطیوں کا مجموعہ ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ پرنسپل صاحب اس کوچے سے نابلد ہیں اور یہ منجملہ وقت کی آفتوں کے ہے کہ ایسے حضرات مسائل دینیہ پر بے دھڑک قلم اٹھائیں۔

فزنگی محل کی تحریرات

اہل علم کے لئے یہ تحریر ناقابل اتفات تھی۔ اس طرح کی بے شمار تحریریں آج کل اخبارات میں نکلتی رہتی ہیں لیکن اہل علم صرف انہی حضرات کو مخاطب کر سکتے ہیں، جنہوں نے اصول و قواعد مقررہ علوم کے مطابق قلم اٹھایا ہو اور کم از کم ان کی تحریر کو یہ پتا چلتا ہو کہ اس وادی کے ہم دماغ و نا آشنا نہیں ہیں۔

..... بینہیں کہ جس تحریر میں عربی کی چند ترکیبیں یا چند کتابوں کی عبارتیں کسی نہ کسی طرح جمع کر دی گئی ہوں ان کے رد جواب میں وقت ضائع کیا جائے۔ مگر ایسا کیا جائے تو علم و قواعد پر کڑا اٹھ جائے اور علم و ادعا کے عام میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔

ن کے بعد ایک تحریر عوہ باب مولانا عبدالباری صاحب فرنگی کی اخبارت میں
 بہ حوالہ "مہرودہ" شائع ہوئی۔ یہ دراصل ایک خط ہے جو مولانا عمر علی صاحب کے نام لکھا گیا ہے
 اس میں مولانا عبدالباری صاحب جاہ جابر پیل صاحب کے معفون پر توجہ دلاتے ہیں اور
 اس طرح حوالہ دیتے ہیں گویا اس باب میں استدلال اثبات کی انتہا اور علم و تحقیق کا کمال ہے۔
 اس سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ پرنسپل صاحب کا معفون اگرچہ ان کے قلم سے مرتب ہوا لیکن
 دراصل وہ خود مولانا عبدالباری صاحب کے دلائل و مباحث کا خلاصہ ہے۔

اصل مقصد

یہ تحریر بھی اہل علم کی نظر سے گزری، لیکن چونکہ خیر سے اس کے علاوہ خصائص بھی
 پرنسپل صاحب کے معفون کی کسی طرح کم نہ تھے بلکہ یہ اعتبار تقاضا فعل مداح ایک مدوحہ
 اور نیاہ تھے اس لئے رد و جواب کی طرف طبیعت مائل نہ ہوئی۔

لیکن اب کچھ نئے کے بعض احباب کے خطوط سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد زح کے بعض
 متقدرن یہ دلائل تحریریں جاہ جابر کھاتے اور سناتے پھرتے ہیں اور عوام کو یقین دلاتے
 ہیں کہ ان کے دلائل دیراہین کا جواب ممکن نہیں اور ان میں علت علی القیور دلائل کا نہ صرف
 حجاز بلکہ استخوان ثابت کر دیا گیا ہے۔ اس حالت کے استماع سے خیال ہوا کہ اگر ان خیر یہ دن
 کی حقیقت حال سے لوگوں کو واقف نہ کر دیا گیا تو ممکن ہو جائے کہ وہ شیوع ہوں و فقہانہ امتیاز
 غلط نہیں ہیں مبتلا ہر جائیں اور غرض کی چند ہمار تیں اور کتابوں کے نام اہ جاہ جابر ثابت و منطی
 دعوں کی تنکرا و نعد و شہد و سچ کر خیال کر لیں کہ سچ ہے کہ دلائل و براہین شرعیہ پیش
 کر دیئے گئے اس لئے بادل غما مستطرد و مل جہاں قلم کرنا پڑے۔

حافظ ابن کثیر و علامہ آلوسی

خواجہ عبدالحی صاحب فائدتی نے ایک آیت کریمہ کی نسبت حافظ علاء الدین ابن کثیر اور علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کے اقوال نقل کیے تھے۔ مدرسہ فرنگی محل کے پرنسپل صاحب کوچہ نکرہ دیگر علوم کی طرح ماشاء اللہ تاریخ و جال میں بھی کافی دسترس پر اس نے لکھتے ہیں "حافظ ابن کثیر ایک غیر مشہور حبلی عالم ہیں اور کون نہیں جانتا کہ آلوسی اور نواب صدیقی حسن استفادہ ہم خیال تھے کہ آلوسی کی تفسیر نواب صاحب ہی نے طبع کرائی۔ آلوسی کی عبادتوں سے احتجاج ایسا ہی ہے کہ خود ابن عبدالباق کے اقوال سے احتجاج کیا جائے۔

ان دونوں راویوں کے اظہار میں مقصود یہ ہے کہنا۔ اتفاق خیال کریں، ابن کثیر ایک غیر مشہور حبلی ہیں اور علامہ آلوسی نواب صدیقی حسن خان مرحوم کے ہم خیال ہیں اس لئے نواب صاحب کی طرح وہابی ہیں پس پہلا یہ وجہ عدم شہرت و حبلیت ناقابل اعتبار اور دوسرا یہ وجہ ہم خیالی صدیقی حسن خان مرحوم و ہابیت گروں ذہنی، اسلئے ایسے لوگوں کے اقوال ملے پرنسپل صاحب کے اصل الفاظ یہ تھے: ابن کثیر اور اہل کے علامہ آلوسی کی عبادتیں قرآن کا مقابلہ کہنے کیلئے کافی نہیں ہو سکتیں اور بقول مولانا محمد علی کے قرآن کا مقابلہ حدیث متواتر بھی نہیں کر سکتی چہ جائیکہ مفسرین کی عبادتیں۔ ایک غیر مشہور حبلی کے اقوال غلام عبدالحی نے لکھا تھا کہ قرآن پاک میں تہوں کے احکام اور وہ نہیں ہیں لیکہ آیت کو ہمارے کلاماً لکھنا ہے وہ بقول ابن کثیر و آلوسی فرق احتجاج نہیں۔ یاد شاہ خواجہ صاحب کی سی تحریر کے متعلق ہمارے علاوہ اور کسی عبادتوں کو احتجاج ایسا ہے کہ وہ ابن عبدالباق کے اقوال کو احتجاج کیا جائے کہ نہیں جانتا کہ آلوسی اور نواب صدیقی حسن خان اس قدم خیال کو کہ آلوسی کی تفسیر نواب صاحب مرحوم نے طبع کرائی۔ آلوسی زادہ نواب صاحب مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے متعلق یہاں تک ان کے اقوال سے استناد بلا کسی دلیل کے کیسے لائق اعتبار ہو سکتا ہے۔

کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے ۔

لیکن پرنسپل صاحب جیسے مدعیانِ علم کی بدقسمتی یا بدقسمتی کا وہی علم و نظر نہ دستانِ نامزد نہیں ہو گیا ہے۔ حقیقت حال یہ کہ حافظ علاء الدین ابن کثیر بجز فرنگی محل اور اس کے دوست تقاضیہ کے اور تمام حلقہ ہائے علم و غیر میں شہرہ معروف ہیں اور آٹھویں صدی ہجری کے اعظم رجالِ علم و تصنیف میں شمار کیے گئے ہیں۔ تاریخ درجال کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ وہ امامِ دینی، عالمِ ابنِ دین، العیدِ غیر ہم کے طبقہ کے مشہور اور مسلم امام ہیں۔ علاوہ بریں انھیں جنسِ قزاق ویا ظلماتِ بعضیہ فوق بعض ہے۔ وہ جنسِ نبی بلکہ شافعی ہیں۔ حافظ ابو الجراح نرزی صاحب تہذیب کلام اگر پرنسپل صاحب نے ساموئیل ان کے دلائل اور شاگرد تھے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شائع بخاری کے استادوں میں سے ہیں۔ جن کی عبارت سے خود پرنسپل صاحب نے استناد کیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے انکا ترجمہ اپنے مجمعِ شیوخ میں بھی لکھا ہے اور ”درکامنه“ میں بھی درج کیا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یہ وقت کے شیخ اور علم و تصنیف کے استاد تھے ان کی تاریخ، البدایہ والنہایہ کی تمام ائمہ معاصرین نے تعریف کی ہے اور ان کی تغیر سے بہتر کوئی تغیر لحدیث متاخرین نے بھی نہ کی ان کی ایک کتاب اصولِ حدیث میں الباش ہے۔ حافظ موصوف نے اس کی سند ان سے لی ہے اور لکھتے ہیں یہ حافظ ابن صلاح کے مقدمہ سے زیادہ جامع و نافع ہے۔ یہ تمام ذات وائے فن نے اس کی توثیق کی ہے ”درکامنه“ کا ایک نسخہ مولانا ماحرین صاحب مجتہد مکتبہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اگر وہی علم و نظر تک رسائی ممکن ہو تو پرنسپل صاحب مطالعہ کر لیں۔ اگر ایسے امام تفسیر و حدیث کو بھی پیشرف حاصل ہو سکا کہ فرنگی محل کے علماء اس کی شہرت علم سے باخبر ہوں تو میں امید کرتا ہوں یہ اس کی بدقسمتی نہیں ہے۔

ضلیت اور ولایت

یہ تو پرنسپل صاحب کی تاریخی ماقنیت کا حال ہے۔ اب اس پر غور

کرنا چاہیے کہ ابن کثیر کی غیر معروفیت کے ساتھ حنبلیت پر کیوں نہ دیا گیا ہے؟ کیا ان کے نزدیک جہول الحال ہونے کی طرح حنبلی ہونا بھی کوئی جرم اور وجہ تضعیف ہے؟ حضرت فرنگی محل سے امام اہل سنت امام احمد بن حنبل اذان کے ہزار ہا متبعین ائمہ کی نسبت سوال کیا تو بے کار ہوگا، لیکن یہ پوچھنا چاہیے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یعنی پیرانِ حنبلیہ کی نسبت کیا ارشاد ہوا؟ وہ تو صرف حنبلی ہی نہ تھے، بلکہ میانِ تک حنبلیت کے جماعی مجموعہ کہ جب ان کو سوال کیا گیا کہ ہل کان ولی اللہ علی غیر اعتقاد احمد بن حنبل؟ کیا کوئی شخص اسلام میں ولی اللہ ہو سچو امام احمد بن حنبل کا پیرو نہ ہو؟ تو آپ نے جواب دیا یہ ماکان ظالمین نہ تو ہوا ہے، نہ کہیدہ ہوگا (کاہ احمد ابن رجب فی الطبقات) اس سے معلوم ہوا کہ حنبلی ہونا نہ صرف اچھی بات ہے بلکہ بہ قول حضرت پیرانِ حنبلیہ کوئی شخص ولی اللہ ہو نہیں سکتا جب تک وہ حنبلی الاعتقاد نہ ہو۔ اب اگر حنبلی ہونا... وجہ تضعیف ہے تو لازم آیا کہ پیرانِ حنبلیہ لائقِ استناد و اعتماد نہیں، لیکن اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو... ساری پریریت اور قادریت کا حقائقہ ہو جاتا ہے۔

دوش از مسجد سونے میخانہ آمد پیرما

چیت یارانِ طریقت بعد ازین تدبیر ما

شیخ آلوئی اور نواب صدیق حسن

اب ایک دوسری تاریخی تحقیق ملاحظہ ہو: علامہ آلوئی کی نسبت ارشاد ہوا کہ ان کا قول قابلِ اعتماد نہیں، اس لئے کہ نواب صدیق حسن خان کے ہم خیال تھے۔ دلیل یہ ہے کہ نواب صاحبِ مرحوم نے ان کی تفسیر چھپوائی تھی۔ میں حیران ہوں پہلے دعوئے کا بطلان ظاہر کروں یا دلیل کا؟ پرنسپل صاحب نے تو عہد کر لیا ہے کہ جو بات کہیں گے جی تلی ہوئی غلط ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شہاب الدین محمود آلوئی عراق کے حقّی اور اپنے عہد کے مسلم الشیعت استاد تھے۔ فقہ میں ان کا مسلک حنفی تھا۔ تصوف میں نقشبندی خلائی المشرّب

تھے۔ عالمہ کی طرف سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اطلاع میں سے تھے اور والدہ کی طرف سے حسینی سید تھے۔ بندہ کے خاندان نقیب الاشراف یعنی سجادہ نشین مسند قادریہ کے کابران کے شاگرد ہیں، سلطان عبدالحمید خاں نے انھیں قسطنطنیہ طلب کیا اور فطرت و نشان سے سرفراز کیا اس کی سوانح عمری حدیقۃ الوردیہ مدائح شہاب الدین محمودؒ بندہ میں چھپ چکی ہے اور اگر کسی اہل علم کی شہرت و استناد کیلئے اہل فرائض محکم کی واقفیت شرط نہ ہو تو اہل علم و نظر کے مطالعہ میں آچکی ہو۔

عجیب غریب استدلال

یہ بیان چند باتیں قابل ملاحظہ ہیں۔

افلا اگر ایسا اہل علم و قبول بھی وہابی ہو سکتا؟ تو کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ وہابی ہونا چنداں برائی اور عیب کی بات نہیں۔ تمام بلاد عراق کا سرکاری مفتی، دولت عثمانیہ کا مقبول و محمد، خاندان نقیب الاشراف قادری و جیلانی کا املا و ذہن وقت کا علم الفوت شیخ بھی وہابی ہو سکتا ہے۔ اگر وہابیت اسی کو کہتے ہیں تو نقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "فلیشہد الشطان انی رافضی"۔

ثانیاً ان کی تفسیر کی تضعیف کے لئے اس بات سے استدلال کہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے چھپوائی تھی، باب جرح و تعدیل میں ایک نئے قاعدہ کا اضافہ ہے لہذا جسٹس مرحوم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری اور امام دارمی کی کتاب السنن بھی اپنے معنی و اتہام سے چھپوائی تھی پھر کیا اس سے فتح الباری اور کتاب السنن کجا مصنف بھی وہابی ہو گیا اور اس لئے ان کا حوالہ بھی قابل التفات نہیں؟ "قیائدہ دیا للعقول"!

اصل واقعہ

مثلاً سب سے زیادہ قابل تملک لطیف یہ کہ سرسٹو کی یہ واقعہ ہی غلط ہے۔

دہن کا ذکر کیا ہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے
 چلے دستہ لال کے مہاے میں غلات بعضہا فوق بعض کی شاید ہی اس سے کوئی بہتر
 مثال ہو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے یہ بات پر نسل صاحب اور مولانا صاحب کے
 کان میں چڑ گئی ہے کہ اسی زبہ نے یعنی علامہ آوسی کے بیٹے نے غلاب صاحب سند
 حدیث کی تھی اور غلاب صاحب نے ان کے کہنے سے کوئی کتاب مصر میں چھپوا دی تھی۔ بس جھوٹ
 دعویٰ کر دیا کہ وہ ان کے والد کی تفسیر ہی تھی۔ اس شیوہ تحقیق و شان علم سے یہ بات بھی بعید
 نہیں کہ اسی اور آوسی زادہ کو ایک ہی شخص سمجھالیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ علامہ آوسی مصنف
 تفسیر کے لڑکے علامہ شیخ نعمان آوسی زادہ شیخ العراق تھے جنہوں نے تین سال ہوئے
 بغداد میں انتقال کیا۔ انہوں نے غلاب صاحب مرحوم سے خط و کتابت کی کئی اور سلسلہ
 قاضی شوکانی و شاہ علی اللہ کی سند حدیث کی تھی۔ انہیں کی ایک تصنیف "علاء العینین"
 نامی کتاب ہے جو غلاب صاحب کے مصارف و مصریں چھپی تھی، لیکن تفسیر روح المعانی
 کی طباعت غلاب صاحب کو مطلق کوئی تعلق نہیں۔ ان کی اور غلاب صاحب مرحوم کی خط و
 کتابت سے پہلے تفسیر چھپی تھی اور غلاب صاحب کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ علامہ آوسی
 نے کوئی تفسیر لکھی ہو۔ چنانچہ علماء العینین کے دیباچہ میں یہ پروری خط و کتابت
 درج ہے شیخ نعمان اپنے سب سے پہلے خط میں لکھتے ہیں "سال گزشتہ میں حج کے
 بعد مصر آیا تاکہ اپنے والد کی تفسیر چھپاؤں، وہاں آپ کی تفسیر نظر کر گزری اور اس کو آپ کی
 دیگر مصنفات کیلئے اشتیاق پیدا ہوا لہذا اس سے واضح ہوا کہ قبل از خط و کتابت
 طباعت تفسیر کا اتنا اکر چکے تھے۔

تفسیر کس نے چھپوائی؟

راجا۔۔۔۔۔ حقیق کا معاملہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا۔
 ماجرا باستہ، پاں چشم خوں سا درما

ایک اور طیندگی قابل بیان ہے علامہ اوسی کی تفسیر کی انھوں نے اس بناء پر
تصنیف کی ہے کہ ایک دہائی یعنی نواب صدیق حسن خان مرحوم نے یہ جو ہم خیالی چھپوائی
تھی پھر معلوم ہو گیا کہ اس کی طاعت کو اس مرحوم دہائی کا کوئی تعلق نہیں۔ اب معلوم کرنا چاہیے
کہ فی الحقیقت کس شخص نے اسے چھپوایا؟ جس نے چھپوایا ہوگا بقاعدہ موسسہ فرنگی محل
سلبھا اللہ تعالیٰ اس کی ہم خیالی ثابت ہو جائے گی۔ سو واقعہ یہ کہ یہ تفسیر نواب صاحب
جیسے دہائیوں نے نہیں چھپوائی تھی، بلکہ بغداد کے سجادہ قادریہ کے سجادہ شہین حضرت
نقیب الاشراف کی معانت سے مصر میں چھپی تھی، جیسا کہ محمد شیخ نعمان مرحوم کی تحریر کو
وضع ہوتا ہے۔ خیال ہا من مصیبتہ۔

یہ بعد از انفصال اب ادنی جھگڑا نکل آیا !

خلدان بیلا نیہ قادیہ بغداد کے اکابر تو یقیناً مولانا عبدالباری کے نزدیک ہابیت
کے جرم لا ینفر سے تہ امتناع نہیں ہو سکتے۔ حضرت سجادہ شہین بغداد اور ان کے اکابر کا
تمام توبہ بت بلند ہے۔ ان کے ایک عزیز پیر ابراہیم ندیب بغدادی بھی ہیں موجود ہیں
جو، گئے آستانہ فیض پر ہمیشہ مولانا صاحب (دہ قول ان کے) اپنا دودن زین کرنے
کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں اور بار بار ان کی کف پاؤں محمدی سے ملتے ہیں مگر جوش
عقیدت کا یہ حال ہے کہ سیری نہیں ہوتی۔

نجاک بات کہ آں ہم مغان ہے ادنی صفت !

اب سوال یہ ہے کہ تفسیر روح المعانی "کو جن حضرات نے یہ دہ ہم خیالی چھپوائی
ہمچا ایہے ان کا تعلق موجب استہداد و تبعید بل ہے یا موجب تطہیف و جرح؟ نیز پرنسپل
صاحب ہادو عنایت کی فرمائیں کہ ان کے اقوال سے اجتناب اور ابن عبدالہاب بخاری
کے اقوال سے احتیاج میں کوئی فرق ہے یا نہیں ؟

المدونۃ الکبریٰ اور امام مالکؒ

تمام عبدالحی صاحب نے المدونۃ الکبریٰ سے ایک عبارت نقل کی اور اسے حضرت امام مالکؒ کی تصنیف ظاہر کیا تھا۔ پرنسپل صاحب نے چونکہ امام مالکؒ کی تصنیف صرف ”موطا“ ہی سنی تھی اور ”مدنہ“ مطبوعہ کے روح یا دیباچے میں عبدالرحمن بن قاسم کا نام دیکھا تھا۔ اس لئے اپنے خیال میں بہت خوش ہوئے کہ حریف پر دلیل پر دار کرنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ نہایت سنجیدگی سے لکھتے ہیں۔

ہم کو حیرت ہے کہ المدونۃ الکبریٰ کن امام مالکؒ کی تصنیف ہے؟
آج تک تمام مالکؒ کی تصانیف میں مولانے ”موطا“ کے اور کسی کا پتا نہیں ملا تھا، شکر ہے مولانا کے ذہنیے ایک اور تصنیف معلوم ہو گئی۔“

میں بھی اس عمدہ جملے سے متفق ہو سکتا ہوں کہ امام مالکؒ کی تصانیف میں سے بحیرہ موٹلے اور کسی کا پتا نہیں ملا۔ بشرطیکہ اندازہ عنایت اس میں دو لفظ اندر بڑھا دیے جائیں کہ دوسرے نظائر فرنگی محل میں ”کیونکہ حافظ ابن کثیر کی شہرت و عدم شہرت کے معلوم کی طرح غالباً امام مالکؒ کی تصنیف و عدم تصنیف ”مدنہ“ کا معاملہ بھی اسی اصل عظیم پر یقین ہے کہ پرنسپل صاحب کو بھی اس کی خبر ہے یا نہیں؟ اگر کچھ دنوں تک یہ قاعدہ علم تحقیق جاری رہا تو امید ہے مغویہ بین فرنگی محل کے محتوی و شروح کے علاوہ اور تمام مصنفین و مصنفات کے معروف شہرت و عدم شہرت بلکہ وہ و عدم کا بھی فیصلہ ہو جائے گا۔

سلف کا طریق جمع و تصنیف

یہ قہری ہی معیبت ہے کہ بحث و نظر میں مخاطب کی تعلیم کیلئے مبادیات بہت کم کی گئی تھیں۔ کرنی پڑے لیکن اب کرنی پڑے گی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ”المدونۃ“ امام مالکؒ کی کوئی ہی تصنیف ہے جیسی کہ ”موطا“ ہے اور فرنگی محل کے علوان ایک بزرگ ہیں ہے تمام اہل علم و تصنیف نے جسے موطا کی طرح امام موسیٰ بن جعفر کی تصنیف قرار دیا ہے

اور اسی پر امام موصوف کے علوم و فنون کا دار و مدار ہے۔ پرنسپل صاحب کو اس نسبت پر تعجب
 آنے لگے جو کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سلف کے زمانہ میں بھی کسی کتاب کے تصنیف کرنے کا وہی
 طریقہ تھا جو بعد کو ہوا اور جو آج کل کی اور چونکہ مدونہ کی ترویج دو سرے اشخاص کے
 قلم سے ہوئی ہو، اس لئے وہ امام مالک کی تصنیف نہیں ہے۔ اصحاب ترویج روایت
 کی ہر حاکمہ ایسی بات انھیں معلوم کرنا پائی کہ کاو اہل میں جب تمدین علوم اسلامیہ کا سلسلہ
 شروع ہوا تو طریق جمع تصنیف کیا تھا، اس وقت تمدین و کتابت کے وہ طریقے جو وہیں
 نہ آئے جو بعد کو ترقی صناعت کتابت و تصنیف سے پیدا ہوئے گئے اس وقت تمدین علوم
 کا طریقہ یہ تھا کہ اگر علوم تمام مطالب مسائل بطریق اٹلاندس بیان کرتے تھے اور بار بار
 کے تکرار و مزادلت کے بعد ایک مرتب منظم کتاب کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ ان کے
 تلامذہ روایت حدیث کی طرح ان کی بھی رعایت کرتے اور فقید کتابت و ترتیب میں اگر وہ
 بطریق روایت تنگے کو پڑھتے اور پھیلنے لگتے۔ لہذا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مختلف راوی اور
 تلامذہ ایک ہی کتاب کا مواد اپنے اپنے ذوق کے مطابق مہرب مہرجم کرتے (یعنی ترجمہ بالا بواب
 پرنسپل صاحب کے بعد مدونہ سچا لیں) اور ایک ہی کتاب مختلف لغات میں اور ترتیبوں کی شہرت پاتی۔

موطائی روایتیں

یہ جو موطا امام مالک کی مشہور و قوی بھی امام مالک نے اس طرح نہیں لکھی تھی جس طرح
 آج کل مصنفین کتابیں تصنیف کرتے ہیں یا مثلاً مبین اپنی شرحیں اور حاشیے لکھا کرتے تھے
 یہی طریق دوس دالامرتب ہوئی ہے اور اسی لئے اس کی مختلف روایتیں موجود ہیں۔
 حافظ ابن عبدالبر نے تبصیر میں اس معانیوں کا استقصاء کیا اور ان میں ہر بارہ کو ترجیح دی
 مگر ان کے مقبول و مشہور روایت کی بنیاد مصحح کی ہے، جو آج کل مطاوعہ مالک کے نام
 سے مشہور ہے۔ دوسری روایت امام احمد کی ہے، جو موطا امام احمد کے نام سے مشہور ہے۔
 ان سب کے اصحاب و تلامذہ مختلف ہیں اور اسی طرح مدونہ بھی مالک کی

کتاب ہے اور مختلف عواقل سے مرتب منسوب ہوئی ہے۔ علمائے مغرب میں امام عبدالرحمن بن القاسم کا نسخہ زیادہ مقبول تھا اور وہی مصر میں چھپا کر اگر مدونہ کی تصنیف کی نسبت امام مالک کی جانب نہیں کرنی چاہئے، عبدالرحمن بن القاسم کی طرف کرنی چاہئے تو پہلے صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ موطا کی نسبت بھی امام مالک کی طرف ہیجہ نہ ہوگی، متداول نسخہ کو کئی بن بھی مصمومی کی تصنیف قرار دیکئے اور قیغہ کو قیغہ میں راویوں کی طرف منسوب کئے۔ امام مالک پر متواتر نہیں تمام ائمہ سلف کے تدوین علوم کا یہی حال تھا۔ امام شافعی کی کتاب الام اور امام احمد بن حنبل کی مسند بھی اپنی معنوں میں ان کی مصنفات ہیں، مدونہ یہ بات تو قطع و جزم کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ امام شافعی نے قلمدان سامنے رکھ کر کئی مرتب کتاب کتاب الام کے نام سے نہیں لکھی تھی۔ کتب طبقات و رجال سے یہ امور اہل نظر پر واضح و آشکارا ہیں۔

امام ابن تیمیہ

نور عبدالمی صاحب نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی ایک عبارت نقل کی تھی اس پر پہلے صاحب لکھتے ہیں: ابن تیمیہ کی عبارت سے استناد اسی طرح ہے۔ جیسے علی کی عبارتوں سے آپ مطاعن احمایہ نقل کریں اور ہم کو الزام دیں۔ آپ ہی فرمائیے کہ اگر آپ اسی طرح شیعوں کے اقوال نقل کرنا شروع کریں تو کیا وہ ہم پر حجت ہو جائیں گے؟ شیخ علی حضرت علامہ کے ایک مشہور مصنف گزرے ہیں جن کی ایک کتاب ہناج الکرات فی معرفۃ الامام کے جواب میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اپنی مشہور کتاب منہلی السنۃ لکھی ہے۔ پہلے صاحب فرماتے ہیں ان سے استناد ایسا ہی کیجیے کہ شیخ علی جیسے شیعوں سے ایک اور مقام پر پہلے صاحب لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ کی عبارت سے استناد اسی طرح ہو جائیے پس کی عبارتوں سے تنقید نقل کریں اور ہم کو الزام دیں۔ آپ ہی فرمائیے کہ اگر آپ اس طرح میانین کے اقوال نقل کرنا شروع کریں تو کیا وہ ہم پر حجت ہو جائیں گے؟ (مسئلہ اہل حق و باطل)

مصنفین کے کلام سے استناد کیا جائے انہیں کو یعنی پرنسپل صاحب اور مولانا عبدالباری
کو الزام دیا جائے۔

معلوم نہیں اس ہم کو، سے مقصود کون سی جماعت ہے؟ فرنگی محل جیت ہم
ہوتا ہے تو اس کی ادبیت سی باتوں کی طرح اس ہم، کا تعین کچھ آسان نہیں ہوتا،
لیکن اگر ہم سے مقصود اہل سنت والجماعت ہیں تو یہ نتیجہ یہ نکلا کہ ابن تیمیہ اہل سنت
کے دلیبی مخالف فرتے ہیں سے ہیں جیسا کہ شیعہ ہیں۔ شیعوں کے متعلق مولانا عبدالباری
کی تحقیق ان کی تفسیر کے حوالے سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے کہ وہ کفار میں داخل ہیں
اور ان سے منافقت مثل مشرکین کے جائز نہیں۔ پس چند کڑیوں کے بعد معاملہ اس پرتی
ہو گا کہ ابن تیمیہ اہل سنت کیلئے بہ منزلہ کفار کے ہیں۔ نفعوذ باللہ من لعن آخر بدہ الامم والہما
جس بے پر دائی اور بے ساختگی کے ساتھ یہ کہی گئی ہے اس کو ناواقف آدمیوں خصوصاً
معتقدین پرستان فرنگی محل نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہو گا کہ سچ بچ کو ابن تیمیہ کوئی ایسے
ہی مخالف اہل سنت فرقہ کے آدمی ہوں گے اوقات کی گمراہی مسلم و معروف ہوگی۔ جمعی
تو پرنسپل صاحب نے بغیر کسی حوالہ و دلیل کے بلاتامل یہ بات کہہ دی
اللہ دین کی شہادتیں

لیکن آپ ناظرین فرنگی محل کے علم و تحقیق کا قنا شا کریں۔ امام ابن تیمیہ اس
جلالت و حریت کے امام اہل سنت تھے کہ بالاتفاق تمام ائمہ معاصرين نے ان کی امامت
فی الدین و امامت بر شہادت مقرر اور تاخرین علماء اہل سنت میں شاہد کی ہی عالم و مصنف
کی امامت فی الدین انہ کا اہم مرتبہ علم و اعتبار اور عقدا صریحی اہل سنت ہونے پر اس وجہ
اللہ علم و اعظم امت کا اتفاق ہوا ہو گا، جیسا کہ امام موصوفہ نے جو ہے۔ وہ نہ صرف امام
اہل سنت ہیں، بلکہ اماموں کے امام اور ملاح و مسمو علیہ ہیں۔ ان کے معاصرين میں جو امام
دینی ابن و توفیق امیر الممالک و مری و مصلحہ علی بن علی الدین کی ہیں تو یہ تہذیب کا قنا

۔ مان الدین الفراء فی تافہی الدین ابن الزکحانی، ابن سیداناس، ابو العباس ابن جی، ابو العباس ماسطی، ابو عبد اللہ عسری وغیرہم جیسے سلم الثبوت المذہب سنت ثنائیہ علوم کی مصنفات دیکھنی چاہیں کہ کس طرح ان کی امامت فی الدین اور مجددانہ ہونے کا اثبات کرتے ہوئے ان کی شاگردی و سند پر معتبر رہیں۔ حافظ ذہبی جیسے سلم الثبوت امام المتأخرین، جن کی ہر جہت تبدیل و آج کا دوبارہ حدیث و سنت کا وارد دار ہے امام ابن تیمیہ کو اپنے استادوں میں شمار کرتے ہیں اور صحیح شیوخ میں لکھتے ہیں: "ہو اکبر من ان ینبہ علی سیرۃ مشی و دلائلہ لو حلفت بن الکریم لتقام الی ما نأیت یعنی مثلاً و زما را می مثل نفسه لما اخشت"۔ یعنی ان کا مقام کہیں اس بلند ہے کہ مجھ جیسا شخص ان کی سیرت و فضائل بیان کرے قسم خدا کی اگر میں خادہ کعبہ میں رکن و مقام کے درمیان یہ قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے اس جیسا باکمال کسی کو دیکھا اور نہ خود اس نے کسی کو اپنا ہمتا پایا یا تو میری قسم جھوٹی نہ ہوگی۔

مزید شہادتیں

ابو الجراح حزی صاحب تہذیب کہتے ہیں ما رأیت احدا علم بکتاب اللہ و سنت رسولہ و لا اتبع لہما منہ، یعنی میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ قرآن و سنت کا عالم دیکھا اور نہ عامل۔ شیخ ابو حیان صاحب تفسیر بحر المحیط ان کی مدح میں لکھتے ہیں:

کتا فخرت عن جہر بحی ہن

انت الامام الذی قد کان یستقر

حافظ ابو العباس الحرامی صاحب البلغ جو امام ذہبی کے شیوخ میں سے ہیں،

لکھتے ہیں: "واللہ ان رأیت فی عصرنا من تسعی النبوۃ الخیرۃ و مستہما من اقوالہ و افعالہ الا انہما اصل مینی خدا کی قسم ہم نے اپنے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا جس کے اقوال و افعال جو عزت و عظیمیہ کے انوار و درجہات اہل ان کی سنت کی روشنی میں چھن کر نکلتی ہوں، الا ان میں نے دیکھا ای طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے "درکاتہ" میں اور شیخ جلال الدین سیوطی نے "طبقات

حدیث اور فقہ کے میدانوں کے فہم و ارجمند تھے۔ اہل بدعت کیلئے شمشیر برہنہ تھے۔ دین و دنیا کو قائم کر سنانے عالم ربانی تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کمال سرگرم تھے انکی مصنفات اہل علم میں مقبول ہیں اور ان کے فتوے قاطع اور قطعی و ضعف سے پاک ہیں۔ سلامتی تباری خفی شروع شامل میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابن قیم کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: انہما کما من اکابر اہل السنۃ والجماعت ومن ادلیا ہدایاتہ ۰ یہ فعلی امام اکابر اہل سنت والجماعت اور اس ائمہ کے راویار ائمہ میں سے تھے!

تَعَجُّبٌ بِالْأَسَیِّ تَعَجُّبٌ!

اب وہ معتقد بن غری محفل جنہوں نے یہ مضمون دیکھ کر تصور کر لیا ہے، کہ ان کے پیر چنانے علم و تحقیق کا خاتمہ کر دیا۔ خدا را انصاف فرمائی کہ جس ابن تیمیہ کے دانے کے متعہ طوقہ فی عینی اور لاعلی قاری امام اہل سنت اور دلائل نقل و روئے پر ہیں، انہیں کس بے باکی کے ساتھ منہ پر لڑائی کے جنائف اہل سنت کہہ دیا گیا ہے اور خیر سے علم و نظر کا یہ حال ہو کہ میں معنی اور قاری کی کتابوں سے سند پکڑ رہے ہیں، ان کے اقوال کی خبر نہیں۔ پھر اس مبلغ علم پر بے دھڑک اخباروں میں مضامین لکھنے کا بھی حضرت کو شوق ہو۔ اور کچھ اس کی پروا نہیں ہے کہ کبھی اہل علم و نظر سے بدعت ہندوستان کی سر زمین غالی نہیں ہوتی۔

(۲)

گراہیت اور حرمت

خواجہ عبدالحی صاحب کے اپنے مضمون میں ائمہ سلف مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ حیریم کے اقوال نقل کئے تھے، جن میں حرمت علی القبر کو ناجائز قرار دیا ہے۔ امام شافعی کتاب کلام میں یہ بھی لکھتے ہیں: قد رأت الولاۃ بکفۃ یا مردن بہم ہائی علم اری الفقہاء معینون فالک ایں نے کہ میں کلام کا یہ محل دیکھا کہ قبر جہاں حرمت ہوتی تو اسے گرا دیتے تھے اور فقہاء ان کے پاس اس کلام پر اعتراض نہیں کرتے تھے، یہ خاصہ اصول اس

بہر حق امام موصوف کا مذہب معلوم ہوا، بلکہ سلف میں حرم مکہ کے حکام اسلام کا عمل جاری نہ
 تھے یہی معلوم ہے جس پر علماء کا عدم اعتراض ایک ثقہ و عادل امام کی شہادت سے ثابت ہے۔
 اس حدیث و شہادت کا حسب اصطلاح علم جو ذہن ہے اور جس سے نہ صرف عمارہ
 علی البقرہ کا اجتہاد عدم ہوا، نہ ثابت ہوتا ہے بلکہ بلکہ کے بعد انہما کی ضرورت اندہ تا رہی ثابت
 ہو جاتا ہے اس کی تشریح آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ چونکہ اس شہادت
 کے ذکر کرنے کے لئے کوئی بات از قبیل تولد، جرح و تعدیل، فرج محل پر سپل صاحب کی سمجھ میں
 نہ آئی، اس لئے اسے تو بالاسیان کر گئے گویا امام شافعی کی اس شہادت کا کوئی وجود ہی نہیں،
 لیکن چونکہ بنا علی البقرہ کی نسبت کراہت کا لفظ بعض عبارات میں آیا تھا اور صاف کی
 اصطلاح اس باب میں معلوم نہ تھی۔ اس لئے یہ دیکھ کر بہت خوش ہو گئے۔ سمجھے یہاں بھی
 کراہت کو مقصود ہی مرتبہ کراہت مصطلاح فقہاء ہوگا جس کی تعریف انہوں شاید خلاصہ کبیرانی میں
 پڑھی تھی۔ پس خیال کیا کہ حرمت تو ثابت نہیں ہوئی، چلے کراہت ہی کے ستون پر اپنا گنبد علم استوار
 کیجئے۔ قبروں میں علت کا جاننا اگر ثبوت ہو گیا تو کیا مضائقہ، بہت برا تو ثابت نہ ہو سکا، آگے
 چل کر اس کی کراہت کو تیر بھی کہہ دیا جائے گا بلکہ تک اہل شہر اداں گئے۔ کیوں کہ کراہت مصطلحہ
 فقہاء میں تو یہی تفسیر بہرہ دونوں مفہوم داخل ہیں۔ چنانچہ بنایت اطمینان سے لکھتے ہیں، مولانا علی
 نے فقہائے اربعہ کی عبارتیں لکھی ہیں۔ ان میں مولائے دہلوی کے اور تمام عبارتوں میں صاف لفظ
 کراہت موجود ہے۔ کراہت اور شے ہے، حرمت اور شے ہے۔ کراہت سے حرمت لازم
 نہیں آتی۔ معلوم نہیں میں وہ عبارتیں کیا ہیں جو لایا ہے، ان کے جواب سے کہیں گریز کیا گیا؟

دھوت الی المکرہ ہا

بہر حال اب اصل حقیقت ملاحظہ ہو:

تو دل تو مجھ میں نہیں آتا کہ پرنسپل صاحب اور مولانا عبدالباقی صاحب جو اب بار
 اس میں منہ سے کہتے ہیں کہ قبروں پر حرمت جتنا مکہ کی حرام نہیں تو اس سے کونسا مطلب

کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ شریعت میں کچھ اعمال مطلوب ہیں، کچھ منہوع ہیں۔ مطلوبات کے کبھی مختلف درجات ہیں۔ منہوعات کے کبھی مختلف مراتب ہیں۔ مثلاً کوئی بھلائی اگر سیر کر رہے، تو کوئی آدمہ سیر اسی طرح کوئی برائی من بھر رہے اور کوئی کدھن۔ عوارض و احوال کے لحاظ سے کبھی کم درجہ کی بھلائی بڑے درجہ کی ہو جاتی ہے، کبھی کبھی کم درجہ کی برائی بڑے درجہ کے حکم میں آ جاتی ہے، لیکن یہ تمام حد ہے اور اقسام تعین و فقہائے احکام کے ضبط و نظم کے لئے قرار دے دیے ہیں، اسلئے نہیں ہیں کہ لوگ مرت محرمات ہی سے اجتناب کریں اور مکروہات کا التزام و دعاء کر لیں۔ جو امر مطلوب ہے وہ تو یہ ہے کہ تمام مطلوبات شرعیہ کے لئے ہم سرگرم ہوں اور منوعات سے ہم اجتناب کریں۔

مطلوبات شرعیہ کے درجے

بہت سی مطلوبات شرعیہ ایسی ہیں جن کے درجے اور قسم کے تین میں اختلاف ہوا، کہیں کدھن کا تعین دلائل کے نظر و استقصاء پر موقوف ہے اور انکے تدبیر و اعتبار میں اختلاف رائے داخل کی گنجائش کسی نے واجب سمجھ لیا، کسی نے سنت۔ لیکن اس میں سب کا اتفاق ہوا کہ یہ امور مطلوبات شرعیہ میں سے ہیں مثلاً اما شافعی و جہود کے نزدیک نماز میں سجدہ کا تسبیح کی قرأت فرض ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک فرض نہیں اور اگر چھوٹی سے چھوٹی بھی آیت پڑھ لی جائے تب بعد فرض قرأت ہو جائے گی۔ پس سجدہ فاتحہ ایک کے نزدیک فرض سمجھنا، ایک کے نزدیک فرض سے کمتر، لیکن غلام مطلوب دونوں کے نزدیک ہے۔ اس سے یہ تولد نہیں آتا کہ اما حنفی سجدہ فاتحہ پڑھنے کا ایہام ترک کر دیں اور یہ سمجھ کر کہ ایک آیت اعلیٰ فرض کے لئے کافی ہے، بقول قتال حردی کہ ”وہ برگ مبرز“ یعنی سجدہ رحمن کی آیت ”وہا صلواتی“ پر تناعت کر لیں؟ یا مثلاً ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز سے باہر گننے کے لئے سلام فرض نہیں، یا قصہ کوئی فعل کیا جائے اس نماز سے باہر آ جائے تو فرض صلا میں صحت واقع ہو جائے گا... پھر اس کا نتیجہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ چسپیل صاحب اس کا

اترا مگر میں اور ہمیشہ سلام کی جگہ بالف صد و اسیام کوئی ایسی ہی بات کر کے ناز ختم کیا کریں؟
مقصود کیا ہے؟

اسی طرح مان لیجئے کہ عمارت علی القبور دانی دوائی آپ کے نزدیک میں بھروالی نہیں ہے
یہی نہیں تپاؤ من ہی سی، پھر بھی خدا شرفاً مطلوب کیا ہے؟ برائیوں سے خواہ بہت
بڑی ہوں یا کمتر اجتناب مقصود؟ یا ان پر اصرار؟ مان لیا کتبروں پر عمارت بنانا حرام نہیں
مکودہ سی، لیکن بہر حال شرفاً بھلائی اور پسندنگی کی بات تو نہ ہوئی؟ پھر یہ کیا کہی
علم غفلت عقل ہے کہ مکوحیات کے قیام و دعام اور شیوع و قبل پر اس تعداد امر کیا گیا
اور اگر کسی کا دست صلاح انھیں چھوئے تو اسے مسافوں کے لئے قیامت کبریٰ اور
مصیبت عظمیٰ ٹھہرایا جائے؟ آخر آپ کو اس میں کوئی اتنا اصرار ہے کہ مسلمان عین حرم محرم
کے اندر جہاں منکوت کا احداث و عمل دوسری جگہوں سے بڑا درجہ زیادہ عند اللہ مقوت ہے،
مکوحہ اشہاد و اعلیٰ قائم رکھیں اور کریں ان کا اتنا نہ کیا جائے؟ یہ کیا مصیبت اور طغان
پتیزی ہے کہ غریب مسافوں کو مکوحات پرستی اور کراہت پسندی کی اس مجنونانہ شدہ
ادھما بادلہ ہوش و بھیاں کے ساتھ دعوت دی جا رہی ہو؟ نہ خدا کا خوف اس سے مانع آتا ہے،
نہ بندوں سے شرم انگیز رہتی ہے۔

اثر اسلام کا فرض

ناتیا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عمارت علی القبور دانی دوائی حرام نہیں ہے، مکودہ مصلو
محل ہے پھر بھی مصلو... اپنے اس مسلک جدید کے حق میں کیا فائدہ اٹھا سکے ہیں؟
اگر ایک مکودہ کام حرام میں اس درجہ مقبول اور محمول ہو جائے کہ اسے شرفاً کار خیر سمجھ کر
انجام دینے لگیں اور یہاں منہجیت کے لگ بھگ علی وجہ الکرہ امت ہیں اسے ایک مشروع و مطلب
علی سمجھ کر اس درجہ اہتمام کریں، گویا احیات و نہیات شرعیہ میں سے ہے، حتیٰ کہ بہ وجہ
شیوع و عمل و رسوم و اعتقاد ان کے خلاف اعتراض و مصلو کی جرات لوگوں کو نہ ہو اور سلاطین

تہاں کے عمل اور امانت دین کے گناہان شہادت و حقیقت شریعہ بیکسر منقلب ہو گئی ہو تو ایسی حالت میں فقہائے حنفیہ کی تصریحات کے مطابق اگر اسلام کا فرض کیا ہے ! اگر حدیث پائیں تو ہمارے اور کاوش کے ساتھ اس عمل مجرّم کا جو وجہ مدامت و عاصرا شدہ شدہ حرمت تک پہنچ گیا ہے ازالہ کر رہا یا یہ کچھ کہ تحریف شرع گو ارا کر لیں کہ اصل یہ فعل حرام نہ تھا، اس سے ایک قدم دور مہریت یعنی مجرّم نہ تھا۔

ناقابل علاج مصیبت

تمام فقہائے حنفیہ مثلاً اصحاب تنوین اربعہ، شریعہ معیہ کی تصریحات اور امامے میں کیا ہیں ؟ ابن نجیم نے اشباہ و ادوہ سحر میں کیا لکھا ہے ؟ قازانی بدائع میں کیا کہہ رہے ہیں ؟ اصحاب فتاویٰ مثلاً قاضی خان و تاج ارفانیہ تک کے اقوال کیا ہیں ؟ اگر ائمہ سلف و فقہائے اقوال یا کتاب و سنت کے نصوص کے لئے قابل اعتقاد نہیں تو کاشانی بزرگوں کی تصریحات پر کار بند ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ آخر غریبی محل کے لئے کسی دلیل اور محنت شریعی تحت تہ اسماء کا وجود بھی ہے یا نہیں ؟ حافظ ابن کثیر جدید مفسر غیر مشہور اور مجرم جرم جنسیت پر علامہ آؤی قابل اعتقاد نہیں اور اس کی دلیل کے لئے صحت و صحت کی عزت نہیں امام ابن تیمیہ جیسا مسلم الثبوت امام ابن مسعود قتل امام کے سگرہ ... ہے ائمہ اسلام کی تصریحات میں اگر اہمیت سے مقصود مہریم نہیں بلکہ اگر اہمیت مصداقہ فقہانہ ہے، اچھا ہم یہ تمام مصیبتیں گھانا کر لیتے ہیں مگر بڑے خدا ... کوئی اصل کوئی نادمہ کوئی غیب و مسلک تو تسلیم کریں اور اس پر پوری عادت مبارک کے خلاف جرم نہیں ؟ ناقابل علاج مصیبت تو یہ ہے کہ کسی طرح بھی ان کا پسند یہ وہ دعوہ عمل و کلام فقہانہ قابل اعتقاد ثابت نہیں ہو سکتا، ہاں اس پر وہ بے گناہ کہے جاتے ہیں کہ تیاہمت کوئی ایک اور میں خود نے اسلام کا خاکہ کر دیا کیوں ؟ اس لئے کہ اس کی اولاد نے مہریم

ائمہ سلف اور اصطلاحات کرامت

نافیہ خیال تک تو بطریق حجت الہی و عری کیا گیا۔ اب بطریق تحقیق بھی سنیں۔
 حاصل پس پہلے سنا کہ یہ ہم ہی سرے سے غلط ہے کہ ان عبارات ائمہ میں کرامت سے
 مقصود وہ مرتبہ کرامت مصطلحہ فقہائے متاخرین ہے، جس کی تعریف انھوں نے
 شاید غلطہ کیا ہی میں پڑی ہے۔ انھیں معلوم نہیں کہ یہ تمام درجے اور ان کی تدریجیں بعد کو
 بنی میں، ادانل میں نہ تھیں۔ اس لئے اصطلاح سلف جب بھی لفظ کرامت استعمال کرتے ہیں
 تو اس کے لئے لغوی معنوں میں استعمال کرتے ہیں جس سے مقصود علی الاطلاق ناپیدہ بیگی اور
 عدم مشروطیت ہے اور مردان کی وہی جہتی ہو جو بعد کی بول چال میں لفظ حرمت اور حرام
 سے ہے، بلکہ معنی مصطلحہ فقہاء اعلیٰ میں، جو حرمت کے بعد ایک خاص مرتبہ منع ہے
 اور اس کی تقریری و تنزیہی دو قسم کی گئی ہیں، ایسی طرح استحسان و وجوب کے لئے بھی سلف کے الفاظ
 بعد کی تفسیروں کے پابند نہیں ہیں۔ وہ اکثر موقعوں پر عام الفاظ پسندیدگی کے ان لغوی دلالت
 کے ساتھ بولتے ہیں۔ مثلاً ہذا احسن یا بیسی ہذا احب ہذا، یعنی یہ بات اچھی ہے اور میں ایسا کرنا
 پسند کرتا ہوں اور اس سے مقصود ان کا چارہ لگی جوتا تھا۔ ضرب و استحسان بھی ہوتا تھا۔ سنیں
 وہاں بات بھی ہوتے: ہتھے۔

چنانچہ خود قرآن و سنت کے اطلاقات کا بھی یہی حال ہے۔ سورہ اسراء میں تعقی ربک
 ان لا تعبدوا الا ایاہ فرما کر متعدد فواہش و کبار کا ذکر کیا ہے، جس میں الامانت الہیہ و قتل اولاد
 قتل نفس، کھل مال تبیم، زنا و غیرہم مجرمات و فوق قطعہ بھی شامل ہیں، لیکن ان سب کے ذکر
 کے بعد ارشاد ہوتا ہے کل ذلک کان سنئہ عند ربک مکروہا۔ یعنی یہ ساری باتیں تمھارے
 خداوند پر سورہ نساء اسرائیل آیت ۴۸ میں تحریر ہے کہ مکروہ ہے، ان ساری باتوں کا یہ حال ہے کہ ان کی
 عین تمھارے خدا کے نزدیک بڑی ہی ناپسندیدہ ہے۔ مگر ان کا استعمال یہ ہے کہ قیرون مجید نے بڑی ہی باتوں
 کا ذکر کیا ہے، ان میں مکروہ قرار دیا۔ پھر کیا اس لفظ کی جگہ پر ان باتوں کو مکروہ مصطلحہ فقہاء قرار دیا جائے گا!

بروردن کے نزدیک بری ہیں (مکروہ) اب اگر پرنسپل صاحب . . . کا ہم دامن
صحیح نسیم کر لیا جائے تو اولاد قتل کرنا، قیامیں کمال کھانا اور زنا کرنا . . . مکروہ منقطعاً فقہاً
ہی ہوگا، حرام نہ ہوگا۔ کیوں کہ آیت میں لفظ مکروہ آیا ہے۔ پھر جو . . . مکروہ کی بھی دو
قسمیں ملنا کہ معلوم ہیں تحریمی و تنزیہی اس لئے ممکن ہے کہ یہ تمام افعال مکروہ تشریفاً ہو
جن کو مکروہ تنزیہی منجملہ مرغوبات و مطلوبات فرنگی محل کے ہے حتیٰ کہ اس کے حفظ و قیام کیلئے
تمام مسلمانوں کو دعوت اجتماع و عباد دی جا رہی ہے، اس لئے معجب نہیں ان مکروہات
کے لئے بھی فرنگی محل سے صلائے عام شروع ہو جائے۔ خانا لہر دانا الیہ را جین۔

احادیث و اشار

ای طرح صحیحین کی حدیث میں ہے ان اللہ عز وجل کریم، البقیہ، قال قال رسول
واضاۃ المال یعنی خدا نے تمہارے لئے مکروہ کیا ہے بے ہودہ قیل و قال و کثرت سوال اور
مال کا ضائع کرنا۔ اب سوال یہ ہے کہ اضاۃ مال حرام ہے یا مکروہ فقہی؟ حضرت علی علیہ السلام
نے دیکھا کہ کچھ لوگ اہل شام پر سبب شتم کر رہے ہیں۔ اس پر فرمایا انکو ان تکرار کیا میں
میں مکروہ لکھتا ہوں کہ تم گالی گلوچ کرنے والوں میں سے ہو۔ یہ معجم طبری افشہ . . . ریاضۃ دونوں
میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے کو گالی دینا یا ہجو یا جھگڑنا سبب المسلم فسوق یا مخفر
مکروہ فقہی ہے؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قول مشہور ہے جیسا کہ امام داؤدی و احمد نے نہایت
لیا ہے انا کہ ان اهل حرامنا حرم حلالا . . . میں اسے مکروہ محض ہوں کہ حلال کو حرام کہوں
یا حرام کو حلال . . . سوال یہ ہے کہ جھگڑنا تو قرآن و حدیث و کتب اکراب و اہل حلال و ہذا حرام
تفسیر و علی احمد اللہ اب الحلال کو حرام کر دینا، اور حرام کو حلال کر دینا افسر علی احمد اللہ ان

ابو ایسا کہ وہ تھادی زبانوں پر عیبی بات آجائے ہے و حشر نکال دیا کرو اور . . . پڑھنا
مکرم لگا دے یہ چیز حلال ہے، . . . حرام ہے۔ اس طرح . . . جگہ . . . اللہ پر ایمان رکھنا ہے۔

اشد معصیت ہے یا محض مکروہ تنزیہی؛

اطلاقات النہ و فقہاء

یہ حال تو قرین و سنت اور ائمہ اصحاب کا ہے، لیکن اگر لہ و فقہاء کے اطلاقات جمع کیے جائیں تو شوبہ اس قدر ہو جائیں گے کہ ایک پورا رسالہ مرتب ہو جائے۔ سب سے پہلے حضرت امامنا الاعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین کے وہ اقوال ملاحظہ ہوں جن میں لفظ کراہت استعمال ہوا ہو اور بالاتفاق کراہت سے مقصود حرمت ہو۔ قال ابو حنیفہؒ مکروہ یحیض مکہ کی زمیں بیہنا مکروہ ہو، مباح حنیفہ نے اتفاق کیا کہ کراہت سے یہاں مقصود حرمت ہو، کیجئے الاحکام فی اقوات الاطین والہائم افاضہ لیم و ضیق علیہم۔ مکروہ ہو انسان اور چارپائیوں کی غذا کا اگر جب کہ غذا کی قلت ہو، یہاں کراہت کو بالاتفاق حرمت مقصود ہو۔ کیجئے بیح السلاح فی ایام الفتنۃ (ایام فتنہ میں ہتھیار بیہنا مکروہ ہے) مقصود اس کو بالاتفاق حرمت ہو۔ کیجئے ان کل الرجل فی حق عبدہ او غیرہ مطلق الحدید الذی یشغ من الحرقہ مکروہ ہو کہ کوئی آدمی اپنے غلام یا کسی آدمی کی گردن پر لوہے کا ایسا طنڈال دے جس کو وہ گردن نہ ٹاٹ سکے، حالانکہ معلوم ہے ایسا کرنا مکروہ معطل نہیں، بل مکروہ ہے۔ اسی طرح بیح عذر و لیس منہلی حریر کی نسبت امام صاحب سے لفظ کراہت منقلی ہو، حالانکہ وہاں کے نزدیک حرام میں مزید نظر اس استعمال کے نزدیک دیکھا نہیں تو مبطل۔

مزید مثالیں

اسی طرح حضرت امام مالکؒ انسان کے اصحاب کے اقبال میں جا بجا یہ استعمال موجود ہے خود مدنفہ میں ہو۔ اکل کل ذی ناب من السباع مکروہ۔ کیا پرندہ یا صاحب پرندہ نہ کہہ دیں گے کہ مالکیہ کے نزدیک، سباع ذی ناب یعنی درندوں کا گوشت حرام نہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں مکروہ مقصود حرام ہے نہ کہ مکروہ غیر حرام۔ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ کی

بول چال ہے جنہوں نے اصل فقہ میں توالین کتاب تصنیف کی، افواج الرجال بہت من الزم کے مسئلہ میں جب بعض ظاہر میں نے امام شافعیؒ پر اعتراض کیا کہ حرمت کے قائل نہیں ہیں تو حافظ سیوطی نے امام مرنی کی یہ عبارت پیش کی کہ "ما ی الشافعی نفس علی کراہتہ ترویج طرہاں" بجہ من مار الزنا یعنی اس کی کراہت پر امام شافعیؒ کی نفس موجود ہے اور اس سے ثابت ہے ان کے نزدیک حرام ہے (دکھاء فی المذلل) اسی طرح امام احمدیؒ نے عمل اعدان کے اصحاب کی تصریحات میں اس کے نظائر - بے شمار ملیں گے، کہیں کہ سلف کی بول چال بھی مخفی امام موصوف کے مذہب میں جمع بین الاختیار بلکہ ایمین سزام ہے - لیکن حرمت کے لئے صرف ان کا قائل مردی ہے "انا لکرہ" میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں - افواج میں بہ روایت ابو عبد اللہ ہے "اکرہ اکل لحم الحیۃ و العقرب" سانپ اور کھجور، کھانا میرے نزدیک مکروہ ہے، حالانکہ اتفاق ان کے نزدیک حرام ہے - اس میں بہ روایت جعفر بن محمد ہے "انا لکرہ الحلیل" - میرے نزدیک نکاح و طلاق کے معاملات میں حلیوں سے کام لینا مکروہ ہے، حالانکہ ان کے نزدیک شریعت میں جیل سے کام لینا مذہبی جرم ہے اور اس پر ان کا ایک مستقل مکتوب موجود ہے جس میں کہتے ہیں "ان من انفی بمنہ الحلیل فقد تب اسلام بطرابلس و بعض عوی الاسلام عروہ عروہ" اسی طرح ابو عبد اللہ روایت کرتے ہیں - لیکرہ ان تیرضاء فی یمانیۃ الذہب القفصۃ وان یستعمل کحل منہا - یعنی چاندی سونے کے باسن سے دھو کرنا اور اس کی سرمہ دانی استعمال کرنی مکروہ ہے - مگر میاں مکروہ سے مقصود بالاف اتفاق حرام، جیسا کہ مذہب حناویہ معلوم ہے -

مصطلح سلف اور مصطلح فقہاء

چنانچہ اسی بنا پر اہل علم نے تصریح کی ہے کہ آئمہ سلف کی اصطلاح میں کراہت کے معنی نہیں جو مرتبہ کراہت مصطلح فقہاء ہے اور ایسا سمجھنا منجملہ ان سخت غلطیوں کے ہے جو تصویحات سلف کے فہم میں بعض کوتاہ متاخرین کو ہوئی اور جن ائمہ کو انھوں نے مکروہ پر معنی

حرام قرار دیا تھا اسے محرمہ تشریحی ٹھہرا کر لوگوں پر درود و اذان، منکرات و ممنوعات کا کھول دینا چاہا اور اس طرح منکرات شریعہ کی اہمیت عوام کے حیلہ جو غلب میں باقی نہ رہی۔ چنانچہ حافظ ابو شامہ اس کی تصریح کر کے لکھتے ہیں، وقد غلطت جماعة من اتباع الائمة بسبب ذاك ففتواهم بما اطلق عليه الائمة انكراته ثم سهل عليها لفظ انكراته وذهبت منه فجعلوا لبعض على التزیه و تجاوز به آخرون فجعلوا على كراهته ترك الادبى فحصل بسبب غلط عظیم على الشريعة والائمة، یعنی اس حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک جماعت غلطی میں مبتلا ہو گئی اور جن جن ائمہ کی نسبت ان کے اماموں نے کراہت مجتہبی حرمت کے بولاستحان کی حرمت سے انکار کر دیا اور اسے وہ منکرہ سمجھ لیا جو حرام کے بوجہ انکار کیا گیا جو ادب ہے۔ پھر کراہت کا لفظ ان کے لئے سہل اور ہلکا ہو گیا اور اس کی مندرجہ کی اہمیت نظروں میں نہ آئی نہ رہی۔ پس ان میں سے بعض نے کراہت کو کراہت تشریحی کہہ دیا، بعض اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور کراہت کو ترک ادب کے معنیوں پر محمول کیا۔ اس طرح احکام شریعت اور مذاہب ائمہ کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ آتی

اور حافظ ابن قدام مقدسی الحنفی میں لکھتے ہیں۔ واسلف كانا يستعملون لفظا لكرهته في منطقة

الذي استعمال في الكتاب والسنة ولكن المتأخرين اصطلاحاً على تحفيس انكراته بما ليس بحرام وترك ارجح من فعلهم جعلوا نصوص السلف على الاصطلاح الحادث الموضوع غلطاً في ذاك، یعنی ائمہ سلف لفظ کراہت اسی لفظی معنی میں استعمال کرتے تھے، جس معنی میں خود قرآن و حدیث میں مستعمل ہوا ہے، لیکن متاخرین نے کراہت کو ایک خاص درجہ کے لئے مخصوص کر دیا جو حرام نہیں ہے اور وہ ایسی بات ہے جس کا ذکر نا کرنے سے بہتر ہے۔ اس سے غلط فہمی لوگوں کو ہوئی کہ اسی نئے اصطلاحی اور وضع کیے ہوئے معنیوں میں ائمہ سلف کی نصوص اور افعال بھی لیے گئے اور جہاں انہوں نے حرام کے معنی میں منکرہ کہا تھا، اسے اپنا وضع کیا ہوا منکرہ سمجھا۔ پس وہ سے ایک سخت غلطی پیدا ہو گئی، آتی :

کیا جائے اور جب کسی بات کا وجہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو اس صورت میں بھی تاکید و حرم کے الفاظ کی جگہ عمرنا عام و محاطا ملاقات سے کام لیتے مثلاً انا واجب ان یصل کذا، ایضا حاشا، یعنی ان یصل کذا، یہ مستحب ان یصل کذا، یعنی میں فلاں عمل دوست رکھتا ہوں۔ یہ بات اچھی ہے۔ یہ بات عجیب پسند ہے۔ چاہیے کہ ایسا کیا جائے مستحب ہے کہ ایسا کیا جائے۔ ایسے موقعوں پر ان کا مقصد مستحب سے وہ ایک خاص وجہ شروع کا نہ تھا، جو بعد کفر اور عیا گیا ہے، بلکہ اس کے لغوی معنی میں ہوتے تھے یعنی یہ امر پسندیدہ ہے۔

چنانچہ اس حقیقت کی طرف تھام مار گئے نے اشارہ کیا ہے جیسا کہ صاحب طاعت نے بروایت اسی روایت نقل کیا ہے۔ لم یکن من امر الناس ولا من معنی میں سلفنا ولا اندک احدنا

اتمدی باقی علی فی کئی جہاں حلال و حرام کا نفاذ بجزوں علی ذلک ماننا کا نفاذ بجزوں نکوہ کذا یعنی حاشا و معنی ہذا ملازمی ہذا، یعنی ذیہ صحابہ و سلف کا طریقہ تھا انسان بھول میں سے کسی کا ماننا میں نے پایا اور جن کی میں پیروی کرتا ہوں کہ وہ کسی بات میں کہیں، یہ حلال ہے، یہ حرام ہے ایسا کہنے کی وہ جرات نہیں رکھتے تھے۔ ان کا طریقہ ذیہ تھا کہ ایسے موقعوں پر کہتے ہیں کہ مکوہ تھکتا ہوں یا یہ ٹھیک نہیں ہے یا میں نہیں دیکھتا کہ ایسا کیا جائے اپنی

پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر حرام کے لفظ کی جگہ بعض منکرات کے لئے انھوں نے کراہت کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ ان کے نزدیک حرام نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ کلمہ ماننا میں وجہ احتیاط ان کا اندازہ لگتا رہی تھا۔

فہرست ہے اس مسئلے کے بیان میں بہت تطویل ہو گئی لیکن ناگزیر تھی، مقصود یہ تھا لیکن کہ معلوم ہو جائے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نام ایک امام شافعیؒ اور دیگر مذاہب فقہاء کے قول میں یہ جہاد علی القبر کی نسبت کو بہت کاغذ دیکھ کر نہ پسند صاحب اور مولانا عبدالباری نے اسے غیر حرام اور بجز مکوہ تنزیہی بتا دیا ہے، یہ ایک نہایت ہی افسوسناک غلط اور ظلم سلف و اصلا سلف سے نا آشنا ہونے کا نتیجہ ہے یہاں کو بہت کو مقصود حرمت یہاں کی

اہل علم کا اتفاق ہے، اس کراہت کو خلافت کیلئے مانا کرنا بہت گھبرانا اہل علم و ریافت کے بعید ہے۔
مگر یہاں کراہت کو کراہت منسلقہ فقہ پر عمل کیا جائے گا تو تمام کا مغناہ، حلت و حرمت و ہم
برہم ہو جائے گا اور کہتے ہی حرمت غیر حرمت بن جائیں گے۔ کہیں کہ سلف دائرہ کے
کام میں بے شمار محرمات تطہیر کی حرمت نظر کرنا بہت سے تعبیر کی گئی ہے۔

اصول فقہ حنفیہ اور کراہت

مابغایہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ خود اصول مقررہ فقہ کے بموجب بھی جہر و لفظ کراہت
دیکھ کر کہیں کراہت سے کراہت غیر حرام پر محمول کر لیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ طے پا چکا ہے کہ کراہت
میں اصل تحریم ہے، اقلیہ کہ قرینہ صائد قویہ اس کے خلاف موجود ہو؟ خود حضرت امام محمد رحمہ اللہ
علیہ کا قول جامع کثیر سے علاؤ الدین بخاری نے نقل کیا ہے۔ کل مکروہ فهو حرام الا انہ لما لم
یجذبہ نصاً قاطعاً لم یطعن علی حفظ الحرام۔

اب اہل فہم و ریاضات اس حقیقت حال کے مطالعہ کے بعد ہمارے پُرپس صاحب اور
مولانا کے اس لاشاد پر ایک آخری نظر ادھڑال لیں اور غمہ کریں کہ علم و فہم کے دعووں کی جراتوں
کا کیا حال ہے؟ پُرپس صاحب مضمون کے آخر میں بڑے ہی اطمینان کے ساتھ نارغ ابدال
برکر کہتے ہیں:

غرض مولانا عبدالحی نے اپنے مضمون میں کوئی دلیل بھی حرمت پر نہیں دی
ہے اور جو کچھ بھی ثابت کر سکے ہیں، وہ کراہت ہے۔
خدا یا مستقرین فرنگی محل اس غرض کہ اسکی مادہ دین کو کس درجہ علم و تحقیق اپنے دامن کی رحمت
میں پیسے ہوئے ہے؟

(۳)

علی صابری سوال | جناب مولانا... کے علم و تحقیق کا جو حال اس وقت تک منکشف ہوا
ہے، کاش اس سے آگے نہ بڑھتا لیکن حیثیت کی انتہا نہیں رہتی جب وہ ایک اور قدم

ان کے بڑھاتے ہیں اور کھلے بندوں بغیر کسی ادنیٰ جھجک کے ایسا دعوے کر بیٹھتے ہیں، جس سے بڑھکر علم و حقیقت کے خلاف ادعا و بھکم کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ چنانچہ اپنے مکتوب گرونی بنام سلطان محمد علی میں لکھتے ہیں:

مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہ وقت جس کے نیچے بیعتِ رضوان میں حضورؐ نے سایہ لیا تھا، بختِ پرستش کھدوا ڈالا، مگر یہ ہمیں دیکھا جاتا ہے کہ صحابہ کے وقت میں تاثر پر جو مساجد تھے ان کو حضرت نے کھودنے کا حکم نہیں دیا، ملائکہ کی خدمت پسند نہیں کی۔ چنانچہ ساتھی سے کہا کہ ان مساجد پر اگر قدرت غلہ ہوتا تو پھر حلیہ کر نہ لود فرمایا کہ اگلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں کہ انھوں نے مسجد ایسے تاثر پر بنایا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صحابہ ہی اس کی زیارت لوگ کرتے تھے۔ حضرت کے (یعنی حضرت عمرؓ کے) تشددات کے باوجود انھوں نے یعنی حضرت عمرؓ نے نہ تو لوگوں کو زیارت و غلہ سے باز رکھا نہ مساجد کو شکست کر لیا۔ تفصیل اس کی غالباً مولوی عنایت اللہ صاحب کے مضمون میں ہوگی۔ اس واقعہ کو حضرت عمرؓ کے کثیر اعمال میں روایت کیا ہو گا وہ تفصیل کیا ہے جو مولوی عنایت اللہ پرنسپل صاحب نے اپنے مضمون میں پیش کی ہے؟ یہ ہے کہ مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

اب ہم وہ عبادتیں نقل کرتے ہیں جن سے مولانا عبدالحی کے مدعا کے خلاف بھی روشنی پڑتی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے چند عبادتیں نقل کی ہیں جن میں ازراہِ رُک کی کثیر اشعار کی وہ روایت کیا

۱۔ وہ خطبہ سالہ الہدیہ منقولہ۔ یہ مکتوب یا مضمون ۴۴ حضرت مولانا محمد رفیع (۱۹۱۲ء) کے مجددہ میں شائع ہوا تھا۔ مولانا نے اصل عبارت نقل کر رکھی تھی، میں نے حملے کی تعلیق کے لئے تلبویہ کا ذکر مناسب سمجھا۔ رسالہ الہدیہ ص ۲۰

تعمیقات و تعریفات کے ساتھ کہ جس سے مولانا نے استدلال کیا ہے۔ ان عبادتوں کے نقل کرنے اور انہیں مفید معاسجہ کرا استدلال کرنے، غلط ترجمہ کرنے، ادعوا کو دعو کا دینے میں ان حضرات نے حجت و ادعا کی جو حجت ایگزٹاٹش کی ہے اس کی پوری حقیقت تو آگے کھلی جائیگی، یہاں صرف اتنے حصے سے بحث مقصود ہے جو مولانا کی عبارت منقولہ میں اوپر گزر چکا ہے۔

علم و حقیقت کا تقاضا !

میکے دل میں مولانا کی بزرگی اور ان کی خاندانی وقار کا پورا احساس ہے۔ میں تمھنان کی عزت کو تاہوں میرے لئے یہ کئی خوشگوار بات نہیں کہ ان کے علم و دیانت علم کے خلاف سختی سے زبان کھولوں، لیکن کیا کیا جائے علم و حقیقت کا لحاظ ہر طالب علم کے لئے ذاتیات و شخص سے بالاتر ہے، اس کے مقابلہ میں کسی کی بھی رعایت کرنا نہ شرعاً جائز ہے، نہ عقلاً مطلوب مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ ان چند سطروں کے انداموں نے اپنے علم و فہم کی جو علو آرائی کی ہے، وہ نہایت درجہ افسوسناک ہے۔ علم اور دیانت علم کے خلاف اقدام و اجتہاد میں انھوں نے کوئی گسراقی نہ رکھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے اور کیا کہا جائے، میں بے علمی اور بے خبری کا لفظ نہیں بولنا چاہتا کہیں کہ اس کا استماع طابع پر گراں ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ جو کچھ ان سطروں میں ہے، وہ بھی علم و فہم نہیں ہے۔ علم و فہم کا ضد ہے۔ اب اسے کس لفظ سے تعبیر کیجئے؟ اگر چہ نہ کہئے تو علم بھی تو نہیں کہا جاسکتا؟ یہ سچ ہے، فاضل مال کو بھی مولانا عروج سے اس کی توقع نہیں رہی کہ عادی علم و تحقیق میں دقت کی عام سطح سے کوئی جند جگہ دیکھتے ہیں۔ تاہم پھر بھی علوم و رمیہ کے بدس متعدیوں کے مشغلہ سے اتنی توجہ نہ کرنی ہی پڑتی ہے کہ اصول و قواعد راہ سے (فلا آشنائی ہوگی، لیکن جیسے کتابیں تحریر سے خدا خدا کر لیں گے ان مضامین سے عموماً اور سطور بالا سے خصوصاً یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت کو علم شریعی کی رسم و راہ سے بلکہ شائبہ ہو گیا بھی ابھی متفق

نہیں ملا ہے اور یہاں کی حق مٹی اعلیٰ بتائی جتن کے ہم سے کبھی فکر مبارک کو فق و مناسبت نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مباحث شرعی میں ویاحت کلام ہمد مصدق بیان کا لحظان کے نزدیک ضروری نہیں اور اگر اثبات معا کے لئے کوئی واقعہ اپنے حق سے گھڑ لینا پڑے یا کسی عبادت کا الٹا مطلب اور خط ترجمہ کرنا پڑے تو اس میں چنداں باک نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ہی حکم و تکلم فی الشرع کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ جانا بھی پسند خاطر نہیں اور ساری آفت پہلی نہیں دو سری ہے

واذا لم تری الہلال فسلم لا تاس راوہ بالابصار
ارشادات کا خلاصہ

اب اس اجال کی تفصیل سنئے: مولانا نے ان چند سطور میں حسب ذیل امور بیان کیے ہیں، بعض بطریق استدلال بعض بطریق استنباط بعض برسبیل روایت:

۱۔ صحابہ کبار کے زمانہ میں آثار مبارکہ پر مسجدیں تعمیر کی گئی تھیں اور لوگ ان مقامات کی بہ حیثیت یادگار ہونے کے زیارت کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اگرچہ بعیت رضوان والا درخت بخوف پرستش کٹوا دیا، لیکن ایسی عمارتوں کے گرانے کا حکم نہیں دیا۔

۲۔ کنز العمال میں ہے حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان مساجد (آثار مبارکہ و ملا مساجد) پر اگر غار کا وقت جو بٹنا ز پڑو لیا کرو، لیکن ان کی زیارت پسند نہیں کی۔ نیز فرمایا اگلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ انھوں نے مسجد ایسے مآثر پر بنایا تھا۔ مولانا اس روایت کی نسبت کہتے ہیں کہ اس سے صرف معلوم ہی نہیں ہوتا بلکہ "صاف" معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صحابہ میں ایسے مآثر کی زیارت لوگ کیا کرتے تھے۔ یعنی اس کے اثبات کے لئے کسی بحث و نظر کی ضرورت نہیں ہے، بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے۔

۳۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا طرز عمل "تشدات" میں سے تھا۔
 ۴۔ حضرت نے باوجود اپنے تشددات کے لوگوں کو ان مساجد کی زیارت اور نماز پڑھنے سے باز نہیں کیا۔

اب سنئے ان علوم و تحقیقات اربعہ کی حقیقت کیا ہے ؟

عہد صحابہؓ اور آثار متبرکہ

اولاً۔ یہ بات کس درجہ حیانتِ علم سے بعید ہے کہ تنزیع قیروں اور پانگلوں، مصلحت نہانے اور انہیں بطور زیارت گاہ استعمال کرنے میں ہے، نہ کہ ان مساجد میں جو کسی یا کئی پر تعمیر کی گئی ہوں کہ معطر میگی ہو یا تہ پیش آیا ہے وہ ایسی حالتوں کے انتہام کا ہے نہ کہ آخر کی مساجد کے انتہام کا، لیکن مولانا س کی دلیلیں و حجتیں یہ ہیں کہ اکثر کی مساجد کا انتہام غرضی ہے یا نہیں؟ کیا ہے؟ نہیں ہے کہ رت علی القیود والانتار کے اثبات کے لئے چونکہ کوئی راہ شرعاً نہیں ملتی اس لئے اس سے گزر کر کے مسجدوں کے محاور پر زور دیا جا رہا ہے؟ تاکہ ہم اور معتقدین پر مابہ النزاع کی حقیقت مشتبہ ہو جائے اور وہ اس طرح کے اثبات و استدلال کی نمائش دیکھ کر دھوکے میں پڑ جائیں۔

ایک بے بنیاد مبیان !

ثانیاً، اگر تھوڑی دیر کے لئے اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مابہ النزاع مساجد علی الانتار کا ہے، جب بھی اس عجیب الحقت طریق استدلال کی بوالعجبی قابلِ تماشا ہے نیز اور نمبر ۲ کے بیانات دیکھ کر ہر مصلحانہ شخص یہی کہے گا کہ سچے سچے عہد صحابہؓ میں یا کئی مسلمان مسجدیں تعمیر کیا کرتے تھے جیسا کہ اس بے باکی سے مولانا نے اس سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھتا اس کی حدیث کا کیا حال ہو گا، جب وہ معلوم کرے گا کہ یہ بیان نہ صرف بے سند و بیاد ہے بلکہ حقیقت و حال بالکل اس سے الٹ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال و ایک ایسا نہ تھا جو اسٹاکم کے روحِ علم و حق کا نمونہ تھا اور ان کے راستے میں

بھی ایسے بدع و محدثات روئے پاسکتے تھے تو پھر اسلام اور مسلمانوں کے لئے اعلیٰ بالشرعیت کا دنیا میں کوئی فائدہ دے دینا نہیں رکھتا اور دونوں پر انا شرعانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے یہ بات کہہ کر خلاف حقیقت ادعا کی حد کر دی۔ جس ان تمام لوگوں کو جن کی نظر سے مولانا کی تحریر گزری ہو، اعلیٰ وجہ البصیرت بتلانا چاہتا ہوں کہ مولانا کا یہ دعوئے اس عہد کی نسبت ایک صریح انتہا ہے، بلکہ کھا جائے بدرالتراع یہ بات ہے کہ صحابہ کرام و رضوان اللہ علیہم کے عہد میں بزرگوں کی یادگاروں پر یہ نیت تبرک و دیارت عمارتیں (خولہ و مسجد) بنائی جاتی تھیں یا نہیں؟ مولانا نے بیان کیا ہے کہ بنائی جاتی تھیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ باوجود ان کے دعوہ کے حضرت عمرؓ نے نہ انہیں نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قطعاً غلط ہے۔ عہد صحابہ میں ایسی عمارتوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بیان کیا جاسکتا، خلاف حقیقت اظہار کی یہ انتہا ہے کہ پہلے تو سرے سے ایک بے اصل بات اپنے جی سے گھڑ لی جائے، پھر اسے مسلم واقعہ قرار دیکر اس سے استدلال کیا جائے۔ اس طرح حقیقت کو بچ و بچ غلط سمجھیں اور کذب آفرینیوں میں طغوت کر کے لوگوں کو حیران اور دمانہ کر دیا جائے۔

عہد صحابہ اور ماثر و قبور

حقیقت حال یہ ہے کہ جب اسلام کا پلڑہ پہنا تو دنیا شرک اور بت پرستی پر مبنی تھی اور خدا کا نام شرک کے ایک بڑی مہکت قسم تھی کہ بندگان اور مقدس انسانوں کی محبت و احترام کے غلط استعمال کی وجہ سے لوگوں نے ان کی اور ان کے آثار کی پرستش شروع کر دی تھی۔ کتنی جگہوں پر بت پرستی کا دروازہ اسی آثار پرستی سے کھلا۔ ابتدا میں یہ ہوا کہ کسی بزرگ اور مقدس انسان نے دنیا کو انتقال کیا۔ اس کی محبت و ارادت کی وجہ سے اس کی یا اس کے آثار و تبرکات کی فکر نے عزت و عظمت کی شروعات کر دی۔ عزت نے کچھ فائدہ کے بعد اہل تہذیب کی عقل امتیاز کی۔ اہل تہذیب پرستش و تعبد کا مذہب نہیں لگایا۔ چنانچہ توحید و تہذیب

حضرت عبداللہ بن عباس نے سیدہ نوحہ کی تفسیر میں پسندیدہ فرمایا، انسانی پرستش کا الہیں صحنہ
یہی معاملہ تھا۔ اسلام دین آخری تھا اس لئے وہاں تمام راجوں کو قطعاً بند کر دینا چاہتا تھا جو آگے
چل کر شرک کا دیو بن گئی تھیں، اس لئے اس نے اس طرح کی قسم باتیں روک دیں اور صرف
روکی ہی نہیں بلکہ ان کے منع میں اس قدر شدت و اتہام کیا کہ جس بات میں کوئی ادنیٰ
سی وجہ مشابہت یا وجہ اشتباہ پائی تو اس کا لہذا لہذا یہ ان کا اہتمام کر دیا۔ پوری تفصیل اس کی اس
وقت آئے گی، جب علوم و تحقیقات نرسنگی محل کے نظارہ و تماشا کے بعد اصل موضوع پر فرصت
انتفاع ملے گی۔ یہاں صرف اس قدر شاہد کرنا مقصود ہے کہ چونکہ بزرگوں کے آثار کی محبت
& تعظیم کی افراط بھی مجملہ ذرائع شرک و تہذیبِ شرع تھا، اس لئے اسلام نے اس کی روک تھام بھی
اتہام بیخ کیا اور ادا نائل میں طائفوں نے بوجہ قرب عبدِ جاہلیہ جب کبھی کوئی ایسی بات کی، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت غضب ناک ہوئے اور بلا استثناء یہی حال عبدِ خلفائے
راشدین اور عبدِ صحابہ کا رہا۔ نظائر و شواہد اس کے بے شمار ہیں۔

سب سے بڑی آزمائش

لیکن چونکہ حاملِ نہایت نازک تھا۔ محبوب و مطاع کی محبت و تعظیم اور مغفوس و مطرود
سے نفی و استکراہ طبعی صفتِ انسانی کا قدرتی مقتضا ہے اور چونکہ نوحہ انسانی کے لئے راہ
عمل کی سب سے بڑی آزمائش اسی میں ہے کہ فطری امیالی و جنبات میں عدل و اعتدال ملحوظ رکھا جائے
نیز یہ کہ اسلام سے پیشتر تمام قومیں انبیاء اکابر امت کے قبور و آثار کو پرستش گاہ بنا چکی تھیں
اور سنہ ہجری میں اس بات کی علت و علت طہائے میں راسخ ہو چکی تھی، اس لئے اگرچہ اسلام
اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سحرانہ قوت و صلوات و انقلاب سے کوہِ کمال اور وہی
اللہ انی لہی پر لوگوں کو مستقیم کر دیا تھا، تاہم بعض اوقات ایسا جتنا تھا کہ لوگ جنبتِ عقیدت
و محبت سے بے اختیار ہٹ کر کوئی ایسی بات کر جیتے تھے جس سے بزرگوں کے آثار و جنبات
کو نہایت گماہ جانے کی راہ کھل سکتی تھی یا حد شرع سے متجاوز تعظیم و جلال و اصل

اتنی بڑی تہنیت الہی صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً لان اس کا نوازیدہ بین فیصلوں تحتاً خاف علیہم اللہ
 میں حضرت عمرؓ کے حکم دیا کہ وہ درخت اکھاڑ دیا جائے جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے صحابہ سے بیعت رضوان لی تھی۔ چونکہ وہاں لوگ جانے لگے تھے اور اس کے نیچے نماز
 پڑھتے تھے اس لئے انہیں فتنہ کا خوف ہوا اور اسی لئے اسے کٹوا دیا۔ اتنی اندھی چھٹی
 میں بھی حضرت ابن عمرؓ سے ہے کہ اس درخت کے باقی نہ رکھنے میں یہ مصلحت سمجھی کہ اگر
 چل کر مسلمان کے لئے فتنہ کا موجب نہ ہو جائے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سے انتساب کی وجہ سے لوگ اس کی تعظیم و اہمال شرعاً ذکر دیں۔

قابل توجہ امور

اس دعایت سے معلوم ہوا کہ :

۱۔ بیت رضوان والا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت عظیم الشان واقعہ تھا۔ یہ درخت
 اس واقعہ کی یادگار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس درخت کا ذکر کیا تھا اور
 اس طرح قیامت تک کے لئے اس کا تذکرہ محفوظ کر دیا تھا تاہم جب حضرت عمرؓ نے
 دیکھا کہ اس انتساب کی وجہ سے اس نے عام کی نظروں میں خصوصیت حاصل کر لی ہے اور لوگ
 تبرک کے خیال سے اس کے نیچے آتے اور اس کا قصد کرتے ہیں تو اسے کٹوا دیا یہ تمام مجمع
 صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اور جیسا کہ اصل میں طے پا چکا ہے اس
 سے صحابہ کا اس عمل پر اجتماع تقریری ثابت ہو گیا۔

۲۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اس باب میں شرعاً جو حالت مخدوش ہوتی ہے
 وہ یہ ہے کہ ایسے مقامات کی زیارت کا لوگ قصد و اہتمام کرنے لگیں، نہ کہ محض یاد دہانیوں اور
 باثر کا مجدد۔ قصد و اہتمام سے مقصود یہ ہے کہ مقدس انتساب کی وجہ سے اسے ایک
 مقدس مقام تصور کر کے زیارت کے لئے لوگ جائیں اور سمجھیں اس سے انہیں ثواب اللہ پرست
 حاصل ہوگی، لیکن اگر کسی مذہب کا معاملہ نہیں سمجھا ہے اور لوگ ایک مقام کو محض ایک یادگار کی حیثیت سے

بجھاتے ہیں اور اس کی پہچان کی وجہ سے ان میں صاحبِ یادگار کی محبت و عزت کے جذبات بھی حرکت میں آجاتے ہیں جو غافلہٴ انسانی ہے اور جب کبھی اس پر گزر ہو جائے اسے دیکھتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں تو اس حد تک شرفِ کائناتِ مضافہ نہیں۔ شریعت ایسی یادگارِ مطلق کی خالق نہیں ہے چنانچہ آگے چل کر واضح چمکا کہ یہ دعت اس حیثیت سے برسوں تک محفوظ رہا، مگر صحابہ کو کٹھن نے پہ توجہ نہ دی، کہیں کہ یادگار کا معاملہ دعا اعتدال سے متجاوز نہیں ہوا تھا، لیکن جو یہی متجاوز ہوا فوراً حضرت عمرؓ چونکے اور حکم دیا، جڑ سے کٹوا کر زمین اس طرح صاف کر دو کہ آئندہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے اور جنگِ سراغ نہ لگا سکیں۔

معاملے کی اہمیت

۳۔ اس سے یہی معلوم ہوا کہ یہ معاملہ شریعت کی نظروں میں کس درجہ اہم ہے اور فائدے و مسائلِ مفاسد کے انحصار میں صحابہ کرام کو کہ اسرا و شرع کے قورم و ازبے کسے ہم اہتمام ملے تھا؟ یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ان بدع و رسوم کا مسلمانوں کو ذہن و گمان کبھی نہ گزرا تھا، جو بعد کو غیر اقوم کے اختلاط و اتباع سے پھیلیں۔ ممکن ہے اس دعت کے پاس عمارت یا گنبد نہیں بنایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کی جگہ گھیر کر اسے سنگ مرمر سے پاٹ نہیں دیا تھا۔ چاندی کا کوئی گہرا نہیں تھا۔ زکراۃ منقش چاند نہیں ڈالی تھی۔ پہلی نہیں چٹھائے جاتے تھے۔ گلاب سے دھو کر اس کا پانی پر طہ تبرک کے نہیں ڈیتا تھا۔ عجاڑ خوش ہونے والی نہیں دہاں دیتیں۔ لوگ اگر اسے پس نہیں دیتے تھے۔ زمین پس مسجد سے نہیں کہتے تھے۔ رحبت قہقریا کے واسطے نہیں ہوتے تھے۔ ہاتھ باندھ کر قبعد و ابھیل اور خشرع و خضوع کے ساتھ کھڑے نہیں رہتے تھے۔ ایک عبادت شایہ اور معبد الہی کی طرح وہاں تمام سرد سامان درست نہیں کیا گیا تھا۔ پھر ان سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ لوگ اپنی تکلیفوں اور احتیاجوں میں اس کی منتیں نہیں مانا کرتے تھے۔ پڑھاوے اور نمنا نے نہیں پڑھاتے تھے۔ کوئی خاص دن ان کی زیارت کا معرکہ کر کے دیکھتے اصطلاحِ رسولین

مہر کرنا کہا گیا ہے، وہاں مثل موسم حج کے اجتماع نہیں جوتا تھا اور لوگ اپنے حجاج کی طلب نہیں کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ بات جو ہوتی تھی، یہ تھی کہ جب لوگ اس مقام پر سے گزرتے تھے، تو ایک عظیم واقعہ اور ایک عظیم مقدس انسان کی یادگار سمجھ کر یہ نیت تبرک و ثواب اس کا قصد کرتے اور وہاں جا کر یہ کھائے، بیع و رسوم کے غنا پر ہستے جو فاضل اعمال و افعال کا ہے، لیکن چونکہ اس بات میں بھی اس کے زیارت گاہ بن جانے کا معاذہ کھٹا تھا اور ایسے مقامات کا خصوصیت کے ساتھ قصد و اہتمام کرنا ہی ہر طرح کی خواہشوں کی بنیاد تھا، اس لئے صحابہ کرام نے سدا لدریہ فوراً انسداد کر دیا اور یہ مجرور و سادہ صودت حال بھی تعظیم و تبرک کی گواہی نہ دی۔ پھر خداوند دل جن پر تعظیماً بار اور الفتِ رسوم نے ابھی اس وجہ قبضہ نہیں پایا ہے کہ وہ ایمان و شریعت کی محبوب ہو گیا ہو، انصاف کریں کہ اگر آج صحابہ کرام وہ تمام باتیں دیکھتے جو یاد گاروں اور قبروں پر کی جاتی ہیں تو ان کا کیا حال ہوتا اور وہ ایمان و اہلیت و مسلمانوں کی بلبلیاں سمجھتے یا کسی دوسری قوم کی؟

برائیوں کے انسداد کا اصول

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ جو برائی جس وجہ قوی دعام ہوتی ہے اتنی ہی قوت و شدت کے ساتھ اس کا سد و اذہ بھی بند کرنا پڑتا ہے۔ برائیوں کی اصلاح و انسداد میں شروع کے احکام و اعمال بھی اسی اصل پر مبنی ہیں۔ چونکہ محبت و تعظیم کا معاملہ انسانی قلب کے لئے نہایت نازک واقعہ ہے، لہذا کوئی قوم یا مذہب یا دین انہیں سے نہیں بچ سکتی مگر محبت و تعظیم کی بے اعتدالی سے، اس لئے اسلام نے اس کے انسداد میں بھی کمال شدت و اہتمام کیا اور ایک چھوٹا سا سد و اذہ بھی کہیں کھلا نظر آیا تو فوراً اسے بند کر دیا۔ یہی حال صحابہ کرام کا تھا۔

م۔ اس معاملے میں اکثر معاملات کی طرح ہفتن ہفتن کے درمیان مقابلہ تھا۔ ایک طرف قائمہ تھا، دوسری طرف نقصان۔ فائدہ یہ تھا کہ کسی اہم اور مقدس معاملہ کی یادگار کا باقی

رہنا مفید ہے۔ یہ ہمیشہ آنے والی قوموں کو اس کی یاد دلاتا ہے۔ بعد ان کے جذبات و عواطف کے لئے عبرت و تذکرہ کا موجب ہوتا ہے۔ یہ مدخت تادیب اسلام کے ایک عظیم انسان و اتھ کی یادگار تھا، جس نے فی الحقیقت فتح مکہ کی راہ کوئی اور بھی فتح اسلام کی آخری فتح عظیم اور کاروبار و بیچ کی تکمیل تھی۔ ایسی یادگار کا قائم رہنا دراصل اسلامی فتح عظیم کے ایک بڑھاپا و اتھ کی تذکار کا باقی رکھنا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف ایک نقصان بھی تھا، یعنی لوگوں نے فطر اعتقاد و عظیم سے خصوصیت کے ساتھ زیارت شروع کر دی تھی۔ وہاں پہلے اور غار پڑھنے میں اہتمام کرنے لگے تھے۔ اگر یہ حالت گوارا کر لی جاتی تو ایک بہت بڑے شرعی اور اساسی نقصان یعنی غیر شرعی زیارت گاہ کے بن جانے اور لوگوں کے شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کا دروازہ کھل جاتا۔ اب مزید یہ کہ فائدہ اور نقصان دونوں تو بے جا ملے اور دیکھا جائے، باقی رکھنے کا فائدہ زیادہ ہے یا نقصان؟ ساتھ ہی اس اصل پہنچ کر کیا جائے کہ اگر کسی معاملہ میں فائدہ اور نقصان دونوں کا پہلو موجود ہو تو رعایت دفع مضرت کی مقدم ہے یا جلب منفعت کی؟ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کو حقائق شرع کے نکتہ شناس تھے اس کا فیصلہ کرنے میں کچھ دشواری پیش نہ آئی۔ انہوں نے بلا تامل فیصلہ کیا کہ اس درخت کے رکھنے میں فائدہ سے زیادہ نقصان کا دفع کرنا فائدہ کی تکمیل پر مقدم ہے پس بلا تامل کٹوا دیا۔ ایسے ہی احکام و اعمال سے فقہائے امت نے اصل عظیم مستنبط کی ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

معیار کا معاملہ

۵۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی تعلیم و احکام کا ایسے معاملات سے کوئی تعلق نہیں اور معیار اس باب میں وہ ہونا چاہیے جو خدا کی تعلیم سے قرار دیا گیا ہو اور شریعت نے اس پر ہر تصدیق ثبت کی ہو، نہ کہ انہماک و احساس جو بہ اسم احترام اکابر ہم نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں۔ جو حکم و مسالوں کے لئے اس دنیا میں خود انہماک حضرت علیؓ علیہ السلام

کے وجود مقدس و باریک سے بڑھ کر مستحق تعظیم و احترام کون وجود ہو سکتا ہے۔ جس کی تعظیم خدا نے ہر مسلمان پر عجبکم ”و لعزیزہم“ ”ذو القدرہ“ فرض کر دی ہے اور جن کی بے احترامی کا ارادہ کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے بدترین کفر ہے۔

پھر اس پر بھی غور کرو کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کو بڑھ کر اس وجود مقدس کی تعظیم کرنے والی اہم کون سی جماعت علی وجہ الارض ہو سکتی ہے؟ انہی حضرتؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ ان کی آواز خلقی طبع پر اونچی تھی۔ بات کرتے تو معلوم ہوتا پکار رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور چرخ کربات کر بیٹھے۔ ایک دعا میت کے بموجب اس رفیع صیبت میں حضرت ابوبکرؓ بھی شریک تھے۔ اس پر سورہ ہجرات کی یہ آیت اتری ”لا ترقوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجروا ولا یجروا لکم بعضاً“ الخ راوی کہتے ہیں جس دن یہ آیت اتری اس کے بعد سے حضرت عمرؓ کا یہ حال ہو گیا تھا گویا ان کی خلقی آواز ہی بدل گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بات کرتے تو اس قدر آہستہ اور نرمی کے ساتھ گویا کوئی راز کی بات کان میں کہی جا رہی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ دعایت ابن ابی ملیکہ ہے:

اذا حدث النبی بحديث حدثه کانتی السرا ولم یسمع حتی یتغیہ^۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد بھی آپ کا یہ حال تھا کہ مسجد نبویؐ میں جاتے تو قبر مطہر کے قرب کے وجہ سے سب کمال تعظیم و ادب منہ سے آواز مہذب نکلتی تھی کسی آدمی کو وہاں پکار کر بات کرتے دیکھتے تو سخت غضب ناک ہوتے اور فرماتے ترفون اصواتکم فی مسجد رسول اللہؐ؛ غم کرو ان کے ادا مان جیسے صحابہ کرامؓ و عشاقِ رسولؐ سے بڑھ کر کن کے دل میں ان کا عشق و احترام ہو سکتا ہو؟

۱۔ ایسا حال طبع نہ کرنا چاہی کہ آواز میں تنگی آجائے اور اس سے ذہلو ترشح کر جیسے ترختے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت نہ جو جائیں پھر اسے سلام اوقم کو خبر بھی نہ ہو (سورہ ہجرات)

۲۔ یعنی حضرت عمرؓ اس آیت کے نزول کے بعد اس قدر آہستہ بات کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے پوچھنا پڑتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا عمل !

ہاں! ہمہ انہی حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ اس تاریکی و رخت کی نگوں نے بالقصد و اہتمام زیارت شرمسار کر دی ہے اور بہ نیت تبرک وہاں جا کر نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے اس بات کی فدا بھی پر مادی کہ یہ درخت کس ذات گرامی کی طرف منسوب ہے اور اس کی ٹہنیوں اور تنوں کے نیچے کونسا حد جلوس فرما چکا ہے۔ بلا تامل اکھاڑ پھینکنے کا حکم دے دیا اور تمام صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا ادب و احترام کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ادب و احترام کا معین متقنی یہی ہے۔ بزرگوں کی سچی تعظیم یہ نہیں ہے کہ ان کی یا ان کے غریبات کی پرستش کی جائے یا ایسی باتیں کی جائیں جو پستش کا ذلیہ بن سکتی ہے۔ ایسا کرنا تعظیم کی جگہ عین بے احترامی ہے اور اس کا ازالہ متقناً تعظیم و محبت ہے، نہ کہ اس کا انقضا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ وغیرہم انبیائے کرام کے محبے خانہ کعبہ میں توڑے اور حضرت علیؑ علیہ السلام کے دست مبارک سے تر ڈائے۔ یہ ان انبیاء کی تعظیم تھی یا بے احترامی تھی؟

پھر جب خود حضرت سرور عالمؐ شہنشاہ کونین کا اقتساب حضرت عمرؓ اور عمرؓ کے لئے مانع ازالہ نہ ہوا تو تبارک و تعالیٰ سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے کون ہے، کس کی نسبت اور یاد گاریں محترم ہو سکتی ہیں؟

درخت اور عمارتیں

۶۔ اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ جس مقام اور چیز کی نسبت ایسا خطرہ لاحق ہو جائے بہتر یہی ہے کہ اسے اس طرح معدوم کر دیا جائے اور اس کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ آگے چل کر اگر گراہ طہائے اس کا کھج لگانا چاہیں اور زیارت گاہ بنانی چاہیں تو اس کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اگرچہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ لوگوں کو روک دیں یا اور کوئی ایسی بات کی روک تھام کی جائے اتنا ہی شجر کو دیں، لیکن آپ نے یہ نہیں کیا، بلکہ جڑ سے اکھڑا کر

زمین صاف کر دی تاکہ اس موضع اور مزارت کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔ صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی حضرت دانیال علیہ السلام کی حنوط دہی، کی چوٹی نعش کی تدفین میں کیا تھا، جب کہ وہ فتح قسطنطنیہ پر آمد ہوئی تھی اور کوئی علامت تبرک باقی نہیں چھوڑی تھی، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

۴۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اگر لوگوں نے کسی ایسی یادگار پر عمارت بنا کر اسے ایک مستحکم اللہ دانی زیارت گاہ بنا دیا تو اور قصد و اہتمام کے ساتھ لوگ اس کی زیارت کرتے ہوں تو یہ درجہ اولیٰ اس کا گردنیا بھی ضروری ہو گا کیوں کہ وہ خست کوئی ایسی چیز نہ تھا جسے لوگوں نے بہ نیت تعظیم و اجلال بنایا ہو۔ ایک خود شد چیز تھی جو بیعت رضوان سے نہیں معلوم کتنے برس پہلے سے موجود تھی۔ تاہم اسے اکٹھا وادیا گیا۔ پس جب درخت کے ساتھ ایسا کیا گیا، جس کی بنا پر نیت تعظیم و زیارت نہ تھی تو لوگوں کی بالقصد بنائی ہوئی علامت کا اہتمام تو بہ درجہ اولیٰ ضروری ہو گا، کیونکہ وہ خاص اسی غرض سے بنائی گئی ہے اور اپنی تعمیری میں خلل شروع اور موجب فتنہ ہے

(۳)

لطیفہ | یہاں ایک لطیفہ اہل ذوق کے تعین طبع کے لئے رکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا عبدالباقی نے لکھنؤ میں ایک جلسہ امیر ابن مسعود کے خلیفہ منعقد کیا تھا اور اس میں اپنی ایک تحریر پڑھوائی تھی۔ اس میں گیندوں کے لئے لکھتے ہیں:

گیند مقابلہ پر سے اتارے جاسکتے ہیں مگر ادب و تعظیم کے ساتھ نہیں اتارے گئے۔

لیکن اول تو اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اہتمام عمارت میں ادب و تعظیم کی حمایت سے حضرت کا مقصد کیا ہے، مگر عمارت شرفائی جانے لگی تو وہ شرفائی ہی جانے لگی، خواہ کتنا ہی ادب و تعظیم ملحوظ ہو یہ ہر حال یہ تو نہ ہو گا کہ گلاب چھڑک کر یا پھولوں کی چھڑی چھو کر گرائی جائے۔

بھاشا اور کمال ہی چلانا پڑے گا اور کچھ واقعہ ہو گا وہ ہم داندھم اور شکست و غریب ہی ہوگی
 تعبیر کو بھی نہ ہوگی۔ پھر اس اندام و غریب میں طریق ادب کو عظیم اندیشہ بے ادبی ہے
 احتیاج کی تفریق کیوں کر کی جائے اور اس کا معیار اور ماہر الا یتاز کیا ہے؟ مزید برآں
 یہ نہیں معلوم کہ یہ جو حضرت عمرؓ نے بیت رضوان والا درخت جڑ سے لٹوا دیا تو یہ قاعدہ جدیدہ
 فقیر ذہنی علم ادب و عظیم کے ساتھ لگوں نے اس پر کچھ دڑا چلایا تھا بے احتیاجی کے
 ساتھ؛ یقیناً یہ کسی روایت میں نہیں حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا ہو کہ باقاعدہ دستور کے اور تسبیح
 ہاتھ میں لے کر اندر جھڑائی سلا کر یا گلاب اور کیڑہ پھڑکتے ہوئے درخت کاٹا جائے؛ لیکن
 اگر کسی کٹر احمال میں ایسا بھی آیا ہو یا مٹانا کے اکابر کے طغیانات میں کہیں وجہ جو جیسا کہ قرار
 جسم کے علاقے کا کٹہہ طبع اور لطیفہ عجیب اس تحریر میں حوالہ ظلم ہوا ہے تو امید ہے
 کہ مولوی عنایت اللہ صاحب یا قطب میاں صاحب کا ارشاد ہو جائے گا کہ کسی تحریر میں اسکی
 تفصیل بھی کر دیں جیسی کہ ماٹار اٹھڑی زلف مفرور میں کی گئی ہے، لیکن اگر اول الذکر کو یہ وجہ پسلی
 اور ثانی الذکر کو وجہ مصلحتی، فرصت تحریر نہ ملے تو خیر سے الطاف میاں حفیظ و سفر میں حضور
 و دعاء کی سہولت سے مالا مال میں انہیں حکم ہو جائے کہ ایک پرسٹ کارڈ ہمہ کے نام
 بھیج دیں۔

تعبیب انگیز جرات و بے باکی

اب ملاحظہ ہوا کہ ایسے صاف اور قطعی الدلائل واقعہ کو جو ان کے خلاف از مرتابا
 جقت پر حجت اور برہان پر بہان ہے، کس تعبیب انگیز جرات و بے باکی کے ساتھ نظر امر شاہ
 رہا ہے، پھر بچانے اس کے اس کا جواب دیں، فقہ اپنے جی سے ایک بات چکر کر اور اسے
 مسلم الشریعت قرار دیکھو ہم سے سوال کرتے ہیں، حضرت نے دعوت کو اکٹھا دیا، لیکن مائشکی
 محتاج نہیں کہہ رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ گویا ان کے عہد میں تاثر پر خطابات و مساجد
 زیارت کا ہر تالیک ایسا معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے کسی اثبات کی ضرورت نہیں۔

صرف ہم جیسے نادانوں کو یہ سمجھادینا باقی رہ گیا ہے کہ انہیں منہدم کیوں نہیں کیا گیا؟ اس پر غور کریں۔ نسجاگ ہذا بہتان عظیم!

حقیقت یہ ہے کہ فقدانِ امتیاز حق و باطل کی حد ہو گئی۔ اسی طرح غلط بات کھلے بندوں نہ صرف بیان کی جا رہی ہے بلکہ اس سے استدلال کیا جا رہا ہے۔ ہم اہل علم کے فہم و استدلال کی غلطی ظاہر کر سکتے ہیں، لیکن یکسر غلط بیانی کے جواب میں بجز اس کے سر پیٹ لیں اور کہہ دیا کر سکتے ہیں؛ میں کہتا ہوں پہلے خدا را یہ تو ثابت کر دیجئے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یا شریک پر عاتقین اور مجوسین نہائی گئی تھیں اور لنگ با عقدا و استہام ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ ہم سے سوال کیجئے گا کہ حضرت عمرؓ نے کیوں نہیں گرائیں؟

ایک سوال اور حقیقتِ حال

جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایسی عمارتیں تھیں ہی نہیں تو گرائے کسے؟ ہوا لگاتے؟ عمارت کا اس نیت سے تعمیر کرنا تو بہت بڑی بات ہے اس کا تو مصایفہ کو دہم دگان بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے تو یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ ایک درخت کا دو چوڑی باقی رہے جو اس نیت سے لگایا نہیں گیا تھا، بلکہ پہلے سے موجود تھا۔ صرف یہ ہوا تھا کہ پھر ایک مقدس انتساب کے عوام اس کے نیچے خصوصیت کے ساتھ ٹھہر گئے تھے۔ جب یہ صاف اور واضح عمل مصایفہ کا موجود ہے تو اب دنیا کی کس کس بوجہ میں ایسی امشیا کا اہتمام و انسداد ثابت نہیں ہوتا اور یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ بھلا حضرت عمرؓ نے ایسی باقی کیوں چھوڑ دیں؟ یہ کیا مقل و بصیرت کا قتل عام ہے۔ آخر کوئی جملہ نے باقی کہاں چھوڑ دیں؟ ایک درخت سے اس طرح کا کشکا ہوا تھا، اسے جڑ سے اکھڑا پھینک دیا۔ خط را معتقدین و مریدین مولانا صاحب انصاف کریں

کریں۔ یہاں جو کہ واضح کیا مقصد ہے یہ ہے کہ اگر شروع قتل میں عدم قطع عدم جہد سے وقوع و جہد ہوا استدلال جائز ہو سکتا ہے تو مولانا کا استدلال بھی قابل قبول ہے، و مذہقہ نفس الامری سے کہ جب مصایفہ، عمارت کا قطع ہوا، ہوا اور اعمال جہد کا

جیسی دم و میل بھی ہا تھا جیسی عبادتوں سے وابستہ ہیں۔ ایسی عادتیں اس مہدی میں فرض کر کے ان کے منہدم نہ ہونے سے استدلال کرنا نہ صرف بہ اصطلاح فن مناظرہ و معادہ علی المطلب ہے بلکہ غلط بیانی کی جرات کی اتنا ہے اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی بے نیچی نہیں چوسکتی کہ جو لوگ علماء کے کہیں میں رہتے ہوں اور دس و تیریں علوم و رمیہ کا مشغلہ رکھتے ہوں ان کے قلم سے ایسی بات کا صدور ہو۔

روایت معمر دربن سوید | لیکن نہیں، مولانا صاحب نے تو اس کے ثبوت میں ایک مآخذ بھی نقل فرمایا ہے اور کمال شانِ علم و تخریج کے ساتھ کنز العمال کا حوالہ بھی دے دیا۔ نیز ہنسن صاحب نے ازراہ غایت اصل دعایت بھی نقل کر دی ہے اگرچہ تصحیف و تحریف کے ساتھ۔ بہر حال کہیں، دیکھیں صرف حضرت کے علم و دعوات کی نمائش کے عجائب و خوارق کا کیا حال ہے؟

مولانا کا بیان پھر ایک مرتبہ یاد کر لیجئے فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کے کھڑنے کا حکم نہیں دیا۔ دلیل یہ ہے کہ کنز العمال میں ہے آپؐ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان مساجد پہلے وقت نماز ہو تو پڑھ لیا کرو اور فرمایا اگلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں گی انھوں نے معبد ایسے مآثر پر بنایا تھا۔ پھر بہ الدین تمام اس سے نتیجہ نکالتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہاد صحابہ میں اس کی (مآثر پر بنائی ہوئی مسجدوں) کی زیارت لگ کر تھے۔ حضرت عمرؓ کے قصد کے باوجود انھوں نے حضرت عمرؓ نے نہ تو لوگوں کو زیارت و نماز سے باز رکھا، نہ مسجد کو شکست کرایا۔

اب نیچے حقیقتِ حال یہ ہے و معمر بن سوید روایت کرتے ہیں کہ ازراج معمر بن حذافہ فرمایا عن انس بن مالک ماذا؟ فقالا مسجدی مصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ انک اہل کتاب، اتخذنا آثا رہا بنیائیم بیجا۔ من عرفت لہ حکم فی الصلوۃ فلیصل و

من لم قمر من رحم الصلوة فلا یصل : یہ عجب طرانی کے الفاظ ہیں۔ عبدالرزاق نے سند میں یہ روایت
حسب ذیل نظروں میں رکھ کر کی ہے اور کنز العمال نے اسے نقل کیا ہے۔ اس میں محمدی کسی
وضاحت زیادہ ہے۔

صلیٰ مع عمر بطریق مکہ صلوٰۃ الصبح ثم یذکر فیہ من مذاہب فقال ایہ ذہب
برکاء : فقیل سجد صلیٰ فیہ البقی صلیٰ اللہ علیہ وسلم فیہ یصلون قیہ فقال انما یک من کلکم
بمثل ہذا کافوا یتبعون آثار انبیائکم ویتخذونہا کانس وسمیٰ لمن ادرك الصلوة فی ذہ الساجد
فلیصل ومن لا یصلی لا یتعدی

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ معمر بن سوید کہتے ہیں میں حج سے واپسی کے وقت حضرت
عمرؓ کے ساتھ تھا۔ راہ میں ایک جگہ ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دیکھا
کچھ لوگ ایک طرف جا رہے ہیں۔ پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ کسی نے کہا، یہاں ایک مسجد
ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ پس یہ لوگ بھی اس میں جا کر
نماز پڑھتے ہیں یا جا رہے ہیں تاکہ نماز پڑھیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا تم سے پہلی
قومیں اور یہودی و نصاریٰ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے بقیوں کے آثار کا کھوج لگاتے
تھے۔

پھر انھیں عبادت گاہ بنا لیتے تھے۔ چاہیے کہ تم میں سے جس کی کو اس میں (ادھر دیکھو)
روایت میں ہے کہ ان مسجدوں میں نماز کا وقت مل جائے، پڑھ لے۔ جسے نہ ملے،
نہ پڑھے۔ یہ ذکر ہے کہ محمد و قعد سے وہاں جا کر نماز پڑھے۔ (انتہی)
روایت کی اصل و اساس

اب خدا انصاف کیجئے کہ یہ روایت کیا کہہ رہی ہے اور اسے کس نماز میں پیش کیا جاتا ہے؟

اولاً رعایت میں عاف موجود ہے کہ دونوں نے حضرت عمرؓ سے کہا، یہاں ایک مسجد ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی: مسجد فیہ النبیؐ۔ لیکن اس سے معلوم ہوا وہاں ایک مسجد تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا، یہ نہیں کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ بہ نیت تبرک و تعظیم کوئی مسجد بنائی گئی تھی اور لوگ اس کی زیارت کے لئے جا رہے تھے۔ پھر کیسے دھرم کے کذب بیانی ہے کہ جس رعایت سے استدلال کیا جائے اس میں تو ایک مسجد کا ذکر ہو، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اور استدلال یہ کیا جائے کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی؟ پھر اسے تاثر پر مساجد سے تعبیر کیا جائے۔ کجا پیشتر سے ایک مسجد کا ہونا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا اور اس لئے لوگوں کا بھیجاں وہاں جاکر نماز پڑھنے کا ارادہ کرنا اور کجا یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ نماز پڑھی جو، اسے زیارت گاہ بنانے کے لئے اس پر مسجد تعمیر کرنا اور بہ نیت زیارت مرفوع صلوة اس کی زیارت کے لئے جانا؟

دو صورتیں

میں اور زیادہ واضح کو دیتا ہوں۔ دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم جدا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ کسی مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو، یعنی مسجد پہلے سے بنی بنائی موجود ہو۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ آپ نے وہاں نماز پڑھی اور اسباب جن لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی، انہوں نے جابجا اسی مسجد میں نماز پڑھیں۔ یعنی بوجہ آپ کے نماز پڑھنے کے اسکی خصوصیت کا اعتقاد ان میں پیدا ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، وہاں مسجد نہ تھی۔ چونکہ آپ نے نماز پڑھی چونکہ آپ نے نماز پڑھی اس لئے لوگ اس کی زیارت کرنے لگے اور بہ نیت تعظیم و احترام زیارت گاہ بنانے کے لئے وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی۔ یہ ظاہر ہے کہ ساری بحث دوسری صورت میں ہے نہ کہ پہلی میں اب خود کیجئے، رعایت میں کس صورت کا ذکر ہے؟ رعایت

میں بلاشبہ لوگوں کا ناز و پُرستے کے لئے جانا نکلا ہے، مگر کہاں؟ مسجد منیٰ فیہ النبیؐ، ایک مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناز و پُرستے کی تھی۔ یہ نہیں ہے کوئی مرفیع علیٰ ذیہ النبیؐ فنیوا علیہ المسجد یعنی اس مقام میں جہاں آپ نے ناز و پُرستے کی تھی لہذا اس لئے وہاں مسجد بنادی گئی تھی۔ یہیں معلوم ہوا کہ پہلی صورت تھی نہ کہ دوسری۔ لیکن مولانا کا دعویٰ یہ ہے کہ اس عہد میں مآثر پر مسجدیں بنائی گئی تھیں اور دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ اس میں مآثر مالی مسجد کا ذکر موجود ہے سوال یہ ہے کہ کہاں ذکر موجود ہے؟ روایت کے کس لفظ، کس ترکیب، کس اشارے سے یہ عجیب الحقت اور غریب النسل استنباط ہوا ہے؟

ثانیاً مولانا سمجھتے ہیں اس روایت میں ہے کہ "حضرت عمرؓ نے لوگوں کی زیارت پسند نہیں کی، یعنی جو فعل ان لوگوں نے کیا تھا وہ مآثر کی زیارت تھی، پھر وہ سطر کے بعد ارشاد ہوتا ہے "اس سے صاف معلوم ہوا کہ ناز و پُرستے میں اس کی زیارت لوگ کرتے تھے حضرت عمرؓ کے تشدد کے باوجود انھوں نے (یہ انھوں نے نہ مولانا کی اس عبادت لطیف و فصیح میں بار بار آتا ہے معلوم نہیں اس انھوں سے مقصود خود حضرت عمرؓ ہیں یا صحابہ یہ ہر حال ممکن ہے) نہ تو لوگوں کو زیارت و ناز و پُرستے سے باز رکھا، نہ مساجد کو شکست کرایا۔"

متضاد باتیں

اس جہات میں دو سطروں کے اخذ متضاد باتیں فرمادی گئی ہیں۔ پہلے تو کہلے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی زیارت پسند نہیں کی۔ اس کے بعد بے تامل بکھیا کہ انھوں نے زیارت سے باز نہیں رکھا تو اس لطف بیان کے داد دینے سے بالفعل قطع نظر کرتا ہوں کیوں کہ فضائل و کمالات کے جماعی مراتب و مقامات اس مضمون میں نمایاں کر دیے ہیں انکے تقاضا و تماشا کی محویت میں بھلا اس چمکے چمکے طوائف و بلائیں ہر آنکھ شامانے کی بہت کب مل سکتی ہو؟

مشطہ مانگو کہ برہمہساب حسن ہمار
چیز سے فزوں کند کہ قماش بارسد

لیکن خدا مائے کوئی تھانے، اس پوری سعادت کے کس لفظ سے یہ بات نکلتی ہے
کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ ماثربہنی ہوئی مسجدوں کی زیارت کیا کرتے تھے؟ روایتیں
کو صرف یہ ہے کہ لوگ ایک طرف چلے، پوچھا کہاں جاتے ہیں؟ کسی نے کہا یہاں ایک مسجد
ہے جس میں آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی، اس لئے یہ لوگ بھی وہاں نماز پڑھتے ہیں اس پر حضرت
عمرؓ نے کہا کچھ ایسی باتیں ایسی ہی باتوں سے ہلاک ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جس بات پر ناپسندیدگی ظاہر کی وہ یہ تھی کہ
خصوصیت ادا اہتمام کے ساتھ اس مسجد میں نماز پڑھی جائے اور اس کا قصد کیا جائے
کیونکہ یہی بات لوگوں نے کی تھی۔ پھر یہ زیارت کا معاملہ کہاں سے آدھکا؟ زیارت کو پورے
دائم سے کیا قائل؟ آخر یہ کیا قیامت ہے کہ ایک جھوٹی بات خود اپنے جی سے گھڑ لی جائے اور
اسے حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ کے مترشح ویا جائے۔ ساتھ ہی بے باکی اور جرات کا یہ عالم
ہو کہ کثر احوال کا حوالہ بھی بے نکان دے دیا جائے؟

صحابہ کا متفقہ فیصلہ

ثانی حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کو ان کے تشدد سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا مقصد

یہ ہے کہ آثارِ مبارکہ کو زیارت گاہ بنانے کے خلاف ان (حضرت عمرؓ) کا ارشاد شریفین
کا کوئی عام اور صحابہ کا مجمع علیہ کا کام نہ تھا بلکہ جس طرح صحابہ کرامؓ میں بعض لوگ اپنے
خاص فوق و طبیعت کی بنا پر کسی خاص بات کے کرنے نہ کرنے میں زیادہ سختی کیا کرتے تھے
ای طرح حضرت عمرؓ بھی اس بات پر متشدد تھے۔ پس یہ بات ان کے تشددات مخصوصہ
میں سے ہے اسے صحابہ کرامؓ کا مجمع علیہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

تشدد کی حقیقت !

حقیقت اس تشدد کی یہ ہے کہ جس طرح انسانوں کے ہر گروہ میں فزوق اور طبعیت کا اختلاف ہوتا ہے، اسی طرح صحابہ کرامؓ میں بھی تھا، لیکن ان کے حلال و حرام میں؛ اتباع سنت اور احداث بدع میں؛ مکروہات و منکرات کی پسندیدگی اور عدم پسندیدگی میں؛ حاشاکہ کئی ایک صحابی بھی دوسرے صحابی سے اس باب میں مختلف ہو۔ یہ امور و شرع و ملت کے اساسات و ارکان تھے۔ ان میں نہ تو اختلاف فزوق کی گنجائش تھی، نہ تشدد و عدم تشدد کو دخل۔ دراصل یہ اختلاف فزوق و مشرب خود شریعت ہی کے اتباع کے مختلف مراتب و مدارج اور طریق سلوک و وصول میں تھا۔ مثلاً جو شخصیں نہ وہ قناعت اور ترک دنیا کی طرف مائل تھیں، وہ شریعت کی عزیمتوں کو اس کی رخصتوں پر ترجیح دیتی تھیں اور آسانوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی شائق نہ تھیں لیکن جو لوگ دنیوی زندگی کی مقتضیات و مطالبات سے وابستگی رکھتے تھے ان کا فزوق اس طرح کی سختیوں کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا۔ وہ عزیمت کی طرح رخصت پر بھی عمل کرتے تھے بلکہ عام حالات و ضروریات کی اخذانہ شناسائی کی وجہ سے بسا اوقات رخصت کو عزیمت پر ترجیح دے دیتے تھے۔ نہ وہ عبادت میں بھی ان کا سلوک اعتدال و اعتدال پر مبنی ہوتا تھا نہ سمجھتے تھے کہ ہمارے لئے کمال و فطرت سے کہیں زیادہ دنیا اور دنیا والوں میں رہنا سہنا اور ان کی خدمت و اصلاح کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔

مختلف مثالیں

چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوذرؓ ترک دنیا و قناعت مائل تیسرے نہیں تھے۔ مسرت تھے۔ اسالیں و فیم دنیا کی طلب کو برا سمجھتے تھے۔ سلف نے ان کی یہ بات ان کے تشددات میں سے شمار کی ہے اور خود حضرت ابوذرؓ نے باوجود سختی سے انہیں ٹوکا ہے اس طرح عبداللہؓ بھی ترک دنیا و قناعت مائل تھے، اس کے عین میں نہایت دیر ہوا تھا

ہمیں کے حکمت خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبی صریح مہجہ ہے جو اس نقض کا صمدان
 امت پر کھڑا ہے، دوسرے سے شریعت کی اصل و اساس یعنی توحید خالص کو منکروں کا لودہ
 کر دینے والا ہے، جو اس فعل تک منجز ہو سکتا ہے، جس پر اللہ کے رسولؐ نے مرض الموت
 کے بشری لعنت بھیجی تھی اور جو منجور ان کے پانچ کلمات وصیت کے ہے کہ لعن اللہ الیہ و ذر
 انصافاً، اتخذا قبوراً بنیائہم مساجداً، اور جس کی وجہ سے تمام سابقہ اقوام عالم باوجود
 انزال کتب و انجاث نبوت و تعلیم و دین اللہ الخ لہم قبل اسے شرک و ضلالت ہو گئیں اور
 دین حقیقی مسخ و محو ہو کر رہ گیا۔

محرم اسرار شریعت

پھر ایسا ہوتا ہے کہ عبد صحابہ میں حسب مقتضائے طبیعت بشری بعض خوش عقیدہ
 مگر ناقص لوگ کئی ایسی بات کو سمجھتے ہیں جس سے اس معاملہ کا ایک ابتدائی رد و ازہ کھل جاتا
 ہے اس پر حضرت عمرؓ تمام صحابہؓ کی مہجہ گئی اس کا قضا الہیہ کرتے ہیں امدان تفرشیں
 سے دے سکتے ہیں، ہجرت کو ایک فسادت گیری سے روشناس کر دے سکتی ہیں، کون حضرت
 عمرؓ کہ محرم اسرار شریعت تھے، نکتہ شناس و قائل ہدایت و ضلالت ہم تھے، انا اللہ اسلام
 تھے۔ اس شہادتِ عظیم نبویہ کے مورد تھے کہ ان اللہ جل العلیٰ لسان علیہ السلام (رواہ ابو داؤد
 و ترمذی) اور مرتبہ خاموشی شریعت (بالفتح) سے فائز المرام تھے من غیر ان کی ان بنیاد و کما انجوز
 ایشان پھر صورت بتا ہی نہیں بلکہ ان کے اہتمام انہ علم و سنت ان کے اس فعل سے دلیل
 پکڑتے اور اس طرح کے مشکوکات و مفاسد کے خلاف بطور ایک واضح و طبعی حجت کے پیش
 کرتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں مطلقاً عبد الہادی صاحب شریعت ہوتے ہی اعتراضات
 ہیں یہ تو اچھے تشددات ہیں سے تمامہ اس پھر میں باوجود ان کے تشدد کے لوگ تاثر پر عمارات
 و سجادہ بناتے ہیں امدان کی زیارت کیا کرتے تھے گویا جس طرح حضرت عبداللہؓ میں قرآن کی تفسیر
 کے متعلق ایسی آیت تھی کہ انہ پانی ڈال یا کرتے تھے یا حضرت ابوہریرہؓ کا سبیل کرنا تھا

جانتے تھے، ادیابی حضرت عمرؓ بھی اس معاملے میں تشدد کرتے تھے۔ مدد ملیے شریعت کا حکم یا ماضی کا عام مسلک یہ نہ تھا۔ خدا نا تجھ کوئی بتلائے کہ اس تیرہ سو برس میں کس اہل علم نے بھی حضرت عمرؓ کے تشددات میں سے ایک ایسے صریح ہنر منہ لنگر کو شواہد کیلئے اور کوئی حساب علم الہیہ کیا کرنا ہرے نکال سکتا ہے !

آثار و آثار

راجا..... دیانت، رعایت و حکایت کا ایک اور منظر بھی قابل دید ہے۔
 کھتے ہیں: حضرت عمرؓ نے فرمایا اگلی امتیں اس وجہ سے ہلاک ہوتی ہیں کہ انھوں نے مسجد
 آثار پر بنایا تھا۔ حالانکہ رعایت میں کہیں یہ نہیں ہے کہ مسجد آثار پر بنایا تھا۔ اس میں تو یہ
 ہے کہ کالونیستوں ان آثار انبیاء ہم دینہ نہا کنا لیں، یعنی پھلی امتیں ہلاک ہوئیں کہ اپنے
 نبیوں کے آثار (نذکر آثار جیسا کہ مولانا نے معنی آثار استعمال کر رہے ہیں) ڈھونڈتی تھیں (دیکھ
 انھیں کینہ اور سچ بنا لیتی تھیں، یعنی ان آثار ہی کو مسجد بنا لیتی تھیں۔ یہ نہیں کہ آثار پر
 بناتی تھیں۔ دونوں صدوں میں عظیم فرق ہے۔ کہاں کسی چیز کو مسجد بنا لینا اور کہاں اس پر
 مسجد بنانا اس سے بڑھ کر تحریف لفظی و معنی اور تحریف لفظی و معنی کی مثال اور کیا ہو
 سکتی ہے؟

لیکن..... یہ حکمت بیان کیجئے: اس لئے کہ وہاں ہمارے احکام شریعہ کی حقیقت
 مشتبہ کرنے کے لئے جھگڑا رعایاں یہ حضرات کر رہے ہیں، ان میں اس تحریف سے عدل۔
 احادیث و آثار میں جابجا اس سے مذکور کیا ہے کہ آثار و قبور کو مسجد بنایا جائے۔ یہ لوگ
 اس کا یہ مطلب کیسے ہوتے ہیں کہ قبور و آثار کو مسجد بنانے سے مقصد ان پر سجدہ بنانا ہے اور ان کو
 ہم محترمہ کے لئے جو نہیں بناتے اس لئے یہی چاہئے کہ وہ وہ رسوم سے تعلق نہیں رکھتی۔
 پس اس رعایت میں بھی جہٹ حضرت عمرؓ کے قول میں تحریف کر گئے کہ ایک منہی بات
 ہو سکتی ہے اسے اہل علم تو نہیں کریں گے اور وہ عام پر حقیقت حال مشتبہ ہو جائے گی

(میم)

عہد صحابہ کا تعامل مصیبت یہ ہے کہ یہاں ہمارے لئے مصیبت کی کوئی سطح متنی نہیں۔
ہوں جو بڑھتے جائے زیادہ سمجھنا تک اور وحشت ناک صورتیں نمودار ہوتی جاتی ہیں۔ ان
تمام مخاطب و خوارق استدلالات سے کبھی بڑھ کر جو اس وقت تک اس روایت سے جو چکے
ہیں، مولانا کا یہ استنباط ہے:

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صحابہ میں
اس کی (ماثر و ملا صاحب کی) زیارت لوگ کرتے تھے؟

یعنی یہ اس روایت میں ہے کہ حضرت نے کچھ لوگوں کو اس مسجد میں جاتے دیکھا اور وہ کہتے
تو اس سے معلوم ہوا کہ لوگ یہ بات کرتے تھے جیسی تو وہ کہیں؟ پس اس سے نہ عزت معمولی درجہ کی
مملوئیت حاصل ہوتی بلکہ "صاف" معلوم ہو گیا کہ عہد صحابہ میں لوگ ایسے ماثریکی زیارت
کیا کرتے تھے..... اس صاف "استنباط پر نذر دینے سے مقصود یہ ہے کہ.....
معتقدین سمجھیں یہ باتیں کچھ نئی نہیں ہیں، عہد صحابہ میں بھی ہوتی تھیں۔ باقی یہ بات
کہ..... قیمتی سے اس روایت کا اصل حصہ حضرت عمرؓ کے انکار پر مشتمل ہے تو اس کا
دفعیروں کو دیا گیا کہ یہ توان کے تشادات میں سے تھا۔

معاملے کی شہادت

اب حقیقت حال سنئے!

اولاً ناظرین پہلی روایت پڑھ چکے ہیں۔ سرے سے معاملہ زیارت کو تو اس سے
کوئی تعلق ہی نہیں۔ نہ تو اس مسجد تاخر پر بنائی گئی تھی، نہ لوگ ماثریکی زیارت کے لئے گئے تھے۔
نہ حضرت عمرؓ کے عیافت حال کبھی نے زیارت کا ذکر کیا، نہ حضرت عمرؓ کے جواب میں زیارت
کی طرف کوئی اشارہ ہے سائر کو زیارت نگاہ بنا کر وہاں زیارت کے لئے جانا تو بہت
بڑی بات ہے اس کا صحابہ کرامؓ کو ہم مکان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے قاتلہ بات بھی گوارا

مہنہ کی کسی مسجد میں خصوصیت و امتیاز کے ساتھ اس لئے غار پڑھی جائے کہ وہاں آنحضرتؐ کو ناز پڑنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ اس سعادت میں جو کچھ ہے، ایک ایسی ہی مسجد میں بالخصوص ماتہام غار پڑھنے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ زیارت زیارت کی رٹ کیا لگائی ہے؟ کیا یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ کے رسولؐ سے تربیت یافتہ انسانوں کا بھی وہی حال تھا جو ان کا امدان کی پیری و شیخت کے جمع و مدیم کا ہے۔

عجیب و غریب طریق استنباط

ثانیاً اگر ایک لمحہ کے لئے یہ طریق استنباط صحیح سمجھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمام کارخانہ شرع و سنت ہیکہ و قصد ہم برہم ہو جائے۔ یہ ... قاعدہ استنباط اس اصل ... پر مبنی ہے کہ اگر کسی سعادت میں کسی صحابی کا کسی بات سے مدد نکلتا ہو تو اس سے یہ بات بھی صاف ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ بات اس وقت کی جاتی تھی جب اس کی جاتی تھی تو اس سے حد صحابہ میں اس کے مداح و قائل کا ثبوت مل گیا اور چونکہ صحابہ کے حد میں کسی بات کا عام طرہ پر مائج ہونا اس کا جواز ثابت کرتا ہے، اس لئے اس سے حجاز پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ گویا یہ جو تیرہ سو برس سے تمام اہل علم کا اس پر اعتقاد و دل چلا آ رہا ہے کہ باب اربعہ میں اگر صحابہ کرامؓ کا کسی فعل سے مدد نکلتا ثابت ہو جائے تو اس سے اس فعل کے منہی عنہ ہونے کا علم مستفید ہوتا ہے۔ نہ کہ مایوس ہونے کا، تو یہ بالکل غلط ہے اور حقیقت بالکل اس سے الٹی ہے صحابہؓ سے منہی کا نام نہ ہونا اس فعل کے منہی عنہ ہونے پر نہیں بلکہ جواز برداشت کرتا ہے، کیونکہ کسی فعل سے مدد نکلتا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے وہ بات کی ہو اور جب کی گئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ یہ بات ہوئی تھی اور چونکہ ہوئی تھی اس لئے یہ بھی صاف معلوم ہو گیا کہ اس وقت صحابہؓ ایسا کیا کرتے تھے اور اس لئے اسے جائز تصور کرنا چاہیئے نہ کہ منہی عنہ

عہد صحابہ کی فضیلت و خصوصیت

اگر یہ تادمہ عہد میں چل جائے تو عقل و علم پر جو کچھ گزرسکی، سو گزرے گی، اس کی بھلا..... کیا ہوتا ہے، لیکن خود تو کچھ کا فائدہ شروع وقت کا کیا بشر جو گا؟ صحابہ کا عہد کہ منافق ہی کا عہد تھا، کہ آسمان کے فرشتے زمین پر نہیں اتر آئے تھے۔ لوگوں سے ہر طرح کی فرشتوں خطاؤں اور معاصی کا سدھ لگتی تھا اور نہ صرف ممکن تھا بلکہ اسی طرح ظہور میں بھی آتا تھا جیسا ہمیشہ منافقوں سے ظہور میں آتا رہا ہے اور آتا رہے گا۔ ساری فضیلت و خصوصیت جہاں عہد مبارک تھی وہ نہیں تھی کہ مسلمان معصوم ہو گئے تھے صرف یہ تھی کہ صحابہ کرام کا غالب گروہ قرابت یا فہمہ نہ ہوتا تھا، اس لئے اپنے علم و عمل میں شریعت کا حامل و محافظ تھا انسان کی حکومت ان کی گروانی، ان کے علمی نمونہ انسان کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک بہترین جمعیت پر مشیت مجتہد پیدا ہو گئی تھی۔ نیز عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے عقائد کی وہ آہنگی، اعمال کا وہ فصاحت، ہیئت اختیار عہد کے وہ مفاسد بھی سر نہ اٹھا سکے تھے جن کا بعد کہ حسب ہدایت حضرت حذیفہؓ کا تحییر عہد اعمدہ ظہور و شیوع ہوا اور مسلمانوں پر بدعت و مفاسد کے دھار کھل گئے۔

خدائی شریعت کا وظیفہ

جب کبھی ماحدثان میں کوئی غرض ہوتی تھی، تو ذرا کوئی ذکوئی آدمی یا معروف دنیا ہی من المسلمین اٹھتا تھا اور ٹک دیتا تھا جب کوئی بتلائے معصیت و فسق ہوتا، تو ذرا حکومت شرعیہ اعتبار کرتی اور بارگاہ ہدایت سیاست و تفسیر میں سرگرم ہو جاتی۔ حفظ شرع، قیام حدود اور مہربان معروف دینی من المسلمین لوگوں کی راہنمائی کیا، ہاتھ بڑھا اور بدل مستقیم تھے۔ یہ نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا کہ اس وقت انسانی فطرت ہلاکتی ہو۔ خدا کی شریعت فطرت کو بدلنے کے لئے نہیں بلکہ معدود قواعد میں جکڑنے کے لئے لگتی ہے۔ اس وقت کی ساری بیانی تھی کہ اسلام کی پیدائش یعنی الیانی فطرت مرکزی و جلی اپنے اصل علیہ و صالح میں ہو جاتی اس وقت بھی دنیا کا چلتا تو جس کا نام انسان پر، وہ تمام ناہنیاں کو کھٹکتا تھا اور کرتا تھا جو ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا، لیکن ساتھ ہی علم و حکمت

کے تزکیہ و تربیت نے ایسے سعید و تقویٰ الامان انسان پیدا کر دیے تھے جن میں انسانی کمالات اور
لغو مشوں کے احتساب و اصلاح کی پوری قوت تھی اس لئے اگرچہ زمین پر فرشتے نہیں اتر آئے تھے،
لیکن فرشتوں جیسے نیک کے مشاق اور کردیموں جیسے برائی سے نفور انسانوں کی صورت حکومت
قائم ہو گئی تھی پس گویا مگر غائب نہیں آ سکتی تھی اور گو کڑھدی ابھرتی تھی مگر سر نہیں
اٹھا سکتی تھی۔

واقعات و نتائج

اب اگر..... یہ قاعدہ استدلال سامن لیا جائے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ نکلے گا کہ شریعت
کے تمام محرکات و فسق جواز بلکہ مستحسن ہو جائیں گے۔ معلوم ہے کہ اس عہد میں لوگوں نے شراب
پی ہے اور ان پر مدد جاری ہوئی ہیں۔ دھنڑ کا تعین ہی عہد صحابہ میں ہوا۔ لوگ زنا کے مرتکب
ہوئے اور مستحق حد ٹھہرے ہیں۔ چوری کی ہے اور پکڑے گئے ہیں۔ تہمت لگائی ہے اور
اس پر سزا پائی ہے اس طرح کے حوادث کا ذکر بے شمار روایتوں میں آیا ہے، جن کو مسائل
و احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔ پھر کیا اب آں کے دن سے یہ کچھ لیا جائے کہ چونکہ اس عہد میں شریعت
پہنچے ہو مدد جاری کی گئی تھی، پس اس سے پتا چلا کہ لوگ پتیتے تھے اور جب پتینا ثابت
ہو گیا تو اس حد کا عمل بھی ثابت ہو گیا؟ اور زبانوں سے قطع نظر کہ معرفت الہی حضرت عمرؓ
کا عہد خلافت تھا، جس میں فی الحقیقت احکام و مسائل فقہ کا غالب حنفہ مدین و منکم ہوا ہے
ایک اس مسجد والے معاملے میں ہیں ان کا رد کفاروی نہیں۔ سیکڑوں منکرات و فحشات ہیں،
جن میں ان کا رد کتنا، مراد دینہ، حق کر کسی برائی کو زیادہ بھینچے دیکھ کر اپنے خطبات جمعہ میں بار
بار اعلان کرتا ثابت و ضروری ہے اور مدد ان سنت و فحش سے بھرے پڑے
روزانہ تک تمام اہل علم و عقل ان روایات سے ان منکرات کے خلاف استدلال کرتے آئے
ہیں، اب..... یہ قاعدہ لیا جا رہا ہے کہ نہیں، رو کا ان واقعات و روایات سے اسے نظر انداز
کر دیکھئے۔ استدلال ہیں کیجئے کہ لوگوں نے فعل کیا تھا، مگر تو یہ کہنا۔ اب معلوم نہیں ان تمام

عمرات وغیر کی نسبت حضرت کا غضب و شرب کیا ہے، جن کا مدد اس معاملہ سے کہیں زیادہ بھرا و رحمت کے ساتھ ثابت ہے، ہر مرتبہ کتب صحاح ہی دیکھ لی جائیں، جلد عمر کو اذکنا، فعل الناس کو اذکنا، و لکنا امری عمری جماعۃ بکذا و لکنا لکنا و فعلنا کذا و لکنا لکنا عمر و عثمان و علی کذا و لکنا، فقال کذا و لکنا، محب طبری کی تاریخ الخلفاء اب جوہر لکھی ہے اس میں ہر مرتبہ فضاء عمر کی روایات یکجا دیکھ لیں، پھر کیا اب ان تمام روایات سے یا استدلال کیا جائے گا کہ سبب نبی کے فعل ثابت ہو گیا اور اس لئے قابل صحابہ سے جواز نکلتا ہے؟ فتوہ دہلوی من شر الجمل و فتہ: اخفش: یہ جو معاملات شرع میں ایک سخت فساد میں کے اختراع کا پیدا ہوا، حتیٰ کہ تمام اعمال شرعیہ میں حیلے بہانے گھر کر بعضوں نے بڑی بڑی کتاب اہل تک نبی محمد بن ناسیٰ مکر صی کی، برائی اس عہد میں بھی ہاتھ پاؤں نکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ بعض ناعان اور کمر و درجیتوں نے طلاق ثلاثہ دیکھ پھر حلالہ کے لئے آج کل کے دین باز مولویوں کی طرح یہ راہ نکالی کہ فرضی نکاح کر لیا جائے اور بھول گئے کہ اللہ کے رسولؐ نے اس طرح کے حلالہ کرنے سے منع فرمایا ہے، نفن انہم الممل و الممل لہ (آخریہ ابو داؤد) ایک مرتبہ انہی حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے خطبات میں بار بار اعلان کیا لا اوتی بمل و لا ملل لا لا عہتہا، میں اس طرح کے فرضی حلالہ کرنے والوں کو بغیر رحم کئے نہیں چھوڑوں گا۔ کیا اب اس سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ معلوم ہوا، باوجود حضرت عمرؓ کے تشددات کے لوگ فرضی دہلون حلالہ کرتے کرتے جی تو حضرت عمرؓ نے دیکھا اور اس لئے اس عہد کا عمل ثابت ہو گیا؟

عمل جاری کا مطلب

اصل یہ ہے کہ اس تیرہ سو برس میں کسی ذی عقل انسان نے بھی عہد صحابہؓ کے عمل جاری کا مطلب نہیں سمجھا ہے۔ یہ علم حقیقت کے خلاف جمہوریت کی بات ہے کہ جو روایات صریح ترک دینی کہیں، حجت میں، انہی کا ثبات و حجاز کے لئے استعمال کیا جائے اور صحابی

کے رد کرنے سے نہیں بکر لوگوں کے منہ میں غل کرنے سے استدلال کیا جائے۔ صحابہ کے عہد کا
 عمل جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ کسی بات کا عمل غالب صحابہ سے ثابت ہو جائے
 انہیں کے خلاف اعتراض رد و قبول احتمال و اعتنا ثابت نہ ہو یا یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی بات
 عام طہ پر مرکوز اسلام میں معمول پہنچی اور غلطائے ماضی میں رسوم صحابہ نے اس پر اعتراض نہیں
 کیا تھا۔ خصوصاً اگر غلطائے ماضی میں عام قائل و شیعہ مع تقریر و سکوت ثابت
 ہو جائے تو بلاشبہ اس وقت کا قائل احتمال عمل سمجھا جائے گا۔ یہ قاعدہ کہاں سے حضرت
 نے سیکھ لیا ہے کہ جس معاہدہ میں صریح صحابہ کا، خصوصاً حضرت عمرؓ کا بہ نفاذ خلافت
 ایک بات سے دو گنا ثابت ہو رہا ہے لہذا ایک چیز کو حکم دے کر بالکل نابود کر دینا مستغنیہ تھا
 ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ چونکہ بعض مجہول الحال لوگوں نے یہ بات کی تھی، اس لئے
 گلہ و احتجاج ثابت ہو گیا، پھر لطف یہ کہ حضرت عمرؓ نے فحش و بدعت اپنے عہد خلافت میں کٹوا دیا
 اور اس مسجد میں خصوصیت و امتیاز کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی یہ عہد خلافت ہی نکلا۔
 بقیہ تمام صحابہ کے اجماع کی ہر گنجی ہے۔ ان جہاد و رسوم و عمارات محدث کے خلاف
 اس سے بڑھ کر قائل صحابہ کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ اس عہد بلا ادنیٰ جھجک کے اخباریں
 نکال کر مشائع کر رہے ہیں کہ صاف معلوم ہو گیا اس عہد میں لوگ زیارت کیا کرتے
 تھے۔

علم مثال

یہ جو عہد صحابہ کے عمل و دلائل کی نسبت کہا گیا اور صرف اسی عہد کے لئے مخصوص
 نہیں۔ یہ تو علم و اعتبار کا ایک عام عقلی قاعدہ ہے۔ کوئی عہد ہر گز ہم معلوم کرنا چاہیں کہ اس
 وقت کے مقبول دلائل کا کیا حال تھا تو ظاہر ہے علم و استدلال کا طریقہ بھی ہر گز اس عہد
 کے ایسے لوگوں کا جو سوسائٹی کے نتیجہ امکان میں عمل معلوم کریں یا یہ معلوم کریں کہ لوگوں کی
 غالب تعداد کیا کہن اور کیا کرتی تھی؟ لیکن کوئی عقلی یہ نہیں کرے کہ اگر کسی حدیث

سے حکام اسلام علم کاسی بیروانی سے چند مجہول الحال آدمیوں کو مددگار ثابت ہو جائے تو اس سے یتیم کمال لیا جائے کہ یہ بانی عام طہ پر اس وقت راجح تھی ۔

ضروری نکتے

اب کہ یہ تمام تفصیل گزر چکی ہے اہل انصاف سمجھ کریں کہ پورے استدلال کی حقیقت کیا ہے۔ تفصیلات گزشتہ سے واضح ہو چکا ۔

۱۔ بالکل کذب وافترا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ماثر پر عمارتیں یا مساجد بغیر رضائیت و تعظیم بنائی گئی تھیں کوئی ثبوت اس کا موجود نہیں۔ پس یہ استدلال ہی سرے سے لغو ہے۔ جب ایسی عمارتوں کا وجود ہی نہیں تھا تو گراتے کسے؟ ہوتیں تو انھیں گراتے۔ درخت سے کہیں زیادہ مستحق انہدام تھیں۔

روایت کفر العمل

۲۔ روایت کفر العمل سے استدلال ظلمات بعضافوق بعض ہے۔ روایت میں لکھا ہے کہ وہاں کوئی ایسی مسجد موجود تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موضع صلوٰۃ پر برہنہ زیارت و تعظیم تعمیر کی گئی ہو۔ اس میں صاف موجود ہے کہ وہاں ایک مسجد تھی جس میں آنحضرت مسلم نے نماز پڑھی تھی اور جو لوگ وہاں گئے تھے اس نے رگئے تھے۔ کہ آنحضرت مسلم کے اتباع و تشبیہ کے جذبے میں انھوں نے چاہا تھا، غرضیکہ اس مسجد میں جا کر نماز پڑھیں، لیکن چونکہ اس خصوصیت و اہتمام سے یہ بات نکلتی تھی کہ آنحضرتؐ کے انتساب کی وجہ سے ایک مقام کا لوگ قصد کیا کریں اور رفتہ رفتہ اس کے زیارت گاہ بن جائے اور آثار و منسوبات کی تعظیم کرنے لگیں، راہ کھل جائے، اس لئے حضرت عمرؓ نے سدنا لذریرہ اسے مہینہ ناپسند کیا اور دھوک دیا۔ چنانچہ خود انہی کے قول سے منع کی علت واضح ہو گئی ہے۔

فی المسکت المصلوۃ فی ہذہ المساجد لم یصل من لا یطہر ولا یتعبد ہا یعنی خصوصیت و اہتمام کے ساتھ اس میں نذرانہ کے لئے نہ جائز کیوں کہ اس طرح کا اختصاص اور اہتمام ہی آگے چل کر

نیارت گاہ ہی جلنے والی پھر زیارت گاہ سے پرستش گاہ بن جانے کا فہم ہوا کیا کرتا ہے۔ جس کسی کو ایسا اتفاق ہو کہ وہاں مسجد تھا یا وہاں سے گزر رہا تھا وہ نماز کا وقت آگیا تو چاہیے کہ پڑھ لے لیکن جس کسی کو ایسا اتفاق پیش نہ آئے تو گزر جائے اور عمر و قصد کے ساتھ اس بات کے لئے وہاں ڈھکھرے۔ پس جب نہ تو مسجد یا اثر پر بنائی گئی تھی، نہ لوگ مائثر کی نیارت کے لئے گئے تھے تو پھر حضرت عرفہؑ اس کے گرانے کا حکم کیوں دیتے؟ اور اگر ایسی مساجد کو انھوں نے نہیں گرایا تو اس سے مائثر کی عمارات کا تحفظ و بقا کیوں کر ثابت ہوا؟

تفسیر انگلیسنر بات

۳۔ اس سے یہ بات نکالنی کہ اس عہد میں لوگ مائثر کی نیارت کیا کرتے تھے، جہاں پر جہاں، کذب پر کذب اور پر لفظ ہے۔ اول تو وہ مائثر والی مسجد ہی نہ تھی۔ ثانیاً لوگ نیارت کے لئے گئے ہی نہ تھے۔ ثانیاً جو کچھ بھی ہو جب حضرت عرفہؑ نے اس کے حکم کا حکم دیا کہ صحابہ کرامؓ ایسی باتیں پراں نہ کرو گئے تھے۔ لہذا اس کی براتی مستحق ہوئی، یہ نہیں کہ چونکہ چند مجاہد الحال آدمیوں سے یہ غلطی سرزد ہو گئی تھی، اس لئے ان کی غلطی کو اس عہد کا عمل و رواج قرار دے دیا جائے۔

۴۔ کسی بات کا کسی عہد میں بطور ایک عام اور مقبول بات کے رائج ہونا بھی ثابت ہو سکتا ہے جب کہ اس عہد میں اس کا اہم و قبول ثابت ہو جائے۔ عہد صحابہؓ کا قابل رواج معلوم کرنے کے لئے بھی یہی طریقہ تمام اہل علم نے سلف و خلفاً قرار دیا ہے۔ پس کسی ایک روایت میں یہ دیکھ کر کہ چند مجاہد الحال آدمیوں نے فلاں بات کی تھی اور اس پر حضرت عرفہؑ جیسے ظلیفہؑ راسخ نے غافلت کی، یہ عجیب نکال لینا کہ بات اس وقت عام طور پر رائج تھی، نہایت تفسیر اچھی ہے۔ کہ فی ذی قتل اور پھر اس کا انسان اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔

۵۔ اس بات کو حضرت عرفہؑ کے تشددات سے تعبیر کیا جائے کہ اس کے منہ سے مرتبہ کمال تک پہنچا دینا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے بعض صحابہؓ کے جوش و خروش، اہل علم کی بولی چال

میں کہے جاتے ہیں، دوسری بات ہے اس معاملہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

عہد صحابہؓ کی ذہنیت

اس روایت سے جو فی الحقیقت مولانا رحمہ اللہ کے ہم مشرکین کے خلاف ایک دلیل قاطعہ اور حجت واضح ہے، جو عجیب الغلقت استدلال کیا گیا تھا اس کی حقیقت تو آشکارا ہو چکی، اب چاہتا ہوں کہ اہل علم و نظر کی مزید بصیرت و اعتبار کیلئے اس کے بعض نکتہ دہانہ کی طرف اشارہ کر دوں:

۱۔ روایت میں ہے: "صلیٰ اللہ علیہ وسلم بطریق مکہ صلوٰۃ الصبح ثم رای انسان یدہ بین ثغاب قل ان ینذربہ ہذا،" بنقین مسجد منیٰ فیہ البقیۃ صلیٰ علیہ وسلم فیہ البقیۃ فیہ۔ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ جاتے ہوئے صبح کی نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دیکھا، لوگ مختلف راستوں کے کسی طرف جا رہے ہیں۔ پوچھا کہاں جا رہے ہیں کسی نے کہا یہاں ایک مسجد ہے جس میں آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی، اس لئے یہ لوگ بھی چاہتے ہیں کہ وہاں نماز پڑھیں۔

اب یہاں غور کرنا چاہیے، صحت حال کیا تھی؟ بیظاہر ہے کہ یہ معاملہ سفر میں پیش آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مکہ جاتے ہوئے منزل کی اطلاع کی نماز پڑھی۔ اس کے قرب و جوار میں کہیں ایک مسجد بھی تھی جس میں آنحضرتؐ صلیٰ اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ بعض لوگوں نے چاہا، وہاں جائیں، اسی نماز پڑھیں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنی چاہی، انہوں نے صبح کی نماز کے لئے ایسا کیا تھا یا صبح کی نماز باجماعت کے بعد چھپتے کہ وہاں بھی بعد کو نماز پڑھ سکتے ہیں۔ روایت کے الفاظ و دونوں صورتوں کے لئے محتمل ہیں لیکن زیادہ قرینہ دوسری صورت کا ہے۔ یہ بات زیادہ قوی نہیں معلوم ہوتی کہ لوگوں نے صبح کی وہ جماعت ترک کر دی ہو جب حضرت عمرؓ نے اپنی قیام گاہ میں قائم کی تھی، کیوں کہ ایک موجودہ قائم جماعت کا منکھ کرنا دوسری جگہ حاکم نماز ادا کرنا التزام جماعت کے شرعی احکام کے مرکبی خلاف ہے اسیہ قرین قیاس نہیں کہ ایسی بات لوگوں نے کی اور اس پر حضرت عمرؓ نے اعتراض نہ کیا بلکہ وہ یوں

خود دعایت میں صلیت مع عرسوۃ الصبح کے بعد نماز کے نقطہ سے بھی یہی ترشح ہے کہ جتنا صبح کے بعد یہ دعا پیش آیا تھا، نہ کہ اثنائے جماعت میں۔ پس جو صلوٰۃ پیش آئی تھی کہ لوگوں نے صبح کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد کہ لوگ چلے کہ اس مسجد میں جاؤ اہل وہاں بھی نماز پڑھا یہی معنی نماز نفل۔

صحابہ و سلف کے اعمال و افکار

جن لوگوں نے عہد صحابہ و سلف کے اعمال و افکار کا تتبع کیا ہے۔ ان پر یہ حقیقت مبرہر ہوگی کہ ان کے لئے ہر طرح کے تصفیہ و علی صالح میں نماز بے ستر و محرم مرکز کا تھی۔ جب کبھی کوئی بات مذہبی جذبات کی بنا پر کہتے تو بجز نماز پڑھنے کے اور کوئی ڈھنگ اور طریقہ نہیں سمجھتا تھا ان کا دماغ قرآن و سنت کی عملی تربیت نے کچھ ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ اس میں کوئی ٹکڑا مادی غیر اسلامی زوجیت کا اثر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اگر کوئی ایسی بات چلتے بھی گئے جس کے لئے شریعت کی بتلائی ہوئی تفصیل سامنے نہ ہوتی تو اس میں بھی ان کا قدم کسی غیر اسلامی طریقہ کی طرف نہ اٹھتا، نماز ہی کی طرف اٹھتا، ورنہ ہی طلب کرتا، تلاوت قرآن پر زور دیتا۔ وہ حالت بھی پیدا نہیں ہوتی تھی کہ جو حکم حدیث ابن اہماص مندا بن ماجہ۔ لم یزل امر بنی اسرائیل مستدام حتی انشاہم اماما دلعلم۔ اہل کتاب کی طرح بد کے مسلمانوں میں پیدا ہو گئی اور غیر اقوام کے اختلاف و تشکیک و جھگڑے سے دینی زندگی کے نئے نئے طریقے اور نئے نئے ڈھنگ طبعیتوں نے قبول کر لے پھر تدریجی معاملہ ہاں تک پہنچ گیا جہاں آج نظر آ رہا ہے۔

ذہنیت میں تغیر

چنانچہ جو دعایات و آثار میں تم جا بجا پڑھتے ہو کہ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا مجھے مشکلات پیش آئیں سوچا کیا کروں؟ دل نے فیصلہ کیا کہ نماز پڑھو۔ ابو سعید کہتے ہیں ایک مرتبہ راستہ بھول گیا۔ کوئی بتلانے والا دکھائی نہ دیا۔ میں نے نماز شروع کر دی۔ ایک دوسرے صحابی جب چھوٹا تھا میں چھوٹا تھا اور یہ ظاہر اعانت کی کوئی ماہ نظر نہ آئی۔

تونا شروع کر دی اور اسی طرح کے بے شمار واقعات ہیں، تو ان کے اندر بھی اسی عہد کی نشانی کا مطالعہ کرو۔ یہ ذہنیت پھر بتدریج متغیر ہوتی گئی یہاں تک کہ یہ وقت آ گیا کہ اب اگر کسی مسلمان کو مشکلات پیش آتی ہیں تو کسی حال میں بھی اس کا ذہن غارتگی کی طرف یا تلوات قرآن کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہوتی ہے کہ فلاں درگاہ کی منت مانا، فلاں عرس میں چاہ چڑھاؤں، فلاں مقام پر بکرا ذبح کروں غلہ کر دوں کی دماغی بناوٹ اور طبی حالت کیا تھی اور بیماری کیا ہو گئی ہے؟ رونا جھرونا اعمال و کلام پر نہیں، یہ تو کسی شجر فکر کے برگ و باہیں۔ ساری مصیبت اس دماغی و فکری حالت کے انقلاب میں منفر ہے جس سے تمام انسانی اعمال پیدا ہوتے ہیں اور اس پر ارادہ و فعل کا دار و مدار ہے۔

یہ سوال اس روایت میں جو مسودت حال معلوم ہوتی ہے، یہی ہے کہ لوگوں نے اس مسجد میں نفل پڑھی یا پڑھنا چاہی، اس لئے کہ آنحضرت مسلم کو بھی، ہاں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

اتباع سنت اور فوق تشہر و تخلق

۲۔ لیکن ایسا ارادہ انھوں نے کیوں کیا؟ تو یہ متخل ہے دونوں میں ا پہلی وجہ تو ظاہر ہے، یہ تھی کہ آنحضرت کی محبت و تعلیم کی وجہ سے انھیں خیال ہوا جس مسجد میں اس وجہ و گرائی نے غماز پڑھی ہے، وہیں ہم بھی جا کر نماز پڑھ آئیں، وجہ برکت مقام احمد و ثواب کا باعث ہو گا۔

لیکن ایک دوسرا معاملہ بھی اس کے لئے محرک ہو سکتا ہے۔ عہد صحابہؓ کے اقوال و اعمال کے نتیجے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ قرآن و حدیث نے سنت کے اعتصام اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع و تاسی پر نہایت اصرار و اہتمام کے ساتھ زندگی بھر گزارنا اور ہم کو صحابہ کرام کے دلائل میں آپ کا عشق و شغف بھی اس درجہ ناسخ و استغناء ہو گیا تھا کہ آپ کی برائیاں ان کے لئے محبوب و مطلوب اور آپ کی ہر برائی ان کے دلائل کے لئے دلربا اور درجہ پر دہکتی ، اس لئے سرسچی رابطہ و ملاقات کے مرتبہ پر مبالغہ نہیں تھے ، جیسے اتباع سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے ، بلکہ عالم محبت و شغف کی ایک دوسری حالت بھی پیدا ہو گئی تھی ، جیسے اتباع سنت سے نہیں بلکہ جوش و شہ و خلق سے تعبیر کرنا چاہیے۔ ان دونوں حالتوں کا فرق ذہنی ہے ۔ بعض اوقات ان کے عدم فہم و امتیاز سے ارباب بحث و فطرت کو سخت لغزشیں پیش آ گئی ہیں اور بعض حالات میں فحاشیاں طرح کا خلط و محبت ہو گیا ہے یہ عمل تشریح و تفصیل کا نہیں محبوب میں گم شدگی

مختصر ازیں سمجھنا چاہئے کہ شہاد کی اصطلاح میں اتباع سنت کو مقصود یہ ہے کہ تعلیم و تربیت امت کے باب میں آنحضرت معلّم کے جس قدر نقلی و لفظی سنن و کلم ہیں ، ان سے استفادہ کیا جائے اور جو سنن اعمال و طاعات میں ہیں ان کی بھی پیروی کی جائے لیکن قشہ و تعلق بالرسول کا معاملہ ایک دوسری ہی نوعیت کا تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مبادیہ عقائد و افکار نہیں ، بلکہ یہ اصطلاح حضرات صوفیہ افادق و مواجد ہیں یہ معاملہ صرف اتباع و تاسی ہی پر متعلق نہیں رہتا ۔ اس سے بہت آگے نکل جانا چاہتا ہے مقصود اس سے تلب انسانیت وہ حالت ہے جب کسی روح کی محبت و شغف سے یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی ہر رائے اور ہر بات بھی اسی کی طرح محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے بے اختیار ہی چاہئے لگتا ہے کہ جو بات جس طرح اس نے کی ہو ، ٹھیک ٹھیک میں بھی اسی طرح کروں ۔ وہ جہاں چلا ہو ، میں بھی چلوں ۔ وہ جہاں بیٹھا ہو میں بھی بیٹھوں ۔ اس نے جیسی ہشاک پہنی ہو ، میں بھی پہنوں ۔ اس نے جو قطع بند کی ہو وہی میری بھی وضع قطع ہو جائے ۔ حتیٰ کہ میری شخصیت اور شخصیت کے خاص کے تشبہ و تعلق میں اس طرح گم ہو جائیں کہ ۔

انامن اعدوی ومن اعدوی انا

نخن روحان حلفت برنا

کاسامعالمہ واقع ہو جائے۔ جب یہ حالت قلب پر طاری ہوتی ہے تو ایک دوسرے ہی عالم میں انسان اپنے آپ کو پائے لگتا ہے۔

عشق و محبت کی بے اختیاریاں

یہاں اعمال کا محرک اجر و ثواب کی طلب طبع نہیں ہوتی بلکہ صرف عشق و محبت کا ہے اختیار نہ دلولہ ہوتا ہے۔ جب کبھی اس عالم میں کسی کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ میرے محبوب و مطلوب نے فلاں بات ایسی کی تھی اور فلاں کام میں اس کا ڈھنگ ایسا رہا تھا تو بغیر اس کے کہ طلب ثواب طبع اجر کا اسے احساس بھی گزرے، بے اختیار ہو کر چاہنے لگتا ہے، میں بھی ویسی ہی بات کر گزر دوں، خواہ اس میں اجر ہو یا نہ ہو۔ پھر جس طرح عام احوال قلبیہ کے لئے مختلف مراتب و ثمرات ہیں اور ہر مرتبہ ثمر کے مطابق اس کا حکم ہے، اسی طرح اس عالم کے لئے بھی مختلف مراتب و احکام ہیں اور ہر حالت کے لئے یکیاں ہیں۔ یہاں محاسن و مطالب بھی ہیں، مفاسد و ہلاک بھی ہیں۔ انفرادہ تفریط بھی ہے۔ اعتدال و اعتقاد بھی ہے اور کچھ جس طرح ہرادی فکر و عمل میں انفرادہ تفریط سے پاک اور ہر بات ضبط و اعتدال میں رکھنا چاہتی ہے اسی طرح یہاں کے لئے متعدد تقیوہیں اور ہر حالت اور نتیجہ کے مطابق رد و قبول کے احکام ہیں۔

جوش و افراط اور اقتصاد

پس صحابہ کے اعمال و امیال پر نظر ڈالو۔ اتباع سنت کے التزام کے ساتھ اس عالم کے مادہ استہنیٰ جس تشبہ و تخلف کے بارے میں رسول کے معاملات بھی بہ کثرت نظر آئیں گے، البتہ نہ کہ فوق و طبیعت کا اختلاف ہر معاملہ میں اختلاف حال پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے اس میں بھی سب کا حال یکساں نہ تھا۔ کسی میں یہ ننگ زیادہ، کسی میں کم۔ کہیں جوش و افراط کی طرف میلان تھا، کہیں اقتصاد کی طرف۔ یہاں پھر یہ کہ اس معاملہ کی سرمد متعلق سنت مصطفیٰ شرع

کی سرمد سے کہیں طرح کی بھٹکے کہ دونوں میں وہ بندی کرنا کمالی وقت نظر کا محتاج ہو
اس لئے بہت سی باتوں کی حقیقت اس اعتبار سے مشتبہ بھی ہو جاتی تھی۔ صحابہ میں اصحاب
احمال بھی تھے، اصحاب نظر بھی تھے، اصحاب اعمال اپنے استغراق محبت میں اس اشتباہ
کی چنداں کاوش نہیں کرتے تھے، لیکن نظام اصحاب اس کا فرق واضح کر دیتے تھے۔ کہتے ہی سنا آتا
ہیں، میرا اچھا، بالکل وہ ہو جاتا ہے، اگر یہ اصل تھوڑے بشیش نظر رہے۔ یہ جو حضرت عبداللہ
بن عمرؓ کو پاتے ہو کہ حج کے لئے جاتے تو اس کا اہتمام کرتے کہ جہاں کہیں آنحضرت معلوم نہ
مسفر میں قیام کیا ہے، خود بھی کریں۔ جہاں کہیں انھیں ناز کا اتفاق ہوا ہے خود بھی پڑھیں۔
جب منزلیں انھوں نے کی ہیں خود بھی کریں۔ پھر یہ بھی پاتے ہو کہ نظام اصحاب مثلاً حضرت عائشہؓ
ذہیرا اس سے اختلاف کرتے اور اصرار کے ساتھ کہتے کہ یہ مسفر کے عام اتفاقات و حالات
ہیں، سنت میں داخل نہیں کیوہ بات بھی حاصل ہی علم کے معاملات میں سے ہے۔

اتباع سنت اور جوش تشبہ

معلوم ہے کہ حج کے سفر میں آنحضرتؐ کے افعال دو حیثیتوں پر مبنی تھے۔ ایک یہ کہ حج
کا سفر بھی ایک سفر ہے۔ آدمی ضرورت اور حالت کے مطابق منزلیں کرے گا، پڑاؤ ڈالے گا۔
کھائے گا، پئے گا، ناز پئے گا۔ کچھ دیر نہیں کہ ہر سفر میں یہ امور ایک ہی تقبیل و تعین کے
ساتھ پیش آئیں مگر وہ سفر وہاں میں ایک ہی جگہ اترنے اور پھر نئے کا اتفاق ہو جیسا کہ مسفر کے
عام اتفاقات میں سے ہے۔ قصہ دھوکا میں داخل نہیں ہیں آنحضرتؐ کو بھی سفر میں یہ
تمام اتفاقات پیش آتے تھے۔ دوسری حیثیت یہ کہ حج ایک عبادت ہے اور اس کے
خاص خاص اعمال ہیں، جن میں بعض مقدمات کا قیام و قصد بھی داخل ہے۔ پس آنحضرتؐ
صلی اللہ علیہ وسلم پر حیثیت ایک عبادت و طاعت کے کسی خاص موضوع کا قیام مقصد
فرمانے کہیں قیام نہ کرتے۔ اب چلیجے کتاب کے افعال میں سے دوسری چیزیں پہلی سے الگ کر لی
جائیں۔ سنت دوسری ہوگی نہ کہ پہلی چنانچہ نظام اصحاب کی اس نکتے پر نظر آئے، لیکن حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کا قلم دوسرا امتداد کی طبع مبارک جوش تشبہ و تخیل کا رسول میں اس بات کی کارکنیں پر وقت نہیں ہوتی تھی۔ یہ جو تعصبات کا اختلاف ردا انہوں میں پڑتے تھے۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لڑتے ہوئے مقام محصب میں ضرور ٹھہرتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کو اس سے اعتنا نہ تھا۔ وہ کہتے تھے: لیس التعصیب لنبیؐ۔ انا جو منزل نزل بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انا نزل لانا کان انا خروجه۔ (یعنی میں تعصیب کو فخر نہیں دے تو شخص سفر کی ایک منزل ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا تھا، کیوں کہ وہاں سے آگے کو سفر کرنے میں آسانی تھی تو داصل یہ بھی اسی معاملہ کے شواہد و نظائر میں سے ہے۔

پیر کے دن کی موست

اللہ جو تمام بھائی نے باب بانہا ہے "موت یوم الاثنين" پیر کے دن کی موت اور اس میں حضرت عائشہؓ کی روایت درج کی ہے کہ مرض الموت میں حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن وفات پائی تھی؟ کہا گیا: پیر کے دن۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے؟ کہا گیا: پیر کا دن ہے۔ اس پر آپؐ کہنے لگے کہ میں بھی اسی دن دنیا سے جاؤں گا اور جو فیما بین میں و بینہ لیلۃ اگر غور کرو گے تو یہ معاملہ بھی ایک دوسرے رنگ میں اسی ذوق تشبہ کی ایک مثال ہے مگر چہ ظاہر میں اسے دوسری ہی دہائی میں لے گئے۔

یہ ہر حال حاصل سخن یہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ میں اتباع سنت کا جوش صادق تھا، اسی طرح تشبہ و تخیل کا بھی ذوق کامل تھا۔ ان کے اس ذوق و شوق نے عادت المسلمین میں بھی اس کا عام دلول پیدا کر دیا تھا۔ پس بہت ممکن ہے اس روایت

مقام محصب میں جو کہ منظرہ مذکور کے درمیان ہے، مانتا کو ٹھہرنا یا سنانے نہ لیا اچھے حالت کچھ (منہ کی) امید ہے۔

میں بعض اشخاص کا ان مباحہ میں جا کر ناز و حرص۔ جہاں آنحضرت معلوم نے ناز و حرص
 تھی، محض اس پیش رفتہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اس خیال کا جو پہلی تعلیل میں بیان کیا گیا ہے۔
 اس جہکی عام ذہنیت اور فکری و قلبی نوعیت حال کا جی لوگوں نے نتیجہ مستقفا کیا
 ہے وہ اس دوسری تعلیل کو زیادہ اقرب تسلیم کریں گے۔

(۱۵)

حقیقت بدعت و قصد و اہتمام دینی

۳۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کہیں روکا اور کن لفظوں میں روکا؟ تو فی الحقیقت اس باب میں حضرت محمدؐ کے الفاظ منجد بہات معارف شرع اور منجد اصول و قواعد راہ کے ہیں۔ جو کچھ ان لوگوں نے کیا تھا یا کرنا چاہتے تھے وہ وہ حالتوں سے خالی نہ تھا۔ یا تو اس خیال سے کیا تھا کہ آنحضرتؐ مسلم نے یہاں نماز پڑھی ہے اس لئے یہاں نماز پڑھنے میں اجر و ثواب زیادہ ہوگا یا ہوش تشبہ کے جذبات میں آنحضرتؐ مسلم کی ہر ایسی بات کی بھی پیروی کرنی چاہتے تھے، جو اتفاقاً کسی جگہ جانے آنے اور نماز پڑھنے میں ہو گئی تھی، لیکن دونوں صورتوں میں بغزش کا خوف تھا اور گویا بغفل نہیں لیکن آگے چل کر ایک نکتہ غلیبہ کے مطابق کی راہ کھل سکتی تھی۔ اس لئے آپؐ سنتے ہی چونک اٹھے اور سختی سے روک دیا۔

تحریف شریعت کی بنیاد

اولاً اس لئے کہ اس بات سے اس مقام کی ایک ایسی خصوصیت کا اعتقاد پیدا ہوتا تھا، جو شرعاً ثابت نہیں یعنی یہ اعتقاد پیدا ہوتا تھا کہ وہاں نماز پڑھنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے، حالانکہ ایسا اہتمام کسی مقام کے لئے ائحت کیا جاسکتا ہے جب کہ شارعؐ نے اس مقام کو شرعی حیثیت سے حق اہتمام ٹھہرایا ہو۔ یہ بات کہ دینی حیثیت سے کن کی جگہ زیادہ محترم ہے؛ یا کس جگہ عبادت کرنے میں خاص اہتمام کرنا چاہیے؛ یا کہاں عبادت کرنے میں اجر و ثواب زیادہ ہے؛ یا کس ایسی بات ہے جسے صرف شریعت ہی بتلا سکتی ہے۔ ہم اپنی رائے اور خاص

سے نہیں ٹھہرا سکے۔ شریعت نے تمام ایسے مقامات تہجد دے دی ہیں اور حکم دے دیا ہے کہ وہاں پر بیتِ ثواب و عبادت جانے میں اہتمام کیا کرو۔ اب اگر عدا پنے ہی سے کوئی جگہ ٹھہرائے جائے گی اور اس کی خصوصیت کا اعتقاد پیدا ہو جائے گا تو پھر شریعت کے بتلائے ہوئے احکام پر امتداد ہوگا اور یہی چیز تشریف شریعت کی بنیاد ہے۔

پرستش گاہوں کی ابتدا

ناتیا لوگوں کے اسیا کرنے سے اس مسجد کی جو خصوصیت نکلتی تھی، وہی آگے چل کر اس کے زیارت گاہ بن جانے کا ذریعہ بن سکتی تھی یہ دنیا کی تمام پھلپھولیوں نے اللہ اور اس کی شریعت کے ٹھہرائے ہوئے مقامات اجتماع و مراسم کے علاوہ سیکڑوں ہزاروں پرستش گاہیں بنا چھوڑی ہیں تو پہلے پہل ان کی طرف لوگوں کو جذبہ کیوں کر ہوتی؟ اسی خصوصیت کی وجہ سے ہوئی۔ پہلے یہ ہوا کسی مقام کو کسی کی بنا پر لوگوں نے خصوصیت دیدی اور وہاں کا قصد کرنے لگے۔ یہ قصد پرستش اور بدعت و رسوم کے لئے نہیں تھا، عبادت الہی ہی کے لئے تھا، لیکن بعد کو یہی خصوصیت اس کی ایک زیارت گاہ عام بن جانے کا ذریعہ بن گئی، پھر کچھ عرصہ کے ایک بعد ایک پورا مسجد بن کر نیروار ہو گیا پس شریعت کی اس باب میں جس چیز سے انکار ہے وہ یہی خصوصیت کی وجہ سے قصد و اہتمام کرنا ہے۔ اگر کسی مقام کے لئے ایسی خصوصیت کا دینی اعتقاد پیدا نہ ہو ہو تو اگرچہ کسی مقدس انتساب کے ساتھ مشہور بھی ہو جائے لیکن شریعت کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ ایک تاریخی یادگار ہے اور ایسی یادگاروں کو چھوڑ رکھنا محبت سے دینی اور اجتماعی فوائد کا ذریعہ ہوتا ہے۔

بدعت مصطلہ شریعت

میں یہ بھی یاد رہے کہ اس معاملہ کی خصوصیت یہ تھی کہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو عجیب عجیب ٹھوس ٹھوس گمبھیز لگتی تھی۔ صریح غلط مثالیں دینے لگتے تھے ہیں اس معاملہ کو تو فی امد تارکبی یادگاروں اور عام غیر دینی اجتماعات یا معاشرتی رسوم و عوائد کے ساتھ خلط مبعث کر دیتے ہیں مثلاً جب بھی کوئی ایسی بدعت قرار دی جائے تو کہتے ہیں اگر اس طرح کی باتیں بدعت ہوں گی تو پھر لوگوں کا کسی مقام پر اجتماع ہی ناجائز ہو جائے گا۔ کوئی تو فی امد تارکبی یادگار باقی نہ رکھی جائے گا نیک اور مفید کاموں کے لئے نئی نئی صورتیں نکالنا اور لوگوں کا جمع ہونا بند ہو جائے گا۔ حالانکہ ان امور کو اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ دونوں میں اختلاف عظیم ہے جس باتوں کو مثال میں لایا جاتا ہے احاث کہ شریعت ان کی اور اس طرح کے امور کی مخالف ہو اس طرح کے امور پر اعتبار لغوی معنی کے بدعت ہوں، لیکن بدعت مصطلہ شروع نہیں ہیں اور ممنوع وہی بدعت ہے نہ کہ بدعت لغوی۔ شریعت کا قدم تو صرف اس وقت درمیان آتا ہے جب کسی مقام یا عمل کو اس کی عام دینی حیثیت سے ہٹا کر کسی دینی اعتقاد کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے اور کسی ایسی خصوصیت کا خیال پیدا ہو جائے جس کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ شریعت کے ہاتھ میں ہے۔ جب ایسی دینی خصوصیت اس سے لاحق ہو گئی اور کسی دینی نقطہ خیال سے نہیں بلکہ دینی تسلیم و تبرک یا ثواب و عقاب اور نفع و ضرر کے اعتقاد سے لوگ اس کا قصد و اتہام کرنے لگے تو پھر وہ اپنے عام دائرہ سے نکل کر ایک دوسرے ہی دائرہ میں آجاتی ہے اور اگر شریعت اسے نہ بد کے تو چند دنوں کے بعد ایک غیر شرعی بات شرعی بن کر اصل شریعت میں گھس گھس کر داخلہ کر دیتی ہے۔ جب یہ اضافات کچھ وسیع ہو جاتے ہیں تو دین الہی

کی اصلی مقدار پر جب وہ اضافات کی اتنی بڑی مقدار بڑھ جاتی ہے کہ اصلیت کا پہ
چلانا دشوار ہو جاتا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب شریعت محرف ہو کر کچھ بچ
بن جاتی ہے۔

جامع سجدہ تاج محل اور قطب صاحب

اگر ایک مثال دے دی جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔ مثلاً دہلی میں بے شمار
آثار قدیمہ کی طرح قطب صاحب کی لاٹ بھی ہے۔ ہمیشہ ہزاروں لاکھوں انسان
اسے دیکھنے کے لئے جلتے ہیں اور صرف اسی کے لئے شہر حال کرتے ہیں، یعنی
بالعقد و اہتمام سفر کرتے ہیں۔ یہاں تک شریعت کو کوئی اعتراض نہیں۔ یا مثلاً آگرہ جو تاج
محل ہے۔ یہ شاہ جہاں اور اس کی بیوی کا مقبرہ ہے۔ مقبرہ ہر دنیا کا خوبصورت ترین گنبد
ہے اور پوری عمارت منجملہ محاسن تعمیرات عالم کے ہے۔ بھی بے شمار خلقت جمع ہوتی
ہے اور اس کی زیارت و زیارت کے لغوی معنی میں کرتی ہے اس اجتماع و سفر
میں بھی شریعت کے لئے مداخلت کی کوئی وجہ نہیں، لیکن اب فرض کر دیا ہو کہ
کوئی پیر صاحب لوگوں میں یہ خیال پیدا کرادیں کہ قطب صاحب کی لاٹ ایک تبرک
مناہ ہے اور اس کی زیارت کرنا موجب ثواب و برکت ہے یا تاج محل آگرہ
کی زیارت مشکلوں اور مصیبتوں کے وعدہ کرنے کے لئے تریاقِ محرب ہے
یا ایسا ہو کہ کوئی خاص مہینہ اور دن اس غرض سے مقرر ایں مثلاً کبھی شعبان
کی دسویں تاریخ کو جو شخص دہلی جا کر قطب صاحب کے منارے کی زیارت
کرے گا یا اس کے نیچے کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا، اُسے ایک خاص اجر و ثواب حاصل
ہوگا۔ بس جو بھی یہ خیال پیدا ہوا، وہ چیز پیدا ہو گئی جسے دینی خصوصیت سے تعبیر
کیا جا رہا ہے اور اس سے اس روایت میں نکتہ شائبہ غرض شریعت طہر کرنے کا قصد ہوا

کامیک نقطہ جامع فرما کر رنگ دینا چاہا تھا۔

تاریخی یادگار اور پرستش گاہ

اب یہ معاملہ اس کی عام دینی نوعیت سے نکل کر شرعی حدود میں آگیا اور چونکہ شرعاً قطب صاحب یا تاج محل کے لئے کوئی ایسی خصوصیت موجود نہیں اس لئے شریعت فردا ماعت کیسے گی اور کہے گی، یہ بدعت ہے اور یہ قاعدہ کمال بدعت ضلالت ہے اسے مگر اپنی قرار دے گی، لیکن اگر علماء و حکام نے اس کے انسداد میں تساہل کیا تو پھر کچھ عرصہ کے بعد یہی دو مقام جو ایک تاریخی یادگار کی صورت میں صدیوں سے موجود تھے، پچ پچ کو پرستش گاہ بن جائیں گے اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کا دماغ وقف خرافات و اہام ہو جائے گا۔

ایک اور مثال دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد کی تاریخی نوعیت اور ذاتی خوبصورتی کی کشش سے کرن ہے جو اپنا دل بچا سکتا ہے، کس کے دل میں یہ دلوں میں نہیں اٹھتا کہ کم از کم ایک مرتبہ جائے، اسے دیکھے اور اس کی صفوں میں کھڑے ہو کر غار پڑھے، یہاں تک بالکل ٹھیک ہے، حالت اپنی نوعیت میں ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ شریعت خواہ تھاہ اس میں ماعت کرے۔

شرعی سفر کے مقامات

لیکن اگر کل کو کوئی شخص یہ اعتقاد لے کر دہلی کا سفر کرے کہ جامع مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ایک ایسے اجر و ثواب کا موجب ہے، جو دوسری مساجد میں نصیب نہیں ہو سکتا، تو اب یہ وہاں خصوصیت ہو جائے گی اور لا یتعدا کی ہی میں آجائے گی۔ اس حالت میں ان لوگوں کا دہلی جانا اور جامع مسجد کا قصد کرنا بدعت و ضلالت ہو گا

اور طہات احمد کا مرض ہو گا کہ کسی۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سلم کی مشہور روایت میں فرمایا "لا تشدوا لوالہا لئلا تلحقہ
الآلۃ آخر الحدیث" یعنی قصد و اہتمام اور خصوصیت و یقینی کے اعتقاد کے ساتھ شرعی سفر
نہیں ہے مگر تین مقامات کے لئے مسجد حرام، مسجد نبویؐ اور مسجد بیت المقدس، حالانکہ
دیہے تو ان کے لئے ہزاروں سفر ہیں۔ تجارت کے لئے ہے، سیاحت کے لئے
ہے، طلب علم کے لئے ہے، آثار و قبیحہ و تائیدیہ کی زیارت و تحقیق کے لئے ہے، دوستوں
کی ملاقات کے لئے ہے، لیکن وہ قصد و اہتمام دوسری چیز ہے اور فی خصوصیت
کے ساتھ قصد و اہتمام کرنا دوسری بات ہے۔ شرفاً ممنوع پہلا اہتمام نہیں ہے، دوسرا
ہے۔ غور کردہ بات کتنی صاف ہے لیکن آج تک بدعت و احداث کی حقیقت
لوگ نہ سمجھ سکے۔

قبور و آثار اور مساجد و معابد

۴۔ پہلی توہین خصوصاً عیسائی اور یہود باوجود شریعت الہی اور دین توحید کے
قیام کے گمراہ ہو گئے؟ ایسی ہی باتوں سے گمراہ ہوئے اور ایسی ہی باتوں سے ان میں یہ
معاملہ شروع ہوا۔ محبت و تعظیم آثار و تبرکات، توسل و تشفع، قصد و اہتمام کے ساتھ
اعتقاد و توحید کے ساتھ ایسی باتوں میں اہتمام اہل ان کی محبت و حجاز کے لئے گمراہ کن
توہینیں کہ مافہمہم الالتفات الی اللہ تعالیٰ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا "انما ہلک
من کان محکم مشرباً، پہلی توہین ایسی ہی باتوں سے ہلک ہوئیں، یعنی ہدایت کی زندگی
کے بدگراہی کی محنت ان کے حضور میں آئی

فتح آثار کی گمراہی !

۵۔ اور فرمایا: "یتبعون آثار انبیائہم" وہ اپنے نبیوں کی یادگاروں اور ان کی طرف منسوب چیزوں کا کھوج لگاتی تھیں یعنی محبت و تعظیم کی وجہ سے ان کے آثار و محدثی تھیں اور ان کی زیارت کو موجب برکت ثواب یقین کرتی تھیں۔ اسی سے ان کے زیارت گاہ بن جانے کی راہ نکل اور پھر رفتہ رفتہ پوری طرح پرستش گاہ بن گئیں۔

جو لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے تھے وہ اس لئے گئے تھے کہ یہاں آنحضرتؐ نے نماز پڑھی ہے، اس لئے چاہیے ہم بھی نماز پڑھیں۔ اس سے یہ پہلو نکل سکتا ہے کہ وہ جہاں مقاب لوگ اس مسجد کا قصد کرنے لگیں اور آنحضرتؐ کے آثار کے سراغ لگانے اور انہیں زیارت گاہ بنا لینے کا ادب پر مدعا نہ کھل جائے۔ پس سبحان اللہ حضرت عمرؓ کی نگاہ حقائق میں اور فکر غوامض آشنا مجرب و سنی کے کہ مسجد عثمانیہ فیہ البیہ آپؐ نے دیکھ لیا کہ فتح آثار کی گمراہی اس معاملے کے اندر سے جھانک رہی ہے اور اگر اس وقت مدعا بند کیا گیا تو اسی راہ سے اس کے قدم بڑھ آئیں گے۔ پس فرما دو کہ دیا اور فرمایا: "انما ملک من کان قبلکم یبذل ہذا کا نوا یتبعون آثار انبیائہم"۔ اسی ہی باتوں سے پھلپ تو میں گمراہ ہوئیں۔

آثار انبیاء پر عبادت گاہیں

۶۔ وقت و مہا کنائس و مہیا یعنی وہ اپنے نبیوں کے آثار و محدثات میں اور پھر انہیں مسجد بنا لیتے ہیں۔ بیچ اور کینہ یعنی اہل کتاب کی مسجدیں اور عبادت گاہیں۔ بعضوں نے کہا: بیچ سے مقصود یہودیوں کی مسجد ہے۔ بعض نے کہا: عیسائیوں کی۔ امام ابن جریر نے سورہ حج کی تفسیر میں تمام اقوال جمع کر دیے ہیں۔ یہ یہ حال مقصود اہل

کتاب کی جلالت گاہ ہے۔ اب میں اہم تصانیف و روایات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا
 یخمد نہا کتا سر دیجا، نیز قام معلویش، یا سہا ہی بھی اس معاملہ کا اتحاد مسجد سے تعبیر
 کیا گیا مثلاً صحیحین کی مشہور روایت عائشہؓ میں ہے لعن اللہ الیہود و انصارہ
 انخذوا قبور انبیائکم مساجد و منین کی روایت ابن عباسؓ میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 زائرات القبور و انخذن حلیہ المساجد و السراج تو اتحاد مسجد یعنی قبروں اور شریک آثار کو مسجد
 و مسجد بنالینے سے مقصود کیا ہے؟ واصل مقصود بالکل واضح تھا۔ امت کو اس کے
 سمجھنے میں کبھی اشتباہ نہیں ہوا، لیکن اب بد قسمتی سے ارباب بدعت کی و دراز
 کارو جبین اور مضوی تحریفی اور حقیقت حال لوگوں پر مشتبہ کر چکی ہے اور طرح
 طرح کے نئے معنی پہنا کر ایک صاف صاف بات کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔

یہود و نصاریٰ

نظارہ ہے کہ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جس بات
 سے روکا ہے اور اس پر لعنت لگائی ہے، وہ وہی ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں نے
 کیا تھا صحیحین کی ایک دہ سری روایت میں صاف موجود ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ
 نے آنحضرت سے عیسائی کے ایک کپڑے کا حال بیان کیا جو انھوں نے حبش میں
 دیکھا تھا۔

اس پر آپ نے فرمایا: اولیک افانیت فیہم، و حلیہ المساجد نہا لی قبر مسجدا (لی انزل اللہ)
 یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا دستہ ہے، جب کوئی بزرگ اور نیک آدمی مر جاتا ہے تو اس
 کی قبر پر سب ہاتھ پائی کرتے ہیں، اللہ کے نزدیک نہایت ہی بُرے جگہ ہیں۔ ان پر
 خدا کی لعنت ہو۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ جس جگہ آپ نے ذکر کیا تھا وہ مادیہ
 کے نام سے مشہور تھا یعنی حضرت عمرؓ کا جہیز۔

پس سب سے پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہئے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طرہی عمل اس باب میں کیا تھا اور کیا ہے؟ جو کچھ معلوم ہو گا، وہی مطلب یہاں بھی تفسیر سے سمجھا لینا پڑے گا، کیوں کہ عمل انھیں کی طرف سے ہے اور انھیں کی سی بات کرنے سے روکا گیا ہے۔

حقیقت کیساتھی

اچھا غور کرو اہل کتاب کا حال کیا تھا؟ کیا ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی بزرگ انسان مر جاتا تو وہ اس کا ایک بت بنا کر وہاں نصب کر دیتے تھے؟ یا اس کی کسی یادگار کو بت پرستوں کی پوجا کی طرح رکھ دیتے تھے اور اس کی اس طرح پوجا کرتے تھے جس طرح ہندو شیور کی یا کالی کی پوجا کرتے ہیں؟ یا پھر ایسا تھا کہ وہ ان بزرگوں کو فاطمہ سمیراۃ الارض یقین کر کے ان کے آگے سجدے کرتے تھے، جو دنیا کے کسی سخت سے سخت بت پرست نے بھی آج تک نہیں کیا؟ معلوم ہے کہ یہود انصاریٰ نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ کوئی انسان جسے اہل کتاب کی تاریخ اعمال و رسوم سے واقف ہونے کا کچھ بھی موقع ملا ہو، ایک لمحہ کے لئے بھی خیال نہیں کر سکتا۔ ہر واقعہ حال تسلیم کرے گا کہ ان معنوں میں نہ تو کبھی یہودیوں نے آثار و قبور کو سجدہ نہ کیا نہ عیسائیوں نے۔ آج بھی دنیا کے ہر حصہ میں ان کے گرجے اور مقدس عمارتیں موجود ہیں۔ خود ہندوستان میں سیکڑوں گرجے موجود ہوں گے، جس کا بھی چاہے جا کر دیکھ لے۔ ان باتوں کا نام و نشان نہ پائے گا۔ عیسائیں میں تو دس کیتھولک، چھ کیمپریٹریہ، چھ ارتھوڈوکس، چھ اسلام کے مجسے استعمال کرتے ہیں لیکن یہودیوں کے یہاں تو کبھی محل اور کسی گوشے میں کبھی بت پرستی یعنی مندر، مندر و مندر نہیں ہوتی، حتیٰ کہ بت پرستوں اور اسی جیسے کہ جس کی پوجا کی جھڑپ ہو، نجاست سمجھتے ہیں اور اس کی جھڑپ سے کبھی ہرگز گرتے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے کسی غجائیوں کی قبر یا کسی پلوکار

کو شیور کالی کے منہ کی طرح مسجد بنایا جو امدان معنوں میں ان کی پہچان کرتے ہیں
جن معنوں میں ان دریاہ کی مہاکوی تھی۔

محبت و تعظیم میں غلو

دراصل جو کچھ ان دونوں قوموں نے کیا تھا اور کر رہی ہیں، وہ بھی تھا کہ سب سے پہلے نبیوں اور بزرگوں کی محبت اور تعظیم نے ان پر غلو اور افراط کا دروازہ کھولا اور ان کے خصوصیت و اہتمام کے ساتھ ان کی قبروں پر آنا کی زیارت کرتے۔ اس چیز نے بڑھتے بڑھتے یہ شکل اختیار کی کہ وہ مقامات باقاعدہ زیارت گاہیں بن گئے۔ پھر ایسا ہمارا تعظیم و اجلال کے لئے ان پر بڑی بڑی عمارتیں بنائی گئیں، عمارتوں پر اسی طرح گنبد اور منارے بلند کیے گئے جس طرح گرجوں پر ایقاز و نقوش، دھانی جاہ و اجلال اور قدسی اہمیت و جہوت کے وہ تمام ساز و سامان آداستہ ہو گئے، جو انسانوں کے دلوں میں مافوق الفطرت عظمت و شان کے پراسرار جنبات پیدا کر سکتے ہیں۔ مثلاً قبر پر یادگار کے مقام کو مقدس تریان گاہ و آئینہ کی طرح آراستہ کرنا، بڑی بڑی شمعیں شب و روز روشن رکھنا، چاندی سونے کے کپڑے سے گھیر دینا، نقش اورد مٹا چاندی ڈال دینا، ہمیشہ انگلیشیاں روشن کرنا امدان میں غبر جلاتے رہنا، عبودیت و نیاز کی عاجزی و تضرع کے ساتھ لوگوں کا دہاں جانا، تعظیم و احترام کے ساتھ ہوس دینا اور سر جھکانا۔ ہر طرف سے لوگوں کا ان کی زیارت کے لئے حرم خاص مہینوں اور تاریخوں کو ان کی پیدائش یا موت کا دن منبر اکرم ماننا۔ انہی حاجتیں اور طریقے لے کر وہاں جانا اور اس طرح ختمی ماننا جس طرح وہ خدا کے حضور مقدس جگہ میں مانا کرتے تھے۔ طے ہو رہی وہاں جانا اور اس طرح ختمی ماننا جس طرح وہ خدا کے حضور مقدس جگہ میں مانا کرتے تھے۔ طے ہو رہی وہاں لوگوں کا بھی ہرگز چاہنا نہ کرنا کہ وہ نیاز چڑھنا،

تبرک تفسیر کرنا، غرض اے انسانوں کے مدعا فی رجوع و اجتماع اور توجہ و ملکوت کا ایک عمل و مرکز بنالیا۔ بس یہی طریقہ میورد و نصاریٰ نے آمل دن سے دن سے اختیار کیا اور اسی طریقہ پر آج تک حال ہیں۔ اس سے نیا وہ دامنوں نے قبول نہ اٹا کر کے ساتھ کچھ کیا اللہ اس سے زیادہ ان کی بنائی ہوئی زیارت گاہوں میں کوئی چیز دکھائی دے سکتی ہے یہ حقیقت اس وجہ معلوم و مسلم ہے کہ کسی اثبات و استنباط کی ضرورت نہیں۔ بس ہذا اگر تائیدی حیثیت سے ان کے ظہور و شیعہ کی تفصیلات دیکھنی ہو تو صرف دین سچی کی تدریم و جدید تاریخیں ہی دیکھ لی جائیں۔ رسولیم میوہ کی ہٹری آف دی جیورج ہندوستان میں ہر جگہ مل سکتی ہے۔ جمنٹان روم و عوام کی بعض تفصیلات ڈی سر کی مشہور کتاب کا فیلکٹ بٹ دین ریچین اینڈ سائنس (مع کو مذہب سائنس) میں بھی ملیں گے۔

صلیب کے تقدس کی ابتدا

مثلاً ابتدا میں ایسا ہوا کہ دین سچی کے فہم و داعیوں نے لوگوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی کی یاد دلانے اور واقعہ صلیب کے تذکار کے لئے صلیب کو بطور ایک علامت کے استعمال کرنا شروع کیا۔ پھر کچھ لوگ اُسے جو ہر دینی موقع پر صلیب اپنے ہاتھ میں رکھتے اور دعا مانگا کرتے تھے اس کو حضرت مسیح کی قربانی اور اس منور طریقہ پر یاد دلاتے۔ یہ قدرتی بات تھی کہ اب صلیبوں کے لئے حضرت مسیح کے اقتساب کی وجہ سے عوام کے دلوں میں عظیم و احترام کے جذبات پیدا ہوتے، چنانچہ پیدا ہوئے اللہ اس نکڑی کا نہیں جس سے صلیب ہی تھیں، بلکہ اس نسبت کو جو حضرت مسیح سے انھیں حاصل تھی، جوش و خروش نہ دینے لگے۔ اس اثنا میں دین سچی رومی ملک میں پھیلنے لگا۔ رومی بہت پرستوں نے یہی نئی ساری دعوت و حید قبول کر لی تھی، لیکن اپنے دوسروں سے مشرک و کپڑوں کا میلان نہ نکال سکے تھے اور ہر دم کے شاہی خاندان کو بعض

سیاہی مقاصد کی بنا پر دین کی قبول کرنا پڑا اور مسیحیت کا ایک جدید روحی و مذہبی شروع ہو گیا۔

مسیحیت کا روحی دور

یہ دور پوری طرح قدیم روحی علم الامسام کے اثرات سے موزون تھا۔ اب تیرک، توسل، انتساب اور محبت و تعظیم کے اجدائی مظاہرات نے بڑی سرعت کے ساتھ دینی مندریس طے کرنا شروع کر دیں اور مسیحی زیارت گاہوں نے عبادت خانوں کا سانگ بچھ اختیار کر لیا۔ چنانچہ اس عہد میں ایسا ہوا کہ ہر شہر اور گوشہ میں بے شمار مقدس عمارتیں بن کر تیار ہو گئیں۔ نہ صرف حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے حواریین کے بلکہ بے شمار مسیحی اولیاء و شہداء کے تبرکات و آثار پیدا ہو گئے۔ جس شخص نے چاہا کہ انہی چلپا کر انہی مجاہدی کے لئے ایک معبد پیدا کرے، فوراً مشہور کر دیا کہ فلاں ملی اور فلاں شہید کی یاد گار نکل آئی یا انہوں نے خواب میں آکر مجھے اس کا پتا بتا دیا ہے۔ لہذا اس پر ایک مقدس عمارت بن گئی اور لوگوں نے زیارت گاہ بنا کر غنہ و ثروت کا شروع کر دی۔ دوسرے میں اس وقت تک سینٹ پال کا مشہور صوبہ موجود ہے۔ اس کی بنیاد بھی ابتدا میں اسی طرح پڑی تھی کہ سینٹ (یعنی دلی پلس) کے بعض تبرکات و آثار و محوثرہ نکلے گئے اور انہیں ایک مقام پر رکھ کر زیارت گاہ تعمیر کر دی یہ کج ملک رومن کیتھولک حیاتوں کا قبلہ حاجات و کمندہ رخصیات ہے۔ دوسرے کے وٹیکان یعنی پاپ کے مقدس محل کے اطراف میں پاپس سے زیادہ ایسی مقدس عمارتیں و زیارات گاہیں ہیں اور اگر تاریخی حیثیت سے ان کا انتساب بھی ثابت نہ کیا جاسکا، انہیں بھی یہاں سے مسیحی دنیا کے مذہبی و روحانی محافظان سے وابستہ چلے آئے ہیں۔

ایام و شہور متبرکہ کا آغاز

اس سلسلے میں غیر شرعی ایام و شہور متبرکہ کی بھی بنیاد پڑی۔ یعنی کوئی خاص دن اور مہینہ بزرگوں کی ولادت یا وفات کا ٹھہرا کر اسے ان کے عرس کا مخصوص دن قرار دینا اور اس دن خاص طور پر ان کی زیارت کے لئے جمعہ جوتا، دودھ دینا، منگلت سے سفر کرنا، شمعیں لادھ جالیں چڑھانی اور اپنی مصیبتوں اور مرادوں کے لئے منت مان کر کسی خاص مذہب یا زکاۃ، ہتھام کرنا، چنانچہ مسیحی تلمیذ و ایام کا کوئی بزرگ انسان ایسا نہیں، جس کا عرس نہ قرار دیا گیا ہو اور جس کے عرس کے لئے خاص خاص چیزیں اور خاص خاص طریقے تدبیر یا نہ کے مانگے نہ ہوئے۔ اس وقت تک یہ ایام اور اس کی تقویروں کی یادداشت کے خانوں میں اس کی طرح رکھے جاتے ہیں جس طرح منشی رحمت اللہ رحمہ اللہ کی بڑی بختری میں سلطان اولیاء کے عرس کی تاریخیں نوٹ کی جاتی ہیں سینٹ پال ٹرسٹے یعنی پارس دلی کے عرس کا، آل منیش ٹرسٹے یعنی تمام ولایتوں کی یاد کا، آل سولس ٹرسٹے یعنی تمام اہل کی یاد کا، ایسی طرح کے میسوں عرس ہیں، جن کا حال ہر اس شخص کو معلوم ہو گا، جسے کبھی مسلمانوں کے اعمال و رسوم سے کچھ بھی واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہاں چھوٹے مکان کے کسی کے المیہ کے پرستار، اس نے پڑے ہوئے پرستار، انکس میں، کے پرستار میں دس پانچ اعلانات ان ختمی اصنافوں کے پیشہ چھپتے ہیں، جتنی بات توفیق غیب کی تیرک طرفوں کی طرف سے ہوتے ہیں اور جن میں ان ختموں اور حوالوں کی تصدیق ہوتی ہے، یہی خاص ختمی کے عرس کے دن کے لئے مخصوص ہیں اور ان کی

خاندانوں کے اولین نام

اسی سلسلہ میں یہ بات سن کر عجیب نہیں نادانقت مسلمانوں کو تعجب ہو کہ جس طرح آج کل مسلمانوں میں عام دستور ہو گیا ہے کہ ہر شخص اور خاندان عزت کی سمجھتا ہے، کسی نہ کسی خاص رنگ کو اپنا مقصد و مطلوب دلی بنائے اور اپنی مشکلوں مرادوں میں اسی کا آسرا پکڑے، ٹھیک یہی طریقہ عیسائیوں کا بھی تھا اور آج تک وہی کثیر رنگ چھچ کے عیسائیوں میں مانج ہے۔ ہر شخص اور ہر خاندان کے لئے کوئی نہ کوئی روایتی دلی (ٹریڈیشنل سینٹ) ضروری ہوتا ہے جس کا وہ خاص طہر ہر سال عرس کرتا ہے۔ نذر و نیاز دیتا ہے اور اپنی مشکلات و عالج میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ فرس کے قدیم شاہی خاندان بوربون کو سینٹ جان سے خاص اور کیتھی رائن کی تمام مذہبی تقریبات میں سینٹ جان کا عرس سب سے زیادہ شاندار ہوتا تھا۔ کوئی شانزدہم کی نسبت مشہور ہے کہ جب اسے گلورین کی طرف سے جانے لگے تب وہ علم چوٹی میں سینٹ جان کے نام کا مدد کر رہا تھا۔ چارلس اڈولف، بوربون کی تاریخ میں لکھتا ہے کہ جب جمع آگئے تھے تو سب سے پہلے سینٹ جان کے نام کا مدد کرتے تھے۔ دس کے انچورڈ کس رجوع کے معتقدین کا بھی یہی حال ہے، کوئی خوش اعتقاد ہیائی ایسا نہیں ملے گا جو کسی مذہبی دلی کا معتقد اور اس کا عرس کرنے والا نہ ہو۔ نار کے خاندان کے سپرنٹنڈنٹ۔ عہدوں کا الگ، عہدوں کے عرس ہر سال باری باری سے سینٹ پیٹر زبرگ اور ماسکو میں منائے جاتے تھے۔

یہودیوں کی کیفیت

یہودیوں کا حال ہے۔ یہودیوں کی حالت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس قوم نے فادی سینا کی گوسالہ پرستی کے بعد (جو اثرات مصر کا بقایا تھا) پھر بھی بت پرستی اس معنی میں نہیں کی کہ پتھر کا بت بنا کر اس کی پوجا کی ہو۔ نہ بھی قطعاً ایسا ہوا کہ اپنے نبیوں اور بزرگوں کے قبور و آثار کو انھوں نے اس معنی میں معبد بنایا ہو، جو کچھ کیا وہ یہی تھا کہ تبرک و توسل اور محبت و تعظیم کے جذبات سے خصوصیت کے ساتھ ان کا قصد کرنے گئے۔ پھر انھیں زیارت گاہ بنادیا اور زیارت گاہوں پر بڑی بڑی ہیکل بنا عمارتیں بنا کر کھڑی کیں۔ چنانچہ آج بھی ہر شخص فلسطین اور بیت المقدس میں جا کر بیت خلیل، بیت عاملیل، بیت لہی، بیت عزرا، ہیکل دانیال وغیرہم کا معائنہ کر سکتا ہے۔ وہاں نہ کوئی بت ہے، نہ محراب عبادت، نہ ہی کسی قبر کے اوپر بہ معنی فوقیت کوئی عبادت گاہ تبرک کی گئی ہے۔ جو کچھ ہے یہ ہے کہ قبروں یا قبر کے قدیم واضع اور تحائف پر کلکار چادریں ڈھری ہیں۔ رنگ برنگ کی قیمتی قدسیں لٹک رہی ہیں۔ بڑی بڑی محرابیں روشن ہیں۔ چاندی سونے کی انگلیشیریں مقدس بخور سنگ رہا ہے اور مردوں عورتوں کے مجسموں میں، جو وہاں اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگ رہے ہیں۔

مسلمان اور اتباع سنن اہل کتاب

یہ ہے یہود و نصاریٰ کا قبور و آثار کو مسجد بنالینا۔ قطع و حرم کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے لئے نہ تو ان کا کوئی فعل ثابت و مشہود ہے، نہ مسجد و کتبہ۔ پس اس رعایت میں یمنز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ارشاد میں جہان کہیں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح اتحاد و تہجد آثار مسجد اور بنائے نہ لگایا ہے تم اس سے مقصود

ایسی ہی صورت حال ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے جیسا کہ کج کل کے اھلب بدع درہم سمجھتے ہیں کہ مسجد بنالینے کا مطلب ان اعمال و فعل کے سوا کچھ اور ہو گا۔ خدا ماکوئی ذی قتل بتلائے کہ وہ کچھ اور کیا بلا ہے؛ آخر اللہ کے رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے اقبال ان کے نزدیک بامعنی ہیں یا بے معنی؛ اگر بامعنی ہیں تو ان الفاظ کا کوئی مطلب و عمل بھی ہے یا نہیں؟ پھر وہ کیا ہے؛ کیا مسجد بنالینے کا مطلب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی قبر یا یادگار کے آگے محراب یا کسی قربان گاہ بنا دی جائے اور لوگ وہاں اس نیت سے کہ ہماری نماز اس قبر اور یادگار کے لئے ہے، ذک خدا کے لئے نماز پڑھا کریں؛ یا یہ سمجھتے ہیں کہ اس قبر کے عین سینے پر ہمارے بے بت کی طرح ایک بہت بڑا بت نصب کر دیا جائے اور لوگ صبح و شام وہاں جمع ہو کر گھنٹے بجایا کریں؛ اگر فی الحقیقت وہ ایسا ہی سمجھتے ہیں تو انوس ان کے تیل ہزار محل پر اور صد افسوس ان کی اس برات شرم نا آشنا پر، کیوں کہ خدا کا اس منہ پر کم و کثر یہوں اور یہاں تو کچھ اور بھی ہے کہ یہ تو مسجد نہیں بنایا بلکہ علم و بصیرت کے گوش و بنگاہ سے اس محل اندیشی و کج بازی سے آتش ہوئے۔ اہل ازم - اس لئے کہا گیا کہ جہاں تک احتیاج و ضرورت دینیہ کا سوال ہے اہل کتاب بجائے خود رہے، دنیا کے کسی سخت سے سخت ثبت پرست نے بھی آج تک غیر اللہ کی عبادت پر کچھ کر نہیں کی کہ قبیح عبادت حقیقی کا مستحق ہے۔ مشرکین عرب تک کا یہ حال تھا کہ: ولئن سالتم من خلق السموات لم یجروا الخیال من غیر اللہ و یقولن اللہ، جس عبادت کو اسلام نے توحید و حقیقت کا ضد ٹھہرایا ہے وہ تو مشرکین عرب کا قتل قتل کہتے ہیں۔ نہاذا قرآن یہ ہے کہ ما نعبدهم الا لیقرینا الی اللہ یعنی اللہ اور اولاد و شععار و غیر ذلک من الملائات۔

۱۔ ان کے لئے سے پہلے کہ کس نے نبی اللہؐ کو انعام میں نکالیا سورج اور چاند کو تو کہیں کے اللہ نے (عکسرت) کی تاباں کر رہے ہیں اس سے کہ ہم کو پیچا دیں اللہ کی طرف قریب گئے۔
۲۔ ان کے لئے یہ اللہ کے فضل و کرم سے سزا دہی ہو رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد

فرض حاصل نہیں یہ ہے کہ جو حضرت عمرؓ نے فرمایا و تخیذ نہ کیا کٹاؤں و سجا اور یہ چھوڑنا احادیث باب میں وارد ہے اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت عظیمہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری عمارتیں تعمیر کرنا اور انہیں ایک ایسی زیارت گاہ یعنی مشہد بنالینا، جس کا یہ اعتقاد نفع و ضرر قصد کیا جائے اور وہاں کے اعمال و رسوم میں ایسی ایسی باتیں داخل ہو جائیں جو عنبر و اشباح و طاعات و منیہ کی خصوصیات میں سے ہیں۔ نیز عبادت گاہ حقیقی کی طرح وہ بھی انسانوں کے توجہ و عکوف کا مرکز بن جائیں۔ جب کبھی کسی قبر اور یادگار پر اس غرض کی عمارت تعمیر کی گئی اور اس نے ایسی ہیئت و نوعیت اختیار کر لی تو شارع علیہ السلام کے نزدیک یہ اسے مسجد بنالینا ہے، معبد تعمیرالینا ہے اور بیت اور کلیسا کا اتھاؤ ہے۔ ایسی ہی باتوں سے پھلپلی امتیں خصوصاً اہل کتاب میں گمراہ ہوئے۔ ایسی ہی باتوں سے عرب کی سر زمین کو اسلام کی بھڑانہ قوت و اطلاع نے پاک کیا۔ ایسی ہی باتوں کے دوبارہ لوٹ آنے کا جیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت رنجنا تھا۔ ایسی ہی باتیں کر سنے پر انہوں نے اپنے بستر وصال پر بار بار لعنت بھیجی تھی اور فرمایا تھا "اشتہ غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبرا و انبیائہم مساجد" اور ایسی ہی باتوں سے صحابہ کرام اور اہل بیت نبوتؑ ہمیشہ غلیظہ تک رہتے تھے۔ چنانچہ ہدایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جب حضرت عمرؓ نے جنگوں کو ایک مسجد کا قصد کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "وہاں سے تم میری طاعت نہیں کریں گے" اور فرمایا "وہاں سے تم میری طاعت نہیں کریں گے"۔

۱۔ یعنی یہود و نصاریٰ، ۲۔ خدا کا غضب اس قوم پر پڑا تھا، ۳۔ جس نے انبیاء کی قبریں عبادت گاہ بن دیا۔

دعوت الی اللہ والی الرسول

اب ۴۰ تمام لوگ جن کے دلوں کو ظلمت بدعت و رسوم نے اس درجہ
 ٹھیک ذکر دیا ہو کہ اتباع شریعت کی روشنی بکلی محجوب ہو، خدا را انصاف
 کریں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جن معنوں میں قبروں اور یادگاروں کو مسجد و کینسہ بنالیا
 ۴۱ ٹھیک اسی طرح ہم مسلمانوں نے بھی بنالیا ہے یا نہیں؟ اور ارشاد نبوی کہ
 ۴۲ تَسْبِغُ سُنَنِ مُحَمَّدٍ كَذَلِكَ خَدَّاهُ الْقَدَّةُ بِالْقَدَّةِ حَتَّى لَوْ دَخَلَ أَحْمَرُ ضَبِّ لَدَخَلَتْهُ - قَالُوا
 یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ؟ قال نعم (آخر جاہ عن ابی سعید واللفظ المسلم) ٹھیک
 ٹھیک پورا جو چکا ہے یا نہیں؟ کیا اسلام ۴۰ مدنیہ ۴۰ مدنیہ ۴۰ مکہ مکہ
 پیچنے والوں میں کوئی ایک صادق مؤمن روح بھی ایسی نہیں، جو حقیقتاً اسلام اور صاحب
 مدنیہ و مکہ علیہ التیمہ و اسلام کی محبت و عشق پر دھمکوں اور رفاہوں کی الفت اور بدعتوں
 اور گمراہیوں کا فوق و شوق قربان کر دے سکے اور حکم الطیور اللہ و الطیور الرسول طاقولوا
 عنہم نعمون دعوت الی اللہ والی الرسول پر ٹھیک کہے؟

۴۳ ملتہم و دین ماستوں پر چڑ گئے، ہم تم سے پیلتے ہیں اور افتخار ہی ہو گی جیسے باشت و باشت اور باشت
 پر باشت ہیں تک کہ اگر گھر گھر کے بل میں گھسے ہیں تو تم کی گھس گئے۔ ہم غرض کیا یہ صراطِ مذہبہ خودی؟ تو کیا کہنا؟
 کے مسلمان، شراب اس کے دھلے کا امت کر۔ اس کو دیکھو کہ وہ صراطِ حق سے بے بردھن،

دیش بندہ جو تجربن داس

حب وطن، قربانی اور اتحاد کا پیکر

یہ مقالہ مولانا نے دیش بندہ وہاں کی وفات پر لکھا تھا اور اگست ۱۹۴۷ء کے زمیندار کی اشاعتوں میں چھپا تھا۔ اصل مقالہ کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ اتنا عرض کر دوں کہ ہندو قوم نے اس دور میں جتنے لیڈر پیدا کئے، ان میں حق کی نصرت دیا دوی جو انفرادی اور بے قصبی میں ہندو داس جیسا کئی شخص نہ نکلا۔

سب جھٹی یا بڑی مصلحتوں میں الجھ گئے، لیکن داس کا دامن کبھی کسی مصلحت کے خارزار میں نہ الجھا اور اس نے ہمیشہ دی کہا اور وہی کیا، جو حق تھا۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں جتنی ہر دلعزیزی داس کو حاصل ہوئی، وہ غالباً کسی دوسرے ہندو لیڈر کو حاصل نہ ہو سکی۔ انہوں نے داس کی عمر نہ پاسکے۔ اگر وہ دس سال اور زندہ رہتے تو نقصان حالات کے دھارے کا رخ پلٹ کر رکھ دیتے۔

مولانا نے اپنا کتاب ہندوستان نے آزادی جیت لی، میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے۔

تاریخ کا انتظار

فرانس کے مشہور مصنف و کٹر بیرو گونے والٹیر کی صد سالہ یادگار منانے ہوئے
کہا تھا،
”زندگی کتنی ہی شاندار اور عظیم ہو لیکن تاریخ اپنے فیصلہ کے لئے ہمیشہ موت
کی منتظر رہتی ہے۔“

اگر یہ سچ ہے تو ہندوستان کے مورخ کا انتظار ختم ہو چکا۔ دیش بدھ جو پیر پختی واس
کی زندگی کی عظمت اب تاریخ کے اوراق کے لئے ایک فیصلہ شدہ واقعہ ہے۔ وہ اپنی
زندگی میں اپنے لئے سب بات نہیں بتا سکے تھے، اپنی موت سے دنیا پر آشکارا کر گئے۔
ہندوستان نے اپنی جدید تاریخ میں شاید ہی کسی قوی زندگی موت پر ایسا عالم گیر باقم
کیا ہو۔ مہاراشی بندھو کی ناگانی وفات ہو چکا۔ ۱۹ جون کو جب ان کی فحش کلکتہ کی طولانی
ٹرک پر سے گزری تو اس عظیم الشان شہر نے اپنی پوری آبادی استقبال کے لئے صف بستہ
کر دی تھی۔ ماحی انسانوں کا ایک مہر اتھا جو ایک کنارے سے دوسرے تک پھیلا ہوا تھا۔
ہلین دلوں اور اشکبار آنکھوں کی وہ ان گنت تعداد اس کے علاوہ ہے جو اس کا رے سے کثیر
ایک ہر جگہ ہندوستان میں بھیجی جاسکتی تھی۔

پہلی جولائی کی مہوم اور خاموش سپر کے اضلاع نے اس باقم کی عظمت اور زیادہ مشکل
کردی۔ اس دن براعظم ہند کے گوشے گوشے میں ماحی مجلس منعقد ہوئیں جن کی دیداد
سے اس وقت تک اخباروں کے صفحے مکے ہوئے تھے۔

ہندوستان جو بد قسمتی سے زندگی کے ہر گوشے میں طرح طرح کے فرقوں سے

موت کا ماتم اور زندگی کے آثار

ہندوستان کے کرڈوں دلوں کا یہ متحورہ احساس ہندوستان کی موجودہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ ایسے ہی واقعات سے احساس قومیت و قوت اور اس کی نشیونما کا صحیح فائدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس میں صرف ایک ہر دلنیز انسان کی موت کاظمی نہیں ہے۔ اس میں کرڈوں دیوں کی زندگی کی جھلک بھی دکھائی دے رہی ہے۔ بہت کم مایوسی میں زندگی کی امید ہے۔ اس سے مولد ہوتا ہے کہ ملک کی عام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نہائی میں غفلت اور افسردگی کی کتنی ہی نمایاں ہو، لیکن اس کی تہ میں ایک گہری حقیقی سیلیدی
مجذبوہ لپکتی ہے اور جیسا کہ تاریخ کا تجربہ شہادت دیتا ہے، بیداری کی یہ اندرونی قوت
جب ایک مرتبہ مجذوبہ کپڑے تو پھر اسے پامال نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اپنی نشوونما اور تکمیل میں
ہمیشہ سے اٹل رہی ہے۔

دشمن بندہ ہو کی کامیابی کا لازمہ

لیکن میں اس وقت اتنا دور نہیں جانا چاہتا کہ اس شخصیت کے چہرے پر ایک سیاسی

رہنما کے چمکامیابی حاصل کی ہے؟ یہ شخص کو معلوم ہے کہ ان کی ملکی رہنمائی کی عمر نسبت بڑی رہی تھی۔ ان کی غیر معمولی قابلیتوں پر اگرچہ عرصے سے نظر پڑ رہی تھیں اور مظلوم قوم پر اچھی طرح پبلک پبلیک فام پر نمایاں ہوئے تھے تاہم ان کی رہنمائی کا اصلی زمانہ ترک سوالات کی تحریک سے شروع ہوتا ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال کا زمانہ ہے۔ اسے دونوں کے اندر ہی انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نمایاں جگہ بنالی اور تمام ملک کے طلب فتح کر لیے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ اس غیر معمولی کلیدیابی میں زیادہ دخل اس کے کن غیر معمولی خدمات کو تھا؟

جس طرح ایک مکمل تصویر بنانے کے لئے کوئی ایک رنگ ہی کافی نہیں ہوتا، اسی طرح ایک بڑے آدمی کے لئے بھی کوئی ایک قابلیت کافی نہیں ہو سکتی۔ کتنے ہی مختلف رنگ چاہئیں، جن سے کمال اور بڑائی کی یہ شاندار تصویر مزین و زیب ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ مختلف ادوار کا ہی مقدار میں جمع ہونے لگتے تھے۔ وہ داخلی اور خارجی دونوں طرح کے حصوں سے مالاوار تھے۔ ان کی ذہانت غیر معمولی تھی۔ ان کی رائے تعجب انگیز حد تک مناسب اور بحث و استدلال کی قوت لازوال تھی۔ ان کا دماغ ایک ایسا سانچا تھا جو کوئی ڈیزائنر ہی اندازہ ہمارے زیر قبول ہی نہیں کرنا سکتا۔ کوئی معاملہ کتنا ہی الجھا ہوا ہو وہ فوراً صاف اور صحیح پہلو پالیتے تھے۔ پھر کچھ بحث مخالف کتنا ہی الجھائے، ان کا دماغ متاثر نہیں ہوتا تھا۔ ان کی قوت تقریر ایک مانی ہوئی بات ہے۔ ان کی تقریر میں نہ تعصوب نظر نہیں فصاحت ہوتی تھی، نہ صرف خشک استدلال۔ خطابت (آڈیری) کے یہ دونوں ضروری عنصر اپنی مناسبت کے ساتھ مرکب ہوتے تھے۔

دماغ سے زیادہ دل مالا مال
 رہتی مقبول کا مقولہ ہے۔ ایک مقرر کیلئے سب سے بڑا ضعف یہی ہے کہ

ان دونوں مشہوروں کی ترکیب میں بے اعتدالی سے محفوظ رہے۔ ان کے دماغ سے کبھی یہ بات
ان کا ذہن مالا مال تھا۔ حب وطن کے شعلوں سے ان کے دل کا تھوہ جلیز گرم رہتا۔ وہ اپنی
زندگی میں ہمیشہ ایک جلیقی جوتی چتا تھے۔ ان کی فیاضی اور اہانے جس کی بے پایاں مہر دی
کا نسب نے بطور ایک مسلم واقعہ کے ذکر کیا ہے۔ ان کی فیاضی علم کے اخلاق کے
نزدیک امرات بھی جلنے لگی۔ سب جانتے ہیں کہ انھوں نے لاکھوں روپے کا نئے
لیکن جب پریکٹس جمعیت کی نو رہنے کا مکان گروہ تھا اور پیکل چند ہزار روپے خرچ
کے لئے پاس تھے۔ ان کے ایتار اور قربانیوں کا ذکر محتاج بیان نہیں۔ انھوں نے
وطن کی خدمت کیلئے واقعی زندگی کی ساری آسائشیں قربان کر دیں۔ وہ مملکت کی اعلیٰ آسائش
پسند سوسائٹی کی شاندار زندگی ترک کر کے گھر کی ایک چادر پر قانع ہو گئے۔

ان کے یہ تمام اوصاف آج موافق و مخالف سب کی زبانوں پہ ہیں، لیکن میں صرف
اتنے پر قانع نہیں ہو سکتا۔ میں اس سے بھی زیادہ کوئی بات معلوم کرنی چاہتا ہوں۔
یہ اوصاف بلاشبہ غیر معمولی ہیں، لیکن ایسے ہمیں جن میں دوسروں کا حصہ نہ ہو۔
ہندوستان اس وقت رنجائوں اور رہنمائی کی قابلیت رکھنے والوں کے لحاظ سے مغفلس نہیں
ہے۔ اس کے رہنماؤں کی صف کافی طویل ہے۔ ان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بجا
طرح پر ان اوصاف کا مکمل ورثہ کر سکتے ہیں۔ پس ہمیں اسی حد تک رک نہیں جانا
چاہیے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ دلش بندو کے رہنمایانہ خصائص کے وہ خاص
اوصاف کیا تھے، جن کی وجہ سے انھیں اپنے معاصرین میں ایسی ممتاز جگہ حاصل ہوئی؟

خاص وصف

میرے خیال میں ان کے وہ خاص وصف ایسے تھے جن میں ان کی رہنمایانہ زندگی
کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ میں ان وہ وصفوں کو ان کی ساری قابلیتوں میں اہل

ہوا دیکھتا ہوں۔ اولیٰ یہ کہ ان کے اندر ایک نڈر اندھے باک قوت عمل موجود تھی۔
 نہا ہوا یہ کہ ان کی حسبِ وطن اور قومیت کا وہ من فرود اور جذبات سے بالکل پاکِ مصلحت تھا
 یہ وہ باتیں کہنے میں بہت معمولی ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ انہی وہ
 دماغوں کے اندر ہندوستانی رہنما کے لئے آج سب سے بڑی آزمائش مضمر ہے
 میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے دماغ کے بغیر تو ہندوستان جیسے ملک میں کچھ نہیں
 اور قومیت کی نشوونما ہو ہی نہیں سکتی۔

نہا دوسرے باک قوت عمل سے میرا مقصود یہ ہے کہ ہم میں ایک بے باک
 اور خطہ میں کود پڑنے والے نساپا ہی کی طرہ کام کرنے کی مدد پیدا ہو جائے۔ حمایت
 ہمارے اعتقاد میں ہیگی اور ضروری ہو، اسے بغیر تامل اور تذبذب کے کہنے اور کرنا چھینے
 کے لئے تیار ہو جائیں۔ بہت زیادہ سوچنا، دیر تک تذبذب اور تردد رہنا، قدم اٹھانا
 اور پیچھے ہٹ جانا، طرح طرح کے غفٹے ہانا اور جاک کرنا، ممکن ہے یہ سب ایک
 مفکر و متفکر کے لئے بہترین اوصاف ہیں لیکن ایک لیڈر کے لئے نہ صرف
 غیر ضروری ہیں، بلکہ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بااوقات عیب میں داخل
 ہیں۔ ایک لیڈر کی ماہ ایک فلاسفر سے مختلف ہوتی ہے۔ لیڈر میں تجل سے زیادہ
 عملیت ہونی چاہیے۔ اسے ہم حکیم سے نہیں بلکہ جرنیل سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔
 ایک جرنیل اگر نقشہ جنگ کی ترتیب میں ایک مفکر کی طرح غرق خود فکر ہو جائے تو میدان
 جنگ کے لئے بغیر کوئی دوسرا جنگ آزما دھڑنا پڑے گا۔ پہلی نے میرٹھ کی لڑائی
 کا نقشہ فرود ترتیب دے دیا تھا لیکن کوہ الپس کی ناقابلِ عہدہ ٹیڈ لائنٹ برٹنڈس
 سے جب فرانسیسی فوج گزر گئی تو یہ اس کے دماغ کا نہیں بلکہ بے باک شجاعت و ہمت
 کا کام تھا۔

چند مثالیں

پترنجی ماس کے اس وصف کا بھرپور اثر ہے۔ ایک مرتبہ ایک انیگلو انڈین اخبار میں یہ رپارک چھپ کر میں بے اختیار غصے چڑا کہ آئیڈیلٹ تھے۔ جن لوگوں نے یہ رپارک کیا تھا ان کے نزدیک ہندوستانی قومیت کا مقصد ایک "آئیڈیا" سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی وہ کوئی قابل عمل خیال نہیں ہے۔ اس لئے وہ ہر اس شخص کو "آئیڈیلٹ" کہہ دیتے ہیں جو ہندو کے استقلال کے لئے کوشش کرتا ہو۔ میں ان لوگوں کو یہاں مخاطب نہیں کروں گا، لیکن میں کہوں گا کہ پترنجی ماس تو سراسر مل تھے اور یہی ان کی رہنمائی کا سب سے بڑا کامیاب وصف تھا۔ ممکن ہے وہ سوچنے میں سست ہوں لیکن گزر رہے ہیں بے دھڑک اور بے باک تھے۔ کوئی معاملہ کیا ہی بحث طلب اور پیچ در پیچ ہو، وہ فورا ایک رائے قائم کر لیتے، پھر بے دھڑک چل کھڑے ہوتے۔ جھجک اور مذہب کو ان کے کیریکٹر میں جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ عملی سیاست میں اس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ امتیاز کرو اور سوچو۔ جو پتھر راستے میں آجائے اسے نواٹھا دینا چاہیے اور اس کی وجہ سے سفر نہیں رکنا چاہیے۔ یہی ان کے سفر کا ڈوٹو تھا۔ ٹیکسیٹر نے سیمٹ میں انسانی دماغ کی وہ حالت میں بتلائی ہے جب وہ حیران ہو کر سہتا ہے کہ کیوں یا نہ کیوں، یہ کیوں یا نہ کیوں۔ دلچسپ بندھو اس میں دیکھا۔

دلچسپ بندھو کا دوسرا وصف بھی ایک طرح اسی وصف کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کی قومیت کی راہ میں سب سے نیا شکل دیکھ کر ہندو مسلم

کی پیچیدگیاں ہیں۔ حالات ایسے گہرے اور شدید ہیں کہ لباً و قات بڑے سے بڑا ہندوستانی صوبہ اڑیسہ بھی فرقہ وارانہ جذبات سے اپنے دماغ کی گنجبانی نہیں کر سکتا۔ بڑی ہی محبت، عشق، وطن اور جنون آزادی کا ہرماں طاقت اور جذبہ چاہیے جو ہمیں ایسی بلندی پر پہنچا دے، جہاں تک ان نیچے درجے کے جذبات کی رسائی نہ ہو۔ میں دثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پترنجن داس نے ایسی بلندی حاصل کر لی تھی اور اسی حال میں اس سے اترنے کے لئے طیارہ نہ تھے۔ اس بارے میں ان کا دل کامل فرائض اور فیاض تھا۔ وہ ملک کی آزادی اور نجات کی خاطر تمام چیزیں قربان کر دینے کے لئے طیارہ تھے۔ جو اس اعلیٰ مقصد سے کتر ہوں۔ صرف یہی روح ہندوستان کا مسئلہ حل کر سکتی ہے۔ افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ مقام اس وقت تک بہت کم ہندوستانیوں کو حاصل ہو سکا ہے

میشاق بنگال

مسئلہ ہندو مسلم کے سلسلہ میں بنگال یکٹ، ان کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس پر مخالف و مخالف دونوں طرح کی رائیوں کا نہایت پر جوش مظاہرہ ہو چکا ہے، لیکن اس وقت تک بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ یہ میشاق حیدر میں کیوں کر آیا ؟

جن لوگوں کو مسئلہ ہندو مسلم کی عملی مشکلات کا علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ معاملہ کس قدر عجیبہ اور مشکل تھا۔ معاملے کی کوئی جانب اختیار کی جائے، فردی ہے کہ مشکلوں اور مزاحمتوں کا ایک طوفانِ عظیم سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت بنگال سے باہر فیصلہ ہو سکا۔ پنجاب جہاں اس مسئلہ نے سب سے زیادہ مصیبت، انگیز صورت اختیار کر لی ہے، اس وقت اپنی آب و ہوا میں کئی عظیم

سی آماجگی بھی ظاہر نہیں کرتا۔ گزشتہ فردی میں دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس نے کامل ایک ہفتہ تک نشست جاری رکھی لیکن بالآخر بلا کسی فیصلہ کے منتشر ہو گئی۔ ایسا مشکل اندھیت آزماسا ملہ جب بدیش بنحو کے سامنے اچانک آگیا تو انھوں نے کیا کیا؟ میں پہلی مرتبہ نگلیں کو تباہا چاہتا ہوں کہ صرف پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کر دیا۔

یہاں پانچ منٹ کا وقت میں نے تھوڑے وقت کے معنی میں مجباً استعمال نہیں کیا بلکہ اس سے سچ گھڑی کے پانچ منٹ مراد ہیں۔ جب مجلس وضع قوانین بنگال کے پچھلے انتخاب سے فارغ ہوئے تو مخالفین نے سودا جیہ کو ناقص کھنے کے لئے ہر طرح کے ہتھیار آزمائے شروع کر دیے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ٹکڑا آزموہ ہتھیار فرقہ دارانہ حقوق کا مسئلہ چھیڑنا تھا۔ اس وقت مجلس کے اندر اور باہر دونوں جگہ سودا جیہ جماعت کی کامیابی بہت کچھ اس پر موقوف تھی کہ مسلمان کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ معلوم ہے مسلمان دو جماعتوں میں منقسم تھے۔ ایک جماعت سودا جیوں کے ساتھ تھی اور دوسری ان سے علیحدہ تھی۔ ہماری کوشش تھی کہ سب مسلمان سودا جیوں کا ساتھ دیں۔ مخالفین کوشش کر رہے تھے کہ مسئلہ ہندو مسلم چھیڑ کر مسلمانوں کو سودا جیوں کی حمایت سے باز رکھا جائے۔ اس اثنا میں وہ ایک عجیب چال چلے۔ انھوں نے مجلس وضع قوانین کے مسلم ارکان سے کہا کہ اگر سودا جیہ جماعت میں شامل ہی ہونا چاہتے ہیں تو کم از کم سورج سننے پر مسلمانوں کی غائیگی اور حقوق کا فیصلہ کر لیں۔ یہ انھوں نے اس لئے کہا کہ ان کا خیال تھا مسلمانوں کی جانب سے جو مطالبات ہوں گے انھیں سودا جیہ جماعت منظور کر سکے گی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مجلس وضع قوانین کے مسلم ارکان مایوس ہو کر الگ ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی علیحدگی کے بعد سودا جیہ فکڑا نسل کے فکڑے کر سکیں گے نہ باہر مضبوط ہو سکیں گے۔

چنانچہ مسلمانوں کے مطالبات کی ایک فہرست ایک بڑے سرکاری دفتر کے یہاں طیار

کی گئی۔ اچانک ایک دن صبح مجھے معلوم ہوا کہ آج مطالبات ہمارے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ میں نے اسی وقت مشر داس سے بندہ ریٹلیفون گفتگو کی اطلاع یا ذلت کیا کہ اگر مطالبات پیش ہوئے تو ان کا طرز عمل کیا ہو گا؟ میں نے کہا کہ مخالفین کی اس چال نے ہمارے لئے نہایت ناگزیر صورت حال پیدا کر دی ہے، لیکن انھوں نے بلا کسی تامل کے جواب دیا میں منظرہ کر رہا تھا کہ وہ نہیں کہ منظرہ نہ کیا جائے، کیوں کہ مطالبات ہر حال صحیح ہیں۔ یقیناً انھوں نے یہ فیصلہ پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں کیا تھا۔

اس طرح ایک سخت خط کر کے فوراً نجات مل گئی البتہ ایک دوسرا خطہ پیدا ہو گیا تھا یعنی مخالف کا وہ طوفان جو اس پیکٹ کے خلاف شروع ہوا، لیکن اس کفر و کفر کے لئے دشمن بندھو کافی طاقتور تھے۔

صلواتِ بلندہ کلکتہ

کلکتہ سے باہر شاہیہ سب سے کم وگوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ جب کلکتہ کارپوریشن کے لئے میئر کے انتخاب کا معاملہ پیش آیا تو مشر داس بالکل طیارہ تھے کہ خود میئر منتخب ہوں۔ پہلی مرتبہ جب اس مسئلہ کے متعلق مجھ میں اطمینان میں مشورہ ہوا تھا انھوں نے نذر سے کر کیا کہ میں چاہتا ہوں سپلائی میئر ایک مسلمان ہو۔ یہ اس پورٹ کا اعلیٰ اہمیت ہو گا، جو سماجیہ جماعت نے مسلمانوں کی نسبت ظاہر کی ہے اور چونکہ بھارتیہ مسلم لیگ کے ایک مسلمان لیڈر موجود نہیں ہے، جیسے سب بالاتفاق منتخب کر لیں، اس لئے تم اس کے لئے جیادہ چاہو۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا انتخاب نہیں ہوا تھا اور انھوں نے پانچ الٹرمین میں ایک نام میرا اسی غرض سے رکھا تھا تاکہ مجھے میئر منتخب کیا جائے۔

لیکن میں نے نہایت اعرار کے ساتھ اس سے اختلاف کیا۔ میں نے کہا جہاں تک میری ذات خاص کا تعلق ہے میں نہ قناب، نہ کبھی آئندہ اپنے آپ کو ان مناصب کے لئے منتخب کر سکتا ہوں۔ میری زندگی کی رفتار ابتدا سے دوسری ہے۔ کسی طرح ان مناصب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا کسی مسلمان کا میرے بھٹا تو بلاشبہ مسلمانوں کو بھی کشادہ دلی کے ساتھ موقع دینا چاہیے، لیکن قابلیت اور استحکام کی بناء پر ہر شخص فرقہ دار تقسیم کے خیال سے۔ اس وقت ہر اعتبار سے ضروری ہے کہ آپ میرے منتخب کئے جائیں۔ خود مسلمان بھی اگر بہتر انتخاب نہیں کر سکتے۔

میرا اودان کا باہمی تعلق

میں چند الفاظ اپنے اودان کے تعلقات کی نسبت کہے بغیر نہیں رہ سکتا ان کی بزرگوار محبت کی یاد میرے دل کا ایک ناقابل انہمال زخم ہے۔ ہمارا ایک دوسرے سے تعاضف سوسائٹی میں نہیں ہوا۔ نہ ہم میں اور کسی طرح کا ذاتی تعلق تھا، محض قومی خدمت کے سلسلے میں ایک دوسرے سے ملے، لیکن طبیعتوں کی مناسبت نے بہت جلد ملی علاقے کی صورت اختیار کر لی، حتیٰ کہ ہم محسوس کرنے لگے کہ حقیقی بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور باہمی محبت و اعتماد نے ایک لازوال رشتے میں دونوں کو منسلک کر دیا ہے۔

۱۹۱۷ء سے پہلے ان کی شہریت زیادہ تر بے حیثیت ایکسٹریئر اور کامیاب پزیر کر کے تھی۔ اسی سبب میں وہ پبلک پلٹیفارم پر نمایاں ہوئے۔ میں اس وقت نظر بند ہو چکا تھا لہذا راجی میں مقیم تھا۔ اخبارات میں ملان کی سرگرمیوں کا حال شہر ہمارا۔ چند ہی مہینوں میں جب رہا ہو کر واپس آیا تو سب سے پہلی مرتبہ ان سے شناسائی ایک پارٹی میں ہوئی۔ لیکن یہ شناسائی محض سرسری تھی۔ اس کے بعد ہی

ترک مولات کی تحریک کا اجتماعی زمانہ شروع ہو گیا اور اگست میں کانگریس کا اجلاس خاص نکلنے میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر وہ ترک مولات کے پروگرام سے متفق نہ ہو سکے اور سال کے آخر تک مخالف رہے۔ اس لیے یہ زمانہ ہم نے باہمی مخالفت میں بسر کیا۔ وہ ناگہر کا گھوس کے لئے مخالفانہ طیارا بن کر رہے تھے، میری کوششیں موافقانہ تھیں۔

ناگہر کا گھوس میں وہ ترک مولات کے پروگرام سے متفق ہو گئے پھر جم دنوں اور فرط طے تاکہ جنگال کے کاموں کی نسبت مشغول کریں۔ فی الحقیقت اسی زمانہ سے میرے دن کے تعلقات کا اصلی دور شروع ہوتا ہے۔ اس تلخی سے لے کر ان کے انتقال تک میرا ان کا شب و روز کا ساتھ رہا۔ روز بروز وہ ہم ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے۔ انھیں مجھ پر اتنا دھنسا ہوا تھا کہ میرے دل پر ان کی صداقت نقش ہوتی۔

دورِ اسیری

باہمی علائق کا یہ زمانہ کچھ عجیب اور غمناکوں حالات میں بسر ہوا۔ اس میں دسمبر ۱۹۴۱ء وہ کبھی نہ فراموش ہونے والا وقت بھی شامل ہے، جب سب سے پہلے بنگال میں خلافت دینی قانون کا قدم اٹھایا گیا اور دو مہینے کے اندر حکومت کو مجبور کر دیا گیا کہ سختی و مقابلہ کی جگہ صلح و تسکین کا ہاتھ بڑھائے۔ اس زمانہ میں ہم رات کے دو دو بجے تک اکٹھے بیٹھتے اور دوسرے دن کا پروگرام طے کر دیتے۔ ۹ دسمبر ۱۹۴۱ء کو ہمیں معلوم ہو گیا کہ اب ہماری گرفتاری میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔ اسی دن رات کے گھاناہ بجے مشرکین شکر مانے کے مکان پر ہمارا آخری اجتماع ہوا اور دوسرے دن سے ہر کوئی ایک وقت گرفتار ہو گئے۔ جیل میں بھی ہماری یکجہانی قائم رہی۔ البتہ انھیں چھ دن کی سزا دی گئی تھی اور پھر ایک سال کی، اس لئے وہ چھ ماہ پہلے رہا ہو گئے۔

سورج پارٹی

۱۶ جنوری ۱۹۲۳ء کو جب میں رہا ہوا تو کانگرس دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ جدید جماعت معنی سوراجیہ جماعت کے لیڈر لیش بندھو تھے۔ دوسری جماعت مخالفین تغیر (انویچیز) کی تھی۔ دونوں جماعتیں مجھے اپنی اپنی طرف کھینچ رہی تھیں، لیکن میں کسی میں بھی شریک نہ ہوا اور اپنا وقت تمام تر اس کوشش میں صرف کیا کہ کسی طرح یہ اختلاف دور ہو جائے یا کم از کم ایسی شکل اختیار کر لے کہ کانگرس کی مجموعی طاقت باہمی جنگ میں ضائع نہ ہو۔ چونکہ دونوں طرف جماعتی تعصب کے شدید جذبات کام کر رہے تھے اور ممتدہ نقطہ عمل اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا۔ اس لئے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں۔ بالآخر کامل ایک ماہ کی جدوجہد کے بعد مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہوئی اور دلی کے خاص اجلاس میں ایک متفقہ فیصلہ ہو گیا۔

اس کوشش کے دوران میں مشر داس کا جو طرز عمل ظاہر ہوا بطن میں رہا، اس نے میرے دہران کی غیسر معمولی صفات اور زیادہ گہرائی کے ساتھ نقش کر دیں۔ میں اس کام میں بہ خیریت ایک مصلح (پیس میکر) کے مجاہد تھا کہ حسبِ ضرورت دونوں طرف رو دو کہ کروں اور کچھ ایک جماعت کو دبا دیا جاوے، کبھی دوسری کو۔ بار بار ہم میں نہایت تیز اور سخت بحثیں بھی ہو گئیں۔ مجھے جس طرح مخالفین تغیر کے جوہر تقلید سے اختلاف تھا۔ اسی طرح حامیان تغیر کی بے قیدی سے کبھی میں متفق نہ تھا۔ یہ اسی مہمان تمام حالات کے اندر بھی جو حقیقت برابر مجھ پر کھلتی گئی وہ یہ حقیقت ایک لیڈر اور مدبر کے مشر داس کی شخصیت تھی مجھے یقین ہو گیا کہ کام کرنے والی شخصیت یہی ہے، اس لئے کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے لئے کام کا میدان صاف ہو جائے۔ اپنی ناچیز کوششوں کے ذریعے سے جو کچھ کر سکتا

تھا وہ میں نے کیا اور گو اس وقت میری یہ کوشش میرے بعض مخالف تغیر
 دوستوں پر گواں گزری، لیکن مجھے امید ہے کہ اب وہ مجھے اس کے لئے ملامت
 نہ کرتے ہوں گے۔

مسئلہ ہندو مسلم

جہاں تک مسئلہ ہندو مسلم کا تعلق ہے میرا ان کا معاملہ کچھ عجیب طرح کا تھا۔ میں دہشتا ہوں کہ شمالی ہند کی موجودہ آب و ہوا میں بہت کم لوگ اسے ٹھیک طبع پر سمجھ سکیں گے۔ ہم جب اس طرح کے معاملات پر گفتگو کرتے تھے تو بلا مبالغہ ہمیں ایک ادنیٰ سا احساس بھی اس تفریق کا نہیں ہوتا تھا۔ بارہا وہ کسی معاملہ میں ہندو نقطہ خیال کے خلاف رائے دیتے تھے اور میں مسلم نقطہ خیال کے خلاف رائے دیتا۔ میرے دل میں کبھی یہ گمان نہیں گزرتا تھا کہ انھیں میرے ہم مذہبوں کے خلاف کوئی فرقہ دار احساس ہے۔ اسی طرح وہ کبھی اس کا خاں بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ تفریق محض ظن اور قسمت فرقہ دار خود غرضی سے آلودہ ہو سکتی ہے۔ وہ تمام مسائل جو شمالی ہند میں فرقہ دار جذبات کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں، ہمارے سامنے آتے تھے اور ہم اس آسانی کے ساتھ خود فیصلہ کر لیتے تھے کہ ہم دونوں کے علاوہ کسی کو کانوں کان غبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ بارہا ہم نے ایک دوسرے سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہمارا باہمی تعلق اس بد قسمت مسئلہ کے لئے ملک میں ایک نمونہ نہیں بن سکتا؟ اے کاش ایسا ہو سکے۔

ایک نمونہ

ایک عربی شاعر کہتا ہے۔ موت ایک بڑے پر کھنے والے جوہری کی طرح ہے۔ وہ ہمیشہ قیمتی جوہر چن لیا کرتی ہے، بلاشبہ یہ سچ ہے ہندوستان کے دامن میں اس وقت جو جوہر چل رہے ہیں، اچانک موت نے ان میں سے

کیا آخری منزل آگئی؟

یہ اس دور کا مقالہ ہے، جب ترک موالات یا اتحادن کی تحریک شباب پر تھی۔ تحریک کے بعض رہنما خصوصاً مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی مرحوم گرفتار ہو چکے تھے۔ باقی اکابر کی گرفتاری ہونے والی تھی۔ کلکتہ سے ایک ہفتہ وار پرچہ ”پیغام“ کے نام سے مولانا کے زیر نگرانی جاری ہوا تھا۔ اس میں مولانا کے خاص مضمون شائع ہوتے دہتے تھے۔ یہ مقالہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کے پیغام میں چھپا تھا اس کا دوسرا حصہ بھی تھا جو بعد میں شائع ہوا، مگر میں نے اسے لوک لیا ادا صاف بات یہ ہے کہ پیغام کے مقالات ادب بعض دوسرے نادر مضامین ایک جگہ کتاب میں شائع ہونے چاہئیں۔ اس مقالہ کو موجدہ مجبوعے میں شامل کرنے کی غرض یہ تھی کہ اذان ہو جائے، دعوت عام کے سلسلے میں مولانا کا اسلوب تحریر کیا تھا۔ اس اسلوب تحریر پر مفصل بحث یا تو مولانا کے سوانح حیات میں ہو سکتی ہے یا ان مقالات کے مجبوعے میں جن کا تعلق مقام دعوت سے ہے عوامہ اللہ اہل۔ میں شائع ہوئے یا پیغام میں یا کسی دوسرے رسالے یا جگہ سے ہیں۔

یہی امر اتنا یاد دہندہ ہے کہ اللہ کے بہت سے داعیانہ مضامین کے مقابلے میں اس مضمون کا اسلوب بہت سادہ ہے۔ گویا یہ عوامی دعوت کا ایک نمونہ ہے۔

ہم نے آخری منزل کا بار بار ذکر کیا ہے۔ وہ ہمارے سفر کا مقصد ہے،

طلب دہی کا مطلب ہے، جستجو کا سراغ ہے، آرزوں اور تمناؤں کی امید گاہ ہے
پھر کیا وہ آگئی؟

اگر واقعی آگئی ہے اور واقعی ملک اس کے استقبال کے لئے طیارہ ہے تو ہماری
کامیابی بھی آگئی اور فتح دہراؤ نے بھی اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا :
یاراں ! صلاے عام است گری کیند کاے

ہم نے اہل دن سے اعلان کیا ہے کہ موجودہ جدوجہد کے لئے آخری منزل قید خانہ
ہے۔ اس جنگ کی فتح و شکست کا فیصلہ میدانوں میں نہ ہوگا، قید خانوں کی
کوٹھڑیوں میں ہوگا۔ ہم نے اسی لئے سول ڈس او بیڈنٹس یعنی سول قوانین کی نافرمانی
کو بھی پردہ اگر م میں داخل کیا، کیوں کہ قید خانے کی سب سے زیادہ سہل اور سیدی
راہ دہی ہے۔ پھر کیا واقعی قید و بند کا پیام آگیا ہے ؟

دوسرے سفر

سفر دو بھی ایک اشخاص کا، ایک مقصد کا۔ اشخاص کی کامیابی یہ ہے کہ وہ
اپنا کام کئے جائیں۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو مقصد کے لئے قربان کر دیں۔ جب انہوں
نے اپنے آپ کو قربان کر دیا تو ان کا سفر منزل مقصد تک پہنچ گیا اور وہ کامیاب ہو گئے
اب ان کے لئے سوال باقی نہیں رہتا کہ مقصد حاصل ہوا یا نہیں۔ اس سفر میں سفر
سے نہ تھکنا اور آخر تک چلتے رہنا ہی سب سے بڑا مقصد ہے اور اس کے جس
مسافر نے اس مقصد کو پایا اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ یہاں راہ اور منزل دو
نہیں ہیں، ایک ہی ہیں

رہروں را خستگی راہ نیست

صفت ہم را بہت و ہم خود منزل است

باقی رہا مقصد کا سفر تو بلاشبہ اس کی کامیابی یہ ہے کہ مقصد حاصل ہو جائے، لیکن یہ انسان کا کام نہیں ہے، جو بیخ بوتا ہے۔ خدا کا کام ہے جو سورج چمکانا اور بدلیاں بھیجتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ اگر رہروان مقصد کامیابی کے ساتھ اپنا سفر پورا کرتے رہے تو مقصد کا سفر بھی ایک دن پورا ہو کر رہے گا ورنہ آیاتہ بریکم البرق خونا وطما یزول من السماء، مآتیحی بہ الاارض بعد موتہا ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلین۔ اور دیکھو اس کی قدرت و حکمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ کھلی کی چمک اور کرک کرک نمودار کرتا ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں کی حالتیں طاری ہو جاتی ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے۔ بلاشبہ اس صہت حال میں ان انسانوں کے لئے جو دانش و نبش رکھتے ہیں، حکمت الہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں (ردم)،

ہندوستان کا سفر اور آخری منزل

ہندوستان نے بھی سفر شروع کیا۔ ایک سفر اس کے مقاصد کا ہے، ایک سفر جانداروں کے مقاصد کے فرائض کا ہے۔ پہلے کی کامیابی دوسرے کی کامیابی پر موقوف ہے۔ طریق علی یہ قرار پایا کہ جو سفر اس وقت تک جن مسافروں میں محدود رہتا۔ اسے تمام ملک اپنا شیوہ بنائے اور سیکیڑوں ہزاروں جاندار ایسے پیدا ہو جائیں جو کامل خود نشی و قربانی کے ساتھ کوچ کر دیں۔ ایمان کی لافال روح ان کے دلوں میں ہو، صبر کی ان شک اور اہل طاقت ان کے قدموں میں عشق ان کی رہبری کرے، شوق ان کا رفیق و مددگار ہو۔ عزم قدم قدم پر محبت بڑھائے اور محبت آگے بڑھ کر راہ صاف کرے۔ یہی نور ہم میں ایم

وہا یما ہم (الحمد)

عشق تو راہ می برد، شوق تو راومی برد

پھر جب آخری منزل آجائے، قید و بند کی پکار ہو اور طوق و زنجیر استقبال کریں،

جس فریادوں کا مدد کہ پر بندید محسوس

تو دلہا ہو کہ ہزاروں قدم اس کے لئے مصطربانہ دوڑیں۔ ہزاروں ہاتھ اس کی
طرف دایہ و بائیں ہیں۔ ہزاروں دل اس کی طلب و شوق سے معمور ہو جائیں۔ وہ ہمیشہ
نشاط کی پکار ہو۔ کھروانی و مراد کی بخشش ہو۔ فتح و ماقبل کا نشان ہو۔ ہر انسان اس کے لئے
آئندہ بن کرے۔ ہر دل اس کے لئے رشک کھائے اور ہر روح اس کے لئے بے قراری
سمجھائے۔ قید کرنے والے قید کرتے کرتے ٹھک جائیں، لیکن قید ہونے والے قید ہونے
سے نہ اکتائیں۔ تنہا کڑی پہنانے کے لئے ہاتھ نہ ملیں، لیکن تنہا کڑی پہننے والے ہاتھوں
کی کمی نہ ہو۔ یہاں تک کہ بندوستان کے جیل خانوں میں ایک نئی بستی زندانیانِ حق کی
آباد ہو جائے اور اس کی کوٹھریں اور محنت خانوں میں چڑھوں اور ڈاکوؤں کے رہنے
نہ کھنے کے لئے جگہ باقی نہ رہے۔

آخری منزل کے بعد

جب ملک قربانی اور خود نردشی کا یہ مرحلہ طے کرے گا تو پھر اس کی طاقت
نا قابلِ تسخیر ہو جائے گی۔ کوئی ہتھیار اس پر اثر نہ کرے گا۔ کوئی فوج اس کی فتح نہ کر سکے
گی۔ آسمان کی تمام جہلیں بھی اگر اتر آئیں، اور سمندر کی تمام موجیں بھی اکٹھی ہو جائیں،
جبکہ قربانی کی قربان طاقت کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

انسان کو قید کے نام سے دھمکایا جاتا ہے اور موت کے خوف سے وہ منہ موڑ
جاتا ہے، لیکن جو انسان خود قید کا آئندہ منہ نہ دھرتو کہ بے خوف ہو، اس کا مقابلہ کس اختیار
سے کیا جائے؟

بالآخر یا تو گورنمنٹ کو اپنے گمنڈ کے تخت سے اترنا پڑے گا اور حق و انصاف

کے سامنے جھکنا پڑے گا یا ہمیشہ کے لئے اس تخت ہی کو چھوڑ دینا پڑے گا۔

تین شرطیں | لیکن اس منزل کا نقشہ لفظوں میں جس قدر جلد کھینچ گیا، عمل میں اس قدر آسان نہیں ہے۔ ایک ایسی حرکت کے لئے جو کہ وڑوں غفلت پسندانوں میں پھیلی ہوئی ہو، بہت زیادہ کام کی ضرورت ہے اور جب تک خود ہمارے دلوں کا کام پورا نہ ہو جائے میدان کا کام شروع نہیں ہو سکتا۔

اس کے لئے ضرورت ہے کہ ملک میں کامل قربانی، استقامت اور نظم پیدا ہو جائے۔ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے عفو و درگزر طیار ہو جائیں جو کامل ایمان و یقین کے ساتھ سچائی کے ہاتھ پک چکے ہوں۔

استقامت سے مقصود یہ ہے کہ ان کا جذبہ عارفی و نہنگانی نہ ہو، بلکہ اس میں پوری طرح قرار اور جماؤ پیدا ہو جائے۔ ان کی آگ بھڑک مٹ جائے، بقیوں سمیر و صبر ہو، ان کی محتاج نہ رہے، خود غمے میں بھی مشتعل رہنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ وہ سمندر کی طرح لبریز ہو جائیں، پہاڑ کی طرح خود اپنے سہارے کھڑے ہو جائیں۔

قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ کامیابی اور بے خونی کے نزدیک صرف ان ہی پاماتے ہیں جو خدا پرستی کے ساتھ استقامت کا جماؤ بھی اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا متزلزل علیہم الملائکہ الا تمناوا ولا تمنا۔ تحقیق جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جے رہے، ان پر نشتے اترتے ہیں کہ تم نہ تو خدا کا غم کھاؤ، نہ غم کھاؤ، نہ غم کھاؤ۔

نظم کی اہمیت

نظم سب سے بڑی شرط ہے۔ وہ آخری بھی ہے اور پہلی بھی ہے، کائنات کا ہر کام اسی طاقت پر چل رہا ہے مقصود اس سے یہ ہے کہ عمل کا تمام حلقہ ایک

رشتے میں منسلک ہو جائے۔ کوئی کڑی اس سے باہر جانے نہ پائے۔ جو وہ قرار دی جائے
 سب اسی پر گامزن رہیں اور سارا حلقہ اس انتظام اور یکسانیت کے ساتھ کام کرے
 کرے۔ گویا سب کے دل اور جذبات ایک ہی سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔

مطلوب و مقصود

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ نظم لوگوں میں پورا پورا ضبط اور ضبطی اور قابو
 رکھنے کا ملک پیدا کر دے۔ اشتعال کو ہلانے سکے اور غیظ و غضب ان پر قابو
 نہ پا سکے۔ وہ وقت پر بھر مار نہ اٹھیں۔ بے جا جوش میں آکر اپنا کام فراموش نہ
 کر دیں۔ قید و بند کے یہی معنی ہیں کہ ہم قید ہوں، قربانی و خود فربشی کے یہی معنی
 ہیں کہ ہم ہر طرح کی تکلیف و نقصان برداشت کریں۔ پس اگر ایسا ہونے لگا تو
 اچھا کیوں؟ غصہ کیوں آئے؟ انتقام کا ارادہ کیوں کریں؟ کیوں بھنپا چاہیں؟
 اور کیوں دوسروں کو بھانپیں؟ پیاسا پانی پینے سے نہیں بھاگتا اور غلے نے کبھی ایسا نہیں کیا
 کہ دولت ملنے پر لڑنے لگا ہو۔ اگر ہم واقعی راہ حق میں قید ہو جانے کے لئے تیار
 ہیں اور سچے ہمارے دل کا یقین یہی ہے کہ اس منزل سے ہو کر کامیابی تک پہنچیں گے
 تو پھر ہمارے مطلوب و مقصود کے ملنے کی راہ کھل گئی اور ہمیں خوش ہونا چاہیے،
 ایک دوسرے کو مبارکباد دینا چاہیے، ایسا کیوں ہو کہ ہم بھاگیں اور بے قابو ہو کر لڑنے
 پر آمادہ آئیں؟

کامیابی کی کلید

یہ شرط سب سے بڑی اور نازک شرط ہے اور اس عمل کی ساری کامیابی اسی پر منحصر ہے۔ اگر یہ طاقت ملک میں پیدا نہ ہوئی تو پھر اس کی قربانی اور استقامت کچھ بھی سودمند نہ ہوگی۔ فوج کتنی ہی بہادر اور جانناز ہو لیکن اگر اس میں علم اور اطاعت نہیں ہے تو اس کی شجاعت و جاننازی یک قلم رائیگاں جائے گی۔ کم از کم ملک میں بہ کثرت ایسے کارکن ہمایا ہو جانے چاہئیں جو وقت پر لوگوں کے جذبات کو مسخّر کر سکیں۔ اشتعال اور بے راہ روی پر پوری طرح قابو پالیں۔

ہم اپنی کمزوریوں کا اقرار کرتے رہے ہیں۔ ہم معترف ہیں کہ ملک نے ابھی پشیمانی پروری نہیں کیں۔ بلاشبہ قربانی کا دلورہ زندہ ہو گیا ہے لیکن استقامت کا امتحان باقی ہے۔ اندھم کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ چونکہ ہم مطمئن نہ تھے اس لئے آخری منزل کا اعلان نہ کر سکے اور بار بار ملک سے یہی دشواست کی کہ پہلے درمیان میں منزلوں کو کامیابی کے ساتھ طے کر لے۔

گورنمنٹ کی جلدی اور دعوت

لیکن گورنمنٹ نے ایک پیام بھیجا ہے اور ہم نے قبول کر لیا ہے، کیوں کہ جب حریف کا پیام آجائے تو حریف قبول ہی کیا جاسکتا ہے۔

ہم متامل تھے اور چاہتے تھے کہ مزید انتظار کریں لیکن گورنمنٹ انتظار نہ کر سکی۔ اس نے بے صبری کے ساتھ ارادہ کیا کہ تحریک خلافت کے سربراہان کا رکنوں کو گرفتار کر کے سزا دینا شروع کر دے۔ اس طرح یا تو اچانک برہمی و ہراس پیدا ہو جائے گی یا لوگوں پر خوف اور ناامیدی چھا جائے گی۔ پہلی صورت میں گورنمنٹ کی موجودہ مل جلے گا کہ ایک مرتبہ اپنی

طاقت کی پوری خونریزی اور بولنے کی دکھلا کر تحریک کا ایک ایک رنگ دیشہ فنا کر دے۔
 دوسری صورت میں تحریک خود بخود شکست کھا جائے گی اور اس طرح چالیس کروڑ
 مسلمان عالم اور عیس کرہ ہندوستانوں کی زندگی کا مسئلہ ایک بڑی مدت تک
 کے لئے ہندوستان میں مدفون ہو جائے گا

انسان کا گھنڈہ و در کی فتح مندیاں دیکھ لیتا ہے، لیکن قریب کی بدبختی اسے نظر
 نہیں آتی۔ گورنڈ ٹٹنے یہ دونوں پہلو دیکھ لیے، مگر تیسری راہ اُسے دکھائی نہ دی۔
 وہ ملک کو پامال کر سکتی تھی۔ یا شکست دے سکتی تھی لیکن یہ سمجھ لگئی کہ خود بھی شکست
 کھا سکتی ہے اور خود بھی پامال ہو سکتی ہے۔



